www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیام

از سیدہ انعم بخاری

ہماری ویب میں شائع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشاءاللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

چاند کی چاندنی پورے کمرے میں بکھری عجب فسوں بکھیرے ہوئے تھی۔ ہوا کے جوش سے لہراتے پردے جب ہولے سے ذرا اوپر کو اُٹھتے تو اندر کا منظر نمایاں ہوتا۔ کمرے کا فرش سیاہی بِکھرے کاغذات سے بھرا ہوا تھا، شاید وہ خطوط تھے:

سید زادے!!

کاش کہ دنیا والے محبتوں کی عزتیں پامال کرنا ترک کردیں، مگر کاش!

یہ کاش تو وہ ہے جو تمام محبت پرست لوگوں کا ہے۔ ایک کاش تو فقط میرا ہے کہ کاش محبت کی امین لڑکیاں کبھی کسی کو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھیں کیونکہ گر وہ دیکھ جائیں گی تو پھر دامن داغدار تو ہوں گے نا؟ کاش کہ مر جانے والے سچ میں مر گئے ہوتے تو عشق کی منزل کو جاتا ہر راستہ ایک ایسی دیوار کھڑی کر دیتا جس کو پار کرنا مر جانے کے جیسا ہوتا۔

اتنے کاش ہیں کہ۔۔۔۔

آگے کا خط دھندلاہٹ سموئے ہوئے تھا شاید کہ لکھنے والے کے آنسو کہے الفاظوں کو دھوڈالنا چاہتے تھے، ہمیشہ کے لیے۔۔۔۔

"حیام! حیام، اُٹھ جاؤ۔۔۔"

نائلہ بخاری اپنی اکلوتی بیٹی کے کمرے کو درست کرتے ہوئے اُسے اُٹھانے کی بھرپور کوشش بھی کر رہی تھیں۔

"اُٹھ رہی ہوں اماں!"

وہ بھی نجانے کس سے نہ اُٹھنے کی شرط لگا کر سوئی تھی۔

"اُٹھ جاؤ حیام، یونیورسٹی سے بھی چھٹی ہو گئی ہے تمہارے یہ اُٹھ رہی ہوں کے چکر میں۔ گھر کے تمام افراد اپنے اپنے کاموں کو ہو لیے مگر ایک تم ہو، کس مٹی سے بنی ہو؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اب اُن کا پارہ چڑھ چکا تھا اور یہ تو اُس کے لیے معمولی بات تھی۔

"اچھا میری پیاری اماں! یہ لیں میں اُٹھ گئی ہوں۔ اب تو خوش ہو جائیں۔"

اُس نے لاڈ سے اپنی ماں کے گرد بانہیں پھیلائیں اور وہ بھی تو ماں تھیں، وہ کیسے اپنی اولاد سے زیادہ دیر تک ناراض رہ سکتی تھیں۔ اولاد بھی وہ جو اکلوتی تھی اور بڑی منتوں مرادوں سے ملی تھی۔ اُس میں تو گھر کے تمام افراد کی جان بستی تھی۔

"چلو جلدی سے فریش ہو جاؤ، میں تمہارے لیے ناشتہ لگواتی ہوں۔"

"نہیں، رہنے دیں۔ ناشتہ آج میں خود بناؤں گی اور آپ کو بھی کرنا پڑے گا۔"

"میں کر چکی ہوں حیام۔۔"

کمرہ ایک مرتبہ پھر پہلی سی حالت میں واپس آ چکا تھا۔

"میرے ہاتھوں سے بھی نہیں کریں گی۔۔؟"

وہ معصوم صورت بنائے، آنکھوں میں مغروریت سمائے سیدھا اپنی ماں کے دل میں اتر رہی تھی۔

"اچھا میری جان۔۔۔!! پہلے فریش تو ہو جاؤ۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور پھر وہ تیار ہونے لگی جبکہ نائلہ بیگم نے دوبارہ باورچی خانے کا رُخ کیا۔

بخاری ہاؤس میں دو خاندان آباد تھے جو کہنے کو ہی بس دو تھے، اصل میں دو جسم ایک جان تھے۔ رشتوں میں پیار اور محبت تو ایسے پائی جاتی تھی جیسے نفرتوں کا جہان آباد ہی نہ تھا۔

ایک فیملی حسن بخاری کی تھی۔ اُن کی بیگم ندا، جو کہ ایک سلیقہ مند عورت تھیں، ہر طور معیار پر کھرا اُترتی تھیں۔ حسن صاحب اور ندا بیگم کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑا

بیٹا آرز حسن اور دوسرا بیٹا بازل حسن تھا دونوں پڑھائی مکمل کرنے کے بعد اب فیملی بزنس سنبھالتے تھے جبکہ تیسرے نمبر پر مشعل حسن آتی تھی۔

دوسری فیملی حسن بخاری کے چھوٹے بھائی مصطفیٰ بخاری کی تھی۔اُن کی زوجہ نائلہ بخاری کے ساتھ اُن کی پسند کی شادی ہوئی اور اُن کے گھر شادی کے کافی عرصہ بعد حیام بخاری کی پیدائش ہوئی۔

حیام اور مشعل دونوں ہم عمر تھیں اور دونوں کی دوستی کی پورے خاندان میں مثالیں دی جاتی تھیں۔ حسن صاحب اور مصطفیٰ صاحب نے اپنے آپ کو بزنس سے الگ کر لیا تھا۔آرز اور بازل دونوں مصطفیٰ صاحب کو اپنے بیٹوں جیسے عزیز تھے اور سچ بات تو یہ تھی کہ کبھی اُن دونوں نے بھی اُنہیں بیٹے کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔

حیام آگے آگے تھی جبکہ مشعل پیچھے پیچھے۔پورے گھر میں دونوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔وہ ہنس بالکل نہیں رہی تھیں بلکہ مشعل کا غصے سے بُرا حال تھا۔اُسے یونیورسٹی اکیلے جو جانا پڑا تھا۔اب وہ کیا کہتی کہ مجھے حیام محترمہ کے بغیر نہیں جانا، میرا دل نہیں لگتا وہ بھی آرز حسن سے۔۔۔ناں، اس سے تو اچھا تھا وہ خودکشی کر لیتی۔

"حیام تم مجھ سے نہیں بچو گی۔"

"اچھا میری ماں، میں آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔ پکا وعدہ!"

پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان وہ مشکل سے بولی۔ بھاگ بھاگ کر وہ اب تھک چکی تھی۔

"ایسے کیسے معاف کر دوں؟؟ تمہاری وجہ سے مجھے اکیلے وہ جو بکواس لیکچرز سُننے پڑے اور پھر اُس دوران سونے پر جو میری عزت افزائی ہوئی؟ وہ بھی پوری کلاس کے سامنے وہ؟"

بیچاری کے دکھ تو سچ میں بہت بڑے تھے۔

"لو، تو غلطی تو تمہاری ہے نا تم کیوں سوئی؟؟"

وہ شاید سچ میں پٹنا چاہتی تھی۔

"اب کون وہ بونگے سے لیکچرز سُنتا۔ تم ہوتی تو ہم کچھ بُرائیاں ہی کر لیتے۔"

حیام جو سمجھی تھی کہ مشعل کا غصہ اُڑن چھو ہو چکا ہے مزے سے جوس کا گلاس ٹیبل پر سے اُٹھائے کھڑی تھی جو کہ اس اچانک اُفتاد کی بناء اُسے پہلے پینا نصیب نہیں ہوا تھا۔ مگر اب دوبارہ مشعل کے اچانک حملے سے بُری طرح پھنس چکی تھی کیونکہ دھکا لگا تھا اور پورا گلاس عین پیچھے کھڑے آرز حسن کو نوش ہو چکا تھا۔

"سس۔۔سوری۔۔۔"

آرز کے تاثرات دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔

"اندھی ہو کیا تم؟ نہیں نہیں، میں اندھا ہوں۔"

وہ شاید نہیں یقیناً اُس پر طنز کر رہا تھا۔

"ہیں؟ آپ کب سے اندھے ہیں؟ یہ بات مجھے کیوں نہیں پتا؟"

وہ چلتی پھرتی پاگل پن کی پوری دکان تھی۔

"تم کیا چیز ہو حیام؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس سے پہلے وہ کچھ بولتی، وہ چلا گیا۔اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ دن بھر کی تھکان کے بعد وہ اُس پر وقت ضائع کرتا۔

گرمیوں کی راتیں آہستہ آہستہ خود میں سرما کی ٹھنڈک سمونے لگیں تھیں یا شاید راتیں ہمیشہ سے ہی ٹھنڈی ہوا کرتی تھیں۔وہ رات گئے اندھیرے میں بیٹھے چاند کو تکنے میں مصروف تھی۔چاند کو دیکھتے وہ ہمیشہ کی طرح اصل دنیا سے کہیں دور اپنا بسیرا کیے ہوئے تھی کہ اپنے نزدیک قدموں کی چاپ تک نہ سُن سکی۔

"ٹائم دیکھا ہے کیا ہو گیا ہے؟"

آرز کی آواز نے اُس کے مشغلے میں خلل ڈالا۔

"ہمم! معلوم نہیں، کیا کہا؟"

شاید اُس نے سُننے میں غلطی کی تھی لیکن بہت جلد وہ اپنے حواسوں میں واپس آ گئی۔

"میں نے کہا ٹائم دیکھا ہے؟؟"

وہ حیام کو مستقل گھوریوں سے نواز رہا تھا اور حیام کی تو جیسے جان پر بن آئی تھی۔

"نہیں، ہاں، نہیں مطلب بس وہ میں تو، میرا اندر دم گھٹ رہا تھا۔"

اُس آدمی کے سامنے وہ ہمیشہ بوکھلا جایا کرتی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہا۔ لگاتار پچھلے پانچ سالوں سے تمہارا دم ہی تو گھٹتا ہے اندر۔ کہو تو چاند پر گھر بنوا دوں؟"

وہ اب بھی اپنی گھوریاں ہنوز برقرار رکھے ہوئے تھا۔

"ہیں سچی؟ بنوا دیں گے؟ آرز بھائی آپ کتنے اچھے ہیں۔۔۔"

اپنی رُو میں بولتی نجانے کب اُس کی نظر آرزپر ٹھہری اور اس عظیم انسان کے خطرناک تیور دیکھتے ہی زبان تالو سے چپک گئی۔

"چلتی ہوں، شب بخیر۔۔۔"

کہتے ہی دوڑ لگائی کہ کہیں آرز کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔

"پاگل لڑکی!!"

اب آرز حسن چاند کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا، جوں ہی اُسے احساس ہوا خود کو کوستا اندر کا رخ کر گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com

"صبح بخیر!"

اگلے دن وہ پورے ٹائم پر ناشتہ کے لیے سب کے ساتھ موجود تھی۔ شاید مشعل کی ناراضگی کا ڈر تھا۔

"حیام، سلام۔۔۔"

نائلہ بیگم نے اُسے ٹوکا۔

"وعلیکم السلام اماں!"

کہتے ساتھ ہی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور ناشتہ دیکھ کر ایسی بھوک چمکی تھی جیسے کئی سالوں سے بھوکی ہو جبکہ بقیہ افراد کے چہروں پر دبی دبی سی مسکراہٹیں تھیں، سوائے آرز حسن کے۔

"حیام، سلام۔۔۔"

نائلہ بیگم نے ایک بار پھر اُسے ٹوکا۔

"اماں! یہ شاعری کے قافیے کبھی اور ملادوں گی۔ناشتہ کرنے دیں۔"

لیکن جیسے ہی اپنی ماں کے چہرے پر نظر پڑی ساری بھوک ارمانوں کی طرح جھاگ بن کر بیٹھ گئی۔

"اسلام و علیکم!! سب کو۔معصوم بچی ہوں نا بھول جاتی ہوں۔"

"وعلیکم السلام!! بالکل، اب آپ کھا سکتی ہیں۔"

یہ جواب بازل کی جانب سے آیا تھا۔بازل اُسے ہمیشہ سے مشعل کی طرح اپنی بہن ہی سمجھتا تھا۔

"آپ ہی تو میرے اصلی بھائی ہیں، سگے والے۔اس گھر میں میرا کوئی اپنا نہیں۔

ہائے!! میں کہاں جاؤں؟"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک مرتبہ پھر ماں کی گھوریوں کا رخ اپنی جانب پا کر خاموش ہونا ہی بہتر سمجھا۔

"ارے، کیوں گھور رہی ہو اِسے؟ بچی ہے، نائلہ۔۔۔!!"

ندا بیگم نے پیار سے مجبور ہو کر درمیان میں بولنا ضروری سمجھا۔اس سے پہلے کہ کوئی کچھ اور کہتا وہ یونیورسٹی چلنے کے لیے اُٹھ گئی۔

"اوئے، مشعل!! بس کر دے میری ماں۔دیر ہو رہی ہے۔"

"خود تو کھا لیا مجھے تو کھانے دو۔"

حیام کچھ اُٹھا کر مارتی اس ڈر سے وہ اُٹھ چکی تھی۔

گرمی جو پچھلے کچھ دنوں سے کہیں منہ چھپائے بیٹھی تھی ایک بار پھر سے اپنے پر پھیلائے جلوہ گر ہو چکی تھی۔اس گرمی سے بے حال وہ دونوں گرتی پڑتیں یونیورسٹی کے کیفے تک کیسے پہنچیں یہ بس اُنہیں ہی معلوم تھا۔

کیفے میں داخل ہوتے جو پہلی ٹیبل خالی نظر آئی حیام اُسی پر ڈھیر ہو گئی اور ساتھ ہی مشعل کے لیے حکم بھی جاری کیا۔

""مشعل!! میرے لیے ایک ٹھنڈا ٹھار جوس، شکریہ!"

وہ آنکھیں موندے بہت آرام سے کہہ گئی۔

"کیوں بھئی؟ میں بھی تھک گئی ہوں۔ آخر کو انسان ہوں۔"

شاید اُس نے بُرا منا لیا تھا۔

"اچھااا تم انسان ہو؟"

وہ اپنی انسانی جُون میں واپس آچکی تھی۔

"حیام نہ کرو۔"

ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔

"اچھا نا مشعل، معاف کر دو۔ غلطی ہو گئی۔"

لیکن وہ ہنوز اُسی حالت میں بیٹھی رہی۔

"نہ کرو مشعل! تمہیں معلوم ہے تمہارے بغیر حیام بخاری کچھ بھی نہیں۔"

آنکھوں میں موتی چمکنے لگے۔

"تم رو رہی ہو؟ میں مذاق کر رہی تھی حیام، دیکھو کیا میں مذاق نہیں کر سکتی؟"

وہ اُس کی آنکھوں میں آنسو کہاں دیکھ سکتی تھی۔

"تم ناراض تو نہیں ہو نا؟"

اُسے قدرے حوصلہ ہوا۔

"نہیں یار۔"

اُن دونوں کی دوستی ایسی ہی تھی، کھٹی میٹھی سی، ہر جھوٹ اور فریب سے پاک۔ ہنستے کھیلتے کب وقت گزر گیا، وہ دونوں لاعلم تھیں۔

"بازل!"

"یس! آرزتم ہو، آجاؤ یار۔ دروازے پر کیوں کھڑے ہو؟؟"

اُسے وہیں کھڑے دیکھ بول پڑا۔

"نہیں، یار تم بس میرے ساتھ چلو۔ ضروری کام ہے۔"

"اچھا، ٹھیک ہے۔ تم چلو میں آتا ہوں تمہارے آفس میں۔"

وہ شاید کسی ضروری کام میں مصروف تھا۔

"یار سب کام چھوڑ دو۔ ہمیں مال جانا ہے۔"

"وہ کیوں؟؟؟"

"یہ مت کہنا کہ تم بھول گئے ہو۔امی اور ابو کی شادی کی سالگرہ ہے ویک اینڈ پر۔ابھی تمام تیاریاں رہتی ہیں اور تحفے بھی۔"

"اُف!!میں بھول کیسے گیا؟چلو چلیں۔"

تمام ضروری کاموں کو بھاڑ میں جھونک،وہ دونوں شاپنگ کے لیے نکل پڑے۔

"حیام!"

مشعل اُس کے کمرے میں داخل ہوئی اور سامنے کا منظر اُس کے لیے کوئی نیا نہیں تھا۔ حیام ہمیشہ کی طرح اپنے بستر پر آڑھی ترچھی سوئی ہوئی تھی۔

"اُف،حیام!مغرب ہونے کو آئی ہے۔اُٹھ جاؤ کتنا سوؤ گی؟"

وہ ساتھ ساتھ تمام کھڑکیاں کھولتی گئی۔

"اُٹھ رہی ہوں مشعل۔آہستہ بولو یار۔۔۔۔"

اُسے اپنی نیند میں خلل بُرا لگا تھا،ہمیشہ ہی لگتا تھا۔

"حیام!اُٹھ جاؤ نا۔سب اکھٹے بیٹھے ہیں نیچے۔بھائی لوگ بھی آ گئے ہیں۔"

وہ اب منتوں ترلوں پر آ گئی۔

"یہ لو آ گئی۔"

"کہاں؟"

"مطلب، اُٹھ گئی ہوں۔ چلو نیچے۔"

"منہ ہاتھ تو دھو لو۔"

مشعل کو شک ہوا وہ اب بھی نیند میں ہے۔

"نہیں، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ چلو بھی اب۔"

اور ساتھ ہی مشعل کو لے کر کمرے سے نکل پڑی۔

تمام گھر کے افراد باتوں میں مصروف تھے جبکہ آرز بازل کے ساتھ بزنس سے متعلق بات چیت کرنے میں لگا ہوا تھا۔

حیام اور مشعل کسی بات پر مسکراتے ہوئے ہال میں داخل ہوئیں۔

(کتنی پیاری مسکراہٹ ہے اس پاگل لڑکی کی۔ خدا اِس مسکراہٹ کو صدا سلامت رکھے۔)

نجانے کب وہ دل ہی دل اُس کی خوشیوں کی دعا کر گیا لیکن پھر چونکا، وجہ اُسی جھلی لڑکی کی آواز تھی جو لیونگ روم کی دیواروں سے ٹکرا کر گونج رہی تھی۔

وہ ایسی ہی تو تھی، جہاں جاتی تھی مسکراہٹیں اُس کا پیچھا کرتی تھیں۔ جہاں بیٹھتی تھی وہاں خوشیاں اپنے پنکھ پھیلایا کرتی تھیں۔ وہ شاید بنی ہی مسکرانے کے لیے تھی۔ اس بات کا اعتراف آرز حسن نے آج خود سے کیا تھا اور اپنی توجہ واپس بازل کی جانب مرکوز کی۔

"تائی جان! پلیز مان جائیں نا؟ اس مرتبہ ہم آپ لوگوں کی ویڈنگ اینیورسری گرینڈ کریں گے پلیز!!"

وہ ندا بیگم کو قائل کرنے کی بھرپور کوشش میں لگی تھی۔ اُسی لمحہ آرز کی نظریں بازل سے جا ملیں۔ وجہ بس یہی تھی کہ وہ لڑکی اُن دونوں کا سرپرائز خراب کر چکی تھی۔ آرز حسن نے خود کو لعنت ملامت کی کہ آخر کیوں وہ اپنا وقت اس لڑکی کو سوچتے ضائع کر رہا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سیدزادے!!

محبت کا جوگ آخر ہوتا ہے، تو کیا ہوتا ہے؟؟لوگ دردر بھٹکنے کو افسانوں میں کیوں ڈھال دیتے ہیں؟ پاگل ہیں نا،اس قدر کم عقل ہیں کہ۔۔۔

محبتوں کی بھی کبھی قیمتیں لگا کرتی ہیں؟ تماشے تو روگ نہیں ہوا کرتے؟جوگ تو رانجھے سا ہوتا ہے، نہ نظر آتا ہے اور نہ ہی تشہیر۔۔جوگ تو لیلیٰ سا ہوتا ہے، بدصورت مگر اُس سا حسین نہ کبھی دیکھا نہ کبھی پایا۔۔

تمہاری اسیر

سیدزادی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دلہن بنے، مہندی لگے ہاتھوں سے کوئی یہ خط لکھے تو پھر سمجھو ڈولی نہیں جنازے کے انتظامات مکمل ہوئے جاتے ہیں۔

چشم عبرت سے دیکھ پردہ نشیں

شکل تابوت کی ہے ڈولی میں

(شاد لکھنوی)

فنکشن کا اہتمام بڑے زور و شور سے کیا گیا تھا۔سب مہمان موجود تھے۔گھر کے لان کو خوب سجایا گیا تھا۔ہر سو پھولوں کی مہک گوندھی ہوئی تھی۔گھر کے تمام افراد اپنی سی تیاری کیے شاندار لگ رہے تھے۔سب موجود تھے، کمی تھی تو بس حیام محترمہ کی جو نجانے کن تیاریوں میں مصروف تھی۔

آرز حسن بلیک فور پیس پہنے فنکشن میں موجود تمام افراد کی توجہ کا مرکز تھا۔وہ ویسے بھی ہینڈ سم تھا مگر آج کچھ زیادہ ہی جچ رہا تھا۔وہاں موجود کوئی نظر ایسی نہ تھی جو اُس پر نہ اُٹھی ہو، مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا، مجال تھی جو کسی کو نگاہ اُٹھا کر دیکھتا۔

"مشعل گڑیا!!کدھر جا رہی ہو؟"

مشعل کو اندر کی جانب جاتا دیکھ کر اُسے روکا۔

"بھائی!حیام ابھی تک نہیں آئی۔اُسی کو بلانے جا رہی ہوں۔پتا نہیں کتنا تیار ہو گی یہ لڑکی؟"

غصہ چہرے پر سجا ہر دیکھنے والے کو بھلا معلوم ہوتا تھا۔ہرے رنگ کا گھیرے دار

NEW ERA MAGAZINE.com Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فراک پہنے جس پر کندن کا کام ہوا تھا، ڈوپٹہ پھیلائے ہوئے جس کا ایک کنارہ سر پر ٹکا تھا، وہ اپنے بھائی کو جان سے پیاری لگ رہی تھی۔

حیام اور مشعل کو ہر قسم کی آزادی مہیا تھی مگر اُن کے لیے متعین کردہ حدودوں سے وہ بخوبی واقف تھیں۔ فنکشن میں باقی تمام خاندان والے بھی موجود تھے تو ڈوپٹہ لینا لازم تھا، آخر کو وہ سید زادیاں تھیں۔ چاہے جتنا کوئی اس دنیا کی چمک دمک میں کھو جانا چاہے کوئی نہ کوئی شے تو ہوتی ہے جو زنجیر کی صورت اپنے اصل سے جوڑ کر رکھتی ہے، پھر چاہے وہ اچھی لگے یا نہ۔

"تم ادھر ہی رہو، میں جاتا ہوں۔۔۔"

شاید اُسے بھی کوئی کام تھا جس کے لیے وہ پردے پر سے ہٹنا چاہتا تھا۔

"پکی بات ہے؟"

تسلی کرنا ضروری تھا۔

"ہاں! میں دیکھتا ہوں۔ تم انجوائے کرو۔"

وہ کہتا ہوا اندر کی جانب چلا آیا۔

ابھی وہ سیڑھیاں چڑھنے ہی لگا تھا جب اُس کی نگاہ اُٹھی اور سامنے کا منظر اُس کے لیے

نیا تھا، نہیں شاید دل کے لیے نیا تھا۔ نگاہوں نے تو کئی بار یہ سب جانچا تھا مگر آج دل بھی ٹھہر گیا تھا۔ کائنات شاید پل دو پل کے لیے سانس لینا چاہتی تھی، مانو دنیا رک گئی تھی۔ ماننا مشکل تھا وجہ آرز حسن تھا، اُس کی کائنات کیونکر رک سکتی تھی۔

سکائی بلیو رنگ کا گاؤن جو کہ پاؤں کو چھوتا تھا، بالکل سادہ، ہم رنگ ڈوپٹہ اوڑھے جو کہ بس نام کا ہی سر ڈھک رہا تھا، وہ زینوں میں کھڑی سامنے کھڑے آرز حسن کا دل دھڑکا گئی تھی۔ گاؤن کے گلے دامن پر نیلے گلابوں کا گلشن آباد تھا جو کہ بامشکل ہی نظر آتا تھا، وجہ ڈوپٹہ تھا جس نے حیام کا چلنا دوبھر کیا ہوا تھا۔ وہ گرنے ہی والی تھی جب آرز نے اُسے سنبھالا۔ حیام کا ماتھا اُس کے شانوں سے ٹکرایا، کانوں میں موجود بالیوں نے بے چینی سے پہلو بدلے اور کلائیوں میں بھر بھر کر پہنی چوڑیوں میں الگ جنگ شروع ہو گئی۔ وہ کئی مرتبہ اُس لڑکی کو دیکھ چکا تھا مگر آج دل کسی اور نگر کو چل نکلا تھا۔

"سنبھل کر، ابھی گر جاتی۔"

وہ اب اُسے بانہوں کے گھیرے سے آزاد کر چکا تھا۔ دل نے اس عمل کی تردید کی مگر کیا کرتا۔

(میں گرنے دیتا کیا؟) دل نے اپنا جواب سنایا۔

"ہاں، وہ بس یہ ڈوپٹہ پاؤں میں آ گیا تھا۔"

وہ اُسے دیکھ ہی کب رہی تھی، بس دوپٹے کی رٹ لگائے اُسی میں الجھی ہوئی تھی۔

آرز نے اُسے روکا اور اُس کا آنچل کھلے بالوں پر یوں پھیلا یا جیسے سامنے کوئی دلہن ہو اور اُسے یہ حق ہو کہ اُس دلہن کو اپنے ہاتھوں سے سجائے۔ایک پلو اُس کے دامن پر سے گزرتا اُس کے کندھے پر ڈھے جاتا تھا مقصد شاید اُس کی رکھوالی تھا۔وہ سٹپٹائی۔سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں کچھ عجب تھا، جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

""آرز بھا۔۔۔بھائی! وہ وہ شکریہ۔"

کہتی ہوئی باہر کو بھاگ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com

یہ منظر آرز کی آنکھوں کو برا لگا تھا۔وہ اُسے اپنی بانہوں میں کسی قیمتی شے کی مانند زندگی بھر قید کرنا چاہتا تھا۔وہ اپنے دل کی بدلتی کیفیت پر خود حیران تھا۔کہاں وہ اُس لڑکی کو ایک لمحہ برداشت نہیں کر سکتا تھا اور کہاں اب یہ الگ سی خواہش دل میں اجاگر ہوئی تھی۔وہ کس کام کے لیے آیا تھا سب بھول گیا تھا اور اب یاد بھی کہاں آنا تھا۔

وہ بے چین تھی۔وجہ وہ جانتی تھی مگر دل ماننے سے انکاری تھا۔آرز کی خود پر اُٹھتی نگاہوں کا مفہوم وہ سمجھ رہی تھی۔وہ پاگل ضرور تھی مگر اتنی بیوقوف بھی نہیں کہ خود

پر پڑتی نظروں کو وہ پڑھ نہ سکتی۔اُس شخص نے کبھی پہلے تو اسے یوں نہ دیکھا تھا۔بے چینی دبے قدموں شاید اُسی کے پہلو میں آ بیٹھی تھی۔

"کیسی ہو حیام؟"

اپنا نام سن کر وہ خیالوں کی دنیا سے لوٹی۔

"آہ،پریشے! کیسی ہو تم؟"

پریشے مشعل کی خالہ زاد تھی اور اُسے اچھی بھی لگتی تھی مگر پھر بھی وہ اُس سے لیا دیا برتاؤ رکھتی تھی وجہ وہ ہمیشہ جاننے سے قاصر رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔میں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ کیسی ہو؟"

مسکراتے ہوئے کہا گیا۔وہ ایسی ہی تھی کبھی کسی بات کا برا منا جائے ہوتا ہی نہیں تھا۔

"میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔"

ایک مرتبہ پھر خاموشی نے اپنا بسیرا کیا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔"

شاید خاموشی اُسے بری لگتی تھی۔

"شکریہ!"

حیام نے بس مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"تم اتنی خاموش کیوں رہتی ہو حیام؟؟ کیا میری کوئی بات بُری لگی ہے؟"

وہ آج درمیان حائل تمام دیواریں گرانا چاہتی تھی۔

"نہیں، تمہیں ایسا کیوں لگا؟ مجھے ہرگز کوئی بات بری نہیں لگی۔ اگر تمہیں میرے رویے سے ایسا کوئی بھی تاثر ملا ہو تو میں معافی چاہتی ہوں۔"

وہ آج بولنے پر آئی تو بولتی ہی چلی گئی، رُکی تو وجہ پریشے کی ہنسی تھی۔

"بس کردو حیام، مجھے کوئی بات بُری نہیں لگی۔ بس تم بولتی کم ہو یا شاید صرف میرے سامنے ہی؟ مشعل کے ساتھ تو خوب ہنستی ہو۔"

وہ ایک بار پھر مسکرانے لگی۔

"ہاں، اُس کے ساتھ تو خوب دوستی ہے میری۔ ہم ایک دوسرے کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔۔۔"

وہ آج پہلی بار اتنا بول رہی تھی۔

"تو پھر مجھ سے بھی دوستی کرلو۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پریشے نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔حیام نے مسکرا کر اُس کا ہاتھ تھاما۔وہ آج حیام کو سچ میں اچھی لگی تھی۔

"دوستی۔۔۔"

دونوں مسکرانے لگیں۔وہ آرز حسن کے بارے میں تمام باتیں بھول چکی تھی۔

"ارے،واہ بھئی! یہاں تو دوستانہ چل رہا ہے۔"

مشعل نے دونوں کو ایک ساتھ دیکھا تو خوشگوار حیرت سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"تم ہماری باتیں سن رہی تھی؟ناٹ فیئر۔"

حیام نے مسکراہٹ دبائے چہرے پر ناراضگی ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

"جی بالکل اور اب میں لڑائیاں کرواؤں گا۔"

بازل اور آرز بھی وہیں آپہنچے اور بازل اپنی شرارتی طبیعت کے باعث میدان میں اُتر چکا تھا۔

"بالکل نہیں،ہم نہیں لڑیں گے۔"

پریشے بھی کہاں پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔

حیام بھول گئی تھی کہ وہاں کیا بات ہو رہی ہے یا کون بول رہا ہے وہ تو بس خود کو آرز حسن کی نظروں کی تپش سے جلتا محسوس کر رہی تھی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

سید زادے!!

یہ محبت کی پہلی نظر کیا ہوتی ہے؟؟ مجھے تو لگتا ہے کہ سرما کی دھوپ سی ہوتی ہو گی، جب سورج کی پہلی کرن کی مانند محبوب کے دل پر پڑتی ہو گی تو دل کی تمام کھڑکیاں خود بخود اُسے راستہ دینے کو کھل جاتی ہوں گی۔ یا پھر خزاں میں گرتے پتوں سی، جو بے جان ہو کر شاخ سے گر پڑتے ہیں مگر بھلے لگتے ہیں۔۔ وہ نظر بھی شاید دل میں گھر کر جاتی ہو گی۔

یا پھر گرما کی راتوں سی ٹھنڈی، جیسے گرمی کی حدت کو سموئے آہستہ آہستہ دن ڈھلتا ہے تو راتیں سکون بخش ہو جاتیں ہیں، یوں ہی وہ سرد نگاہوں سی رفتہ رفتہ پگھلتی ہوں گی اور اپنے ساتھ سامنے والے کو بھی محبت کی چنگاریوں سے عشق کی لو دیتی ہوں گی۔

یا وہ نظر بہار سی بھی تو ہو سکتی ہے، بہار سی رنگ برنگی۔ محبت کی قوسِ قزح دل کے آسمان پر سجا دیتی ہو گی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپ کی محبت بھی میرے دل کو یہی طمانیت بخشتی ہے، شاہ زادے!

تمہاری اسیر

سیدزادی

فنکشن اپنے اختتام کو کب پہنچا، کسی کو خبر نہ ہوئی۔ رات میں ندا بیگم نے حسن صاحب سے بات کا آغاز کیا تو موضوع آرز حسن کی شادی تھا۔

"حسن! آپ کو نہیں لگتا کہ اب ہمیں آرز کی شادی کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے؟ ماشاءاللہ سے اب وہ مکمل طور پر سیٹل ہو چکا ہے، اب مزید انتظار کیوں کرنا؟"

"کہتی تو آپ ٹھیک ہیں ندا بیگم، لیکن آپ پہلے برخوردار سے اُن کی رائے لے لیں۔ کہیں بعد میں غصہ نہ کر جائے۔"

حسن صاحب اپنے بیٹے کی مرضی کے خلاف کہاں جا سکتے تھے۔

"ہمم! پوچھ لوں گی۔ میں ایک بات اور سوچ رہی تھی۔"

"وہ کیا؟"

سوال پوچھا گیا۔

"لگے ہاتھوں کیوں نا بازل کے لیے حیام کا ہاتھ بھی مانگ لیں؟میری بہت خواہش ہے کہ وہ میری بیٹی بن جائے۔۔۔۔۔"

ندا بیگم کے لہجے میں اُس کے لیے صرف محبت ہی محبت تھی۔

"خواہش تو میری بھی بہت ہے کہ وہ میرے کسی ایک بیٹے کی امانت ہو جائے۔جیسے آپ کو مناسب لگے کر لیتے ہیں۔آرز کے لیے کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں؟"

"پری۔۔۔۔"

مسکرا کر بتایا گیا۔

"بہت پیاری بچی ہے۔مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

پریشے رحمان ندا بیگم کی بہن شمائلہ کی بیٹی تھی۔شمائلہ بیگم کے تین بچے تھے۔سب سے بڑی بیٹی پریشے جسے سب پیار سے پری کہتے تھے۔پھر دوسرے نمبر پر سعد تھا جو کہ آرز اور بازل کی طرح ہی اب فیملی بزنس دیکھتا تھا۔اور پھر تیسرے نمبر پر آرزو تھی جو کہ میٹرک کی طالبہ تھی۔شمائلہ بیگم کے شوہر کچھ سال پہلے انتقال کر چکے تھے سو گھر کی تمام زمہ داریاں اب سعد کے کاندھوں پر تھیں۔

اگلے کتنے ہی دن وہ خود کو سمجھاتا رہا کہ یہ سب غلط ہے، وہ بھائی ہے اُس کا، بہن سمجھتا ہے وہ اُس کو مگر دل بھی ہر سوال پر حاضر جوابی کا مظاہرہ کیے ہوئے تھا۔ دل کہتا تھا کہ تم بھائی ہو پر سگے تو نہیں ہو۔ بہن سمجھتے ہو پر بہن ہے تو نہیں وہ۔ آرزا اپنے ذہن اور دل کے درمیان گھن چکر ہوا گھومتا رہا۔

وہ خود کو یہ منانے کے لیے بضد رہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا مگر دل بھی کبھی کسی کی سنتا ہے؟ اُسے اپنی پسندیدہ روح مل گئی تھی۔ وہ اُس نگر کو چل نکلا تھا جہاں سے منزل تک کا راستہ دشوار اور کٹھن تھا، مگر کیا کر سکتا تھا؟ آخر آرز حسن نے یہ بات جان لی تھی کہ اُسے محبت نامی بلا نے چمٹ لیا تھا۔ یہ انکشاف اُس کے لیے حیرت کن ضرور تھا مگر خوشگوار بھی۔ وہ اُس پاگل لڑکی کی حرکتیں یاد کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ وہ جی بھر کے حیران ہوا کہ وہ چڑ نہیں رہا تھا اب۔۔۔ اب تو بس مسکراہٹ رہ گئی تھی۔ کوئی اُسے ہنستے ہوئے دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ وہ دیوانہ ہو گیا ہے۔

❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦

بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی وہ خلا میں گھور رہی تھی اور سوچ کے تمام زاویے آرز حسن پر ٹکے تھے۔ وہ تمام خدشات کے لیے خود کو تیار کرنا چاہتی تھی مگر بضد تھی، وہ یہ ماننا بھی نہیں چاہتی تھی کہ ایسا ہو سکتا ہے لیکن اُسے کون سمجھاتا کہ محبت کی دیوی جب اپنے پر

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پھیلاتی ہے تو اُن پروں کے سائے میں آنے والے تمام ذرات بھی محبت کی گواہی لے آتے ہیں تو یہ کیونکر ناممکن ہو سکتا تھا کہ جیتے جاگتے انسان محبت سے منہ پھیر لیتے۔ مگر پھر محبت کی دیوی نے اپنا جادو پھونک ڈالا اور حیام بخاری اُس کی زد میں آ گئی۔ وہ اُس رات کے تمام واقعات ذہن میں دہرانے لگی اور ہر اُس موقع پر مسکرا دیتی جب جب آرز نے اِسے نگاہ بھر کر دیکھا ہوتا۔ ایسے میں مشعل اُس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"بڑی بات ہے، ایسا تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ حیام صاحبہ سوئی ہوئی نہیں پائی گئیں۔"

مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا گیا۔

"میں سوئی ہوئی ہوں، مشعل۔۔۔!!"

چہرہ اب بھی جوں کا توں تھا، دیکھنے کی زحمت گوارہ تک نہ کی۔

"ہاں، اب کھلی آنکھوں بھی لوگ سویا کرتے ہیں۔"

مشعل بیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔

"ہمم، میری تو اب سب نیندیں اُڑ گئی ہیں۔ مشعل! اب مجھے کھلی آنکھوں ہی سونا ہو گا۔"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لبوں پر مسکراہٹ نے اپنا گھر بسالیا۔

"کیوں؟ محبت ہو گئی ہے کیا تمہیں؟"

اس بات سے حیام کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھرے تھے مگر وہ کیسے اپنی محبت کی تشہیر کر دیتی۔

"پاگل ہو کیا؟ اچھا بتاؤ کہ کیوں آئی تھی؟"

اپنے تاثرات چھپائے وہ اُٹھ بیٹھی۔

"میں تمہیں بلانے آئی تھی کہ آجاؤ بازل بھائی کے ساتھ آئسکریم کھانے چلتے ہیں۔"

"ہاں چلو پھر، کس بات کا انتظار کر رہی ہو؟"

آئسکریم کے لیے تو وہ جان دے سکتی تھی، فوراً چل دی۔

"اے لڑکی! یہ تم کس سے پوچھ کر ادھر آئی ہو؟ نکلو یہاں سے۔"

ادھیڑ عمر خاتون جو دکھنے میں ہی بس بوڑھی تھیں، جائزہ لو تو اپنے بڑھاپے کو کہیں دور بھگائے ہوئے تھیں۔ سفید بالوں کو کھینچ کر باندھا ہوا تھا، ڈوپٹہ سر پر اوڑھے، انگلیوں

کے پور مہندی سے رنگے، ہونٹ پان کا رنگ سمیٹے ایک وسیع برآمدے میں مقیم تخت نما جھولے پر بیٹھی تھیں۔

"رکو، خالدہ کو بھیجو ادھر۔۔۔۔"

جانے والی ملازمہ کو حکم صادر کیا گیا، خود پاندان میں موجود چیزوں کو ادھر اُدھر کرنے میں لگ گئیں۔

"اماں!! آپ نے بلایا؟"

چہرہ اُٹھا کر سامنے کھڑی عورت کو دیکھا۔ آنکھوں میں بھر بھر کر سُرما، چادر نما ڈوپٹہ اچھی طرح اوڑھے جس میں سے بامشکل چہرہ نظر آتا، سامنے کھڑی منتظر تھی۔

"ہاں، کتنی بار کہا ہے کہ جب حویلی میں مرد موجود ہوں تو ملازماؤں کو ادھر بھٹکنے مت دیا کرو۔"

آواز میں پہلی سی سختی نہیں تھی۔

"اماں! غلطی سے آگئی تھی۔ اب دوبارہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

سر جھکائے جواب دیا گیا۔

"اچھا سنو، شہر میں گھنٹی بجادو۔۔۔۔"

اشارہ پاس پڑے فون کی طرف تھا۔

"جی اماں، لیکن اتنی صبح وہ کہاں اُٹھے ہوں گے۔"

ذرا بھر کو کھلے آسمان کو منہ اُٹھا کر دیکھا تو دن کی روشنی پھوٹتی ہوئی نظر آئی۔

"رہنے دے خالدہ! شہر والے کیا جانیں کتنی رحمتوں کے نزول سے خالی ہاتھ رہ جاویں ہیں وہ سب۔۔"

ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا گیا مگر پھر فوراً روکا۔

"سنو!! چھوٹے شاہ کو بھیجو میرے پاس۔۔۔"

"جی اماں!"

وہ سر جھکائے واپس چلی گئی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

سفید شلوار قمیض پہنے، کف کہنیوں تک موڑے ہوئے وہ چلتا ہوا حویلی کے برآمدے میں داخل ہوا۔

"سلام اماں!"

جھک کر اماں کے ہاتھوں کو عقیدت سے چوما۔

"وعلیکم السلام!! جیتا رہ میرا سوہنا لال۔"

پاس پڑی تھالی میں سے ایک پوٹلی نما شے اُٹھا کر اُس کے سر پر سے سات چکر وارے، آنکھیں بند کیے کچھ پڑھ کر پھونکا۔

"اووو بشیرا، بشیرا!!"

ملازمہ کو آواز دی۔

"حکم اماں جی!!"

ملازمہ بھاگتی ہوئی آئی، نگاہیں تمام وقت جھکے ہوئے تھیں۔

"جا، اس کو چولہے پر جلا کر کے راکھ کر دے۔"

ملازمہ کے جانے کے بعد سامنے بیٹھے شخص نے سر اٹھایا، آنکھوں میں عقیدت ہی عقیدت تھی۔

"راکھ کروا کر کیا کریں گی؟"

"میرے لال پر پڑنے والی ہر نظر سواہ کر دوں گی۔"

اب کی بار اُس عورت نے اُس کا ماتھا چوما۔

"سلام! چلتا ہوں۔ شہر جاؤں گا آج۔ حکم کریں تو جو کام فون پر نہیں ہوتا خود کر کے آ جاؤں؟"

جانے کو کھڑا ہوا تھا سر جھکائے، بانہیں پیچھے کو باندھے وہ حکم صادر ہونے کا منتظر تھا۔

"نہیں، تم نہیں جاؤ گے۔ وہ خود آئیں گے میرے لال، میرے شاہ میر۔۔۔"

جانے کی اجازت دی گئی۔ جانے والے نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا مگر پیچھے رہنے والوں نے آخری لمحے تک نظریں جدا نہ کیں تھیں۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

شاہ حویلی گاؤں کی سب سے بڑی حویلی تھی۔ وہاں کے بسنے والوں کو گاؤں بھر میں عقیدت سے دیکھا جاتا، وجہ اُن کا سادات ہونا تھا۔ حویلی کی عورتیں منہ جھانک کر بھی وہاں سے باہر کی دنیا نہ دیکھتی تھیں۔ گر کبھی کوئی نظر آ جاتی تو چادر کے نام پر کپڑے کا ایک تھان لپیٹے ہوتی تھیں، جس میں سے چہرہ تک نہ دکھتا۔ گاؤں کی تمام عورتیں اماں جی کے پاس اپنے مسائل لے کر آتیں۔

حویلی بھی کیا حویلی تھی یوں لگتا تھا کہ ایک الگ شہر آباد ہو۔ وسیع پیمانے پر پھیلی زمینیں، حویلی کے چاروں اطراف دھول اور مٹی اُڑاتی زمین جسے پکا نہ کروایا گیا تھا وجہ

ہر کوئی جاننے سے قاصر تھا۔داخلی دروازے سے اندر داخل ہونے والے کو کسی پرانے محل میں جانے کا خدشہ ہوتا مگر سامنے کھڑی عمارت جیتے جاگتے انسانوں کے رہنے کا ثبوت تھی۔حویلی کے دائیں جانب گاڑیوں کی ایک طویل قطار موجود تھی جبکہ بائیں جانب مردوں کا ڈیرہ تھا۔بانس کی چھت جبکہ چاروں اطراف پردے ڈھکے تھے یوں اندر بیٹھے نفوس باہر کی دنیا نہ دیکھ سکتے تھے۔حویلی کے اندر قدم رکھو تو گول چکر میں لمبی لمبی راہداریاں تھیں جن کے ایک جانب وسیع کمرے تھے اور دوسری طرف کی دیواروں پر بھاری پردے لٹکے ہوئے تھے جو برآمدے کو کھلتے تھے۔سجاوٹ یوں کی گئی تھی جیسے سالوں پہلے کسی محل کو سجایا گیا ہو۔برآمدے سے اوپر کھلا آسمان دیکھنے کو ملتا۔سامنے کی راہداری سے اوپری منزل کو سیڑھیاں جاتی تھیں۔

حویلی میں اماں جی کا بسیرا تھا۔ان کا نام رشیدہ بیگم تھا۔سادات ہونے کا ہی یہ صلہ تھا کہ آج گاؤں بھر میں عزت سے تمام نفوس اماں بیگم کہہ کر بلاتے تھے۔ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔سب سے بڑا بیٹا وقار تھا جسے سب بڑے شاہ کہہ کر بلاتے تھے۔ان کی زوجہ خالدہ اور انکے دو بچے تھے، بڑا بیٹا شاہ میر بخاری تھا جس کو سب چھوٹے شاہ کہتے تھے۔اماں جی کا لاڈلا، کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ آنکھ اُٹھا کر اُسے دیکھتا۔پھر چھوٹی بیٹی آتی تھی مناہل، حویلی کے طور طریقے اُس پر بھی واجب تھے مگر پھر بھی

اپنے بھائی کی لاڈلی تھی۔

دوسرے نمبر پر اماں جی کا بیٹا عمران بخاری تھا۔ جس کی بیوی نفیسہ بیگم تھیں۔ ان کی جڑواں بیٹیاں تھیں، منال اور کرن۔۔

جبکہ تیسے نمبر پر بیٹی حاجرہ بخاری آتی تھیں جو کہ بیوہ تھیں اور بے اولاد بھی۔ اسی حویلی میں رہتی تھیں۔ گاؤں اور حویلی کے تمام لوگ انہیں باجی بیگم کہہ کر پکارتے تھے۔

حیام اور مشعل آج خریداری کے سلسلے میں مال آئیں تھیں۔ پچھلے دو گھنٹوں سے وہ دونوں آرز کو خوار کیے ہوئے تھیں۔ کبھی کچھ پسند آتا تو کبھی کوئی اور چیز نظروں کو بھلی لگ جاتی۔

"حیام یہ دیکھو، یہ بریسلیٹ کتنا پیارا ہے۔"

اب کی بار وہ ایک ڈائمنڈ شاپ میں کھڑی تبصرہ کر رہی تھیں۔

"آہ! یہ کتنا پیارا ہے۔"

آنکھوں میں ستارے جگمگانے لگے تھے۔ وہ واقعی بہت پیارا تھا۔ ڈائمنڈز کی ایک باریک لڑی تھی جبکہ درمیان میں ایک دل بنا تھا جس میں ایک آنسو نما ہیرا لٹکتا تھا اور

دل کو زنجیروں سے باندھا گیا تھا۔دیکھنے والے کو دل روتا ہوا نظر آتا تھا جسے زنجیروں میں قید کیا گیا ہو۔

"یہ ہم دونوں پر بہت پیارا لگے گا حیام۔"

مشعل نے اپنی رائے پیش کی۔

"ہاں، لگے گا تو مگر تم لے لو۔یہ دیکھو یہ ایک ہی ہے۔"

وہ دونوں اُس بریسلیٹ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہیں تھیں۔

"نہیں تم لے لو۔۔"

"میں نے کہا نا مشعل، تم لے لو۔تم نے پہلے دیکھا تھا اور یہ لاسٹ پیس ہے۔"

"نہیں، ایسا بھی تو ہو سکتا کہ اور پیس بھی ہوں ہم پوچھ لیتے ہیں۔"

مشعل کو امید تھی کہ ایسے دو مل جائیں گے۔

"یہ دیکھو پاگل، اس سیکشن میں لاسٹ پیس کا ٹیگ لگا ہے۔"

حیام نے اُسے سرخ رنگ کا اسٹیکر دیکھایا جو کہ اُسی بریسلیٹ سے ذرا دور رکھا گیا تھا۔

اُس حصے میں ہر جویلری پیس کا آخری سیٹ پڑا تھا۔

"ایکسکیوز می۔۔!! اگر آپ دونوں کی شاپنگ ہو گئی ہو تو کیا آپ یہاں سے ہٹ سکتی ہیں؟"

آواز پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سفید شلوار قمیض میں سیاہ بالوں کو پیچھے سیٹ کیے، سرخ و سفید رنگت میں کھڑا لڑکا وہاں موجود تمام لڑکیوں کی نگاہوں کی زد میں تھا۔ وہ یقیناً اُن دونوں سے ہی مخاطب تھا۔ آج اس شاپ میں معمول سے بڑھ کر رش تھا۔

"جی آپ کر لیں۔۔۔۔۔"

بددل چہرہ لیے وہ مشعل کو لے کر وہاں سے ہٹ گئی۔ پیچھے کھڑے شخص نے پلٹ کر اُن دونوں لڑکیوں کو جاتے دیکھا تھا اور نگاہیں واپس اُس بریسلیٹ پر آ ٹکیں جس پر وہ دونوں کچھ دیر پہلے تبصرہِ خیال کر رہی تھیں۔

"ایکسکیوز می۔۔!! یہ بریسلیٹ پیک کر دیں۔"

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ وہاں کیوں آیا تھا، اُس نے کبھی لیڈیز شاپنگ نہیں کی تھی اور وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اُس نے وہ بریسلیٹ کیوں خریدا۔ وہ بس یہ جانتا تھا کہ وہ یہ سب کر گزرا تھا۔ نظروں میں اُس لڑکی کا ناراض چہرہ ابھرا تھا۔ سر جھٹک کر اُس نے پیمنٹ کی اور واپس ہو لیا۔

آرزجو کہ باہر کھڑا کسی سے کال پر گفتگو کرنے میں مصروف تھا اور اندر جا نہیں سکا تھا دونوں کے اُترے چہرے دیکھ کر ان کی جانب آیا۔

"کیا ہوا؟ منہ کیوں لٹکے ہوئے ہیں تم دونوں کے؟"

نگاہیں ہنوز دونوں کے چہروں کا طواف کر رہیں تھیں۔

"بریسلیٹ۔۔۔بھائی وہ چاہیے مجھے۔"

مشعل نے اُس کا بازو پکڑے التجائی نظروں سے دیکھا۔وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ جب کریڈٹ کارڈز وہ اُن دونوں کو دے چکا تھا تو وہ کیوں خرید کر نہیں لائیں۔

"تو کیوں نہیں لی؟ لے لیتی۔"

"لاسٹ پیس تھا وہ۔۔۔"

اب کی بار حیام نے پلکیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔ نگاہیں مستقل جھکی ہوئی تھیں۔وہ اب کہاں اُس سے نظریں ملا کر بات کرتی تھی۔آرز کے دل کی ایک بیٹ مِس ہوئی، وہ کیسے اُسے اداس دیکھ سکتا تھا۔

"اچھا۔۔!!تو وہ لاسٹ پیس لے لیا؟"

"ارے۔۔۔!!کہاں بھائی؟ ہم اتنی دیر سے کھڑے اُسی کو تکے جا رہے تھے۔باقی

لوگوں کو بھی شاپنگ کرنا ہوتی ہے۔"

مشعل نے منہ پھلائے جواب دیا۔

"اب تک تو کسی نے خرید لیا ہو گا حیام۔۔"

مشعل نے اپنا خدشہ بیان کیا۔

"مجھے مت یاد دلاؤ مشعل۔میں باہر پارکنگ میں ویٹ کر رہی ہوں۔جب شاپنگ ہو جائے تو آجانا۔"

وہ بھاری دل کے ساتھ چل دی۔اب اُسے کوئی دوسری چیز پسند کہاں آنی تھی۔

آرزنے اُسے جاتے دیکھا تھا اور پھر اُس شاپ کو دیکھا۔نام ذہن نشین کرنے کے بعد وہ مشعل کو لیے حیام کے پیچھے ہی چل دیا۔

❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦

"پری ادھر آؤ میرا بیٹا۔"

شائلہ بیگم نے اپنی بیٹی کو باہر جاتے دیکھ کر روکا۔

"جی امی،کچھ کام ہے آپ کو؟"

وہ ساتھ پڑے صوفے پر آکر بیٹھی۔

"بیٹا! میری تمہاری خالہ سے بات ہوئی تھی آج۔وہ چاہ رہی تھیں کہ۔۔"

بات ادھوری چھوڑ کر بیٹی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"کہ ؟ کیاامی ؟"

"وہ چاہتی ہیں کہ ہمارے گھر آئیں۔آرزاور تمہارے رشتے کی بات کرنے۔۔"

نگاہیں اب بھی بیٹی کے چہرے کا جائزہ لے رہیں تھیں۔

"آرز بھائی کے لیے ؟آپ جانتی ہیں وہ میرے بھائی کی طرح ہیں،ایسے کیسے ؟"

پری نے اپنا عذر پیش کیا۔

"شادی سے پہلے سب بھائی ہی ہوتے ہیں۔"

چہرہ موڑ لیا گیا۔

"امی آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔میں اُن سے شادی نہیں کر سکتی۔"

وہ جانے کو کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے،مت کرو مگر ایک بات یاد کر لو کہ تمہارا باپ تمہارے سر پر نہیں ہے اور تمہاری ماں کے کاندھوں میں اتنی ہمت نہیں کہ زیادہ دیر تک تمہارا وجود دنیا سے بچا کر

رکھے۔ تمہارے بھائی کی بھی یہی مرضی ہے۔ اچھا لڑکا ہے آرز۔"

اُس کے قدم من بھر بھاری ہو گئے۔ آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ اُس نے منہ پھیر لیا۔ آج اُس کی ماں نے اُسے بوجھ قرار دے دیا تھا۔

"مجھے منظور ہے۔ آپ جہاں چاہیں مجھے رخصت کر دیں، کوئی اعتراض نہیں ہے مجھے۔"

وہ مشکل سے اپنے بھاری قدم اُٹھاتی رخ واپس اندر کو کر گئی تھی۔ اب باہر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اُس کے جاتے ہی شمائلہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہے۔ کتنا دل سخت کر کے اُنہوں نے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔ وہ بھی کیا کرتیں ماں تھیں۔ جوان بیٹیوں کا ساتھ تھا، سر پر باپ کا سایہ موجود نہ تھا۔ ایک بھائی تھا، جو تمام دن محنت کر کے بہنوں کی ایک مسکراہٹ سے پہلے سا ہو جاتا تھا، ہر فکر سے آزاد۔ مگر وہ جانتیں تھیں وہ اندر سے سہا ہوا تھا۔ باپ کے بغیر جوان بیٹے بھی چڑیا کے بچے ہی رہتے ہیں، چاہے کتنے مضبوط کیوں نا ہو جائیں۔

رات کے کھانے پر تمام نفوس ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔ خاموشی کا راج تھا۔ آرز کی

نظریں بار بار حیام پر جا ٹھہرتیں۔وہ چاہے کتنا چاہتا کہ نگاہوں کا زاویہ بدل ڈالے مگر وہ بھی ڈھیٹ تھیں کسی سنسر کی صورت اپنا سکون تلاش کرنے اُس لڑکی پر رک جایا کرتی تھیں۔وہ بھی انجان تو نہ تھی۔خود پر پڑنے والی ہر نظر کو بن دیکھے پر کھ لیا کرتی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے جھالر وقفے وقفے سے اُٹھتے، محبوب کا دیدار کرتے اور آزر کو دیکھتا پا کر گر جاتے۔چہرے پر حیا کے رنگ سمٹ جاتے،ہونٹوں پر مسکراہٹ جسے روکنے کی سعی کرنا پڑتی۔یہ منظر آزر کو بھلا لگتا تھا۔عاشق کے لیے یہ خبر ہی جان لیوا ہوتی ہے کہ اُس کا محبوب بھی اس کی محبت کے رنگ میں رنگتا جا رہا ہے تو وہ خوش کیوں نا ہوتا؟

NEW ERA MAGAZINE
.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آزر!"

خاموشی کو حسن صاحب کی آواز نے توڑا۔

"جی۔"

چہرے کا رخ اپنے باپ کی جانب موڑا جبکہ نگاہیں بضد تھیں۔

"کھانے سے فارغ ہو کر خالہ اماں سے بات کر لو۔وہ راہ دیکھتی ہوں گی تمہاری۔"

"ابا،میں صبح کر۔۔۔۔"

ابھی وہ بات مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ حسن صاحب نے ٹوکا۔

"ابھی کر لو آرز، تم واقف ہو اُن سے۔اس قدر محبت کا یہ صلہ دو گے تم اُنہیں؟"

آنکھوں میں شکایت واضح تھی۔

"جی اچھا، میں کر لوں گا۔"

دل یکدم خالی سا ہو گیا۔وہ بھی تو بہت محبت کرتا تھا اُن سے۔یہ الگ بات تھی کہ جوانی میں قدم رکھتے ہی نہ کبھی پلٹ کر ملا نہ کبھی وہ محبت سے مجبور ہو کر ادھر کو آئیں مگر فون پر زبانی کلامی باتوں کا سلسلہ جڑا رہا جس میں اب رفتہ رفتہ مصروفیت نے قدم جما لیے تھے۔اب کی بار محبت کی ڈور ٹوٹنے کا خدشہ ہوا تھا، وجہ بہت جلد پردے پر عیاں ہونے کو تھی اور آرز حسن چاہتا تھا کہ وہ وقت کبھی نہ آئے۔

"سلام، خالہ اماں!"

"آگئی تجھے میری یاد؟"

آواز میں ناراضگی واضح تھی۔

"خالہ اماں! سلام کا جواب ناراضگی کا محتاج کب سے ہونے لگا ہے؟"

"وعلیکم السلام!!"

وقت گزر رہا تھا مگر کان پر لگے پرزے کے دونوں اطراف موجود نفوس خاموش رہے۔

"کب تک ناراض رہیں گی؟ مصروف تھا بہت۔"

جواب ندارد، مجبوراً خود ہی بولنا پڑا۔

"اب معاف کر بھی دیں۔اگر نہیں کریں گی تو میں گاؤں نہیں آؤں گا۔"

آرز نے مقابل کی کمزوری پر وار کیا۔

"تو پھر یہ نحوست مارا فون بند کر دے۔"

آواز میں نمی حائل ہوئی۔

"وہ کیوں؟"

آرز حیران ہوا۔

"میرا شہزادہ آرہا ہے، مجھ بوڑھی کی آنکھوں کا نور لوٹ رہا ہے۔مجھے حویلی میں جشن کی تیاریاں تو کرنے دے۔"

اب وہ باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"معلوم نہیں کب آؤں گا؟؟ آنے میں وقت لگ گیا تو؟"

آرزنے اپنے خدشات بیان کیے۔

"یہ تو خبر ہو گی کہ تو آئے گا، میرے شہزادے۔ جہاں میری آنکھوں نے ترستے ہوئے پچیس سال گزار دیئے، تھوڑا وقت اور سہی۔"

ہچکیوں کا سلسلا بندھا تھا۔

"روتی کیوں ہیں بے جی؟ وعدہ کرتا ہوں آؤں گا۔"

کہتے ساتھ ہی فون بند کر دیا۔ وہ کہاں اُن کو روتے ہوئے دیکھ اور سن سکتا تھا۔

وہاں وہ سکتے میں بیٹھی رہ گئی تھیں۔ کتنے عرصے بعد اُس نے انہیں بے جی کہہ کر پکارا تھا۔ اُن کے رشتے میں جانے انجانے جو دوری کی دیوار حائل ہو گئی تھی وہ پگھل رہی تھی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں گزر گئے، زندگی چلتی رہی، حالات بدلتے رہے، نہیں بدلا تو آرز حسن کے دل کا حال۔ کب کیسے حیام بخاری اُسے اپنے ہونے کے لیے لازم و ملزوم محسوس ہونے لگی؟ پتہ لگنے میں بہت دیر ہو گئی۔ وہ یہ مانتا تھا کہ اُس سے محبت

کرتا ہے مگر یہ خوف بھی تھا کہ اُس لڑکی کے احساسات بھی اس کے دل کی طرح زورآور ہیں کہ نہیں؟ وہ یہ تو جانتا تھا کہ وہ بھی اس سے محبت کرنے لگی ہے مگر پھر بھی محبت میں خدشات نہ ہوں تو بھلا کیسی محبت ہوئی؟ محبت ہوتی ہی ایسی ہے، صحیح راستے پر چلتے چلتے کب وہم کا طمانچہ منہ پر مار دے معلوم ہی نہیں ہوتا۔۔

وہ اپنے کمرے میں کھڑا آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ دھیان بٹا ہوا تھا۔ کبھی حیام کے دل کی کیفیت جاننے کے لیے تڑپتا تو کبھی بے جی سے کیے وعدے پر خود کو کوستا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُنہیں امید کی ڈور تھما چکا تھا۔ اس بات کو گزرے بھی دو مہینے ہو چکے تھے۔ دروازہ ناک ہونے کی آواز پر وہ واپس حال میں لوٹا۔

"آجائیں۔"

وہ حیام کو دروازے پر کھڑا دیکھ یکدم سیدھا ہوا۔

"تم؟ میرا مطلب ہے کہ یہاں۔۔؟ کوئی کام ہے کیا؟"

وہ مرد تھا مگر پھر بھی محبت کا مارا ہوا تھا۔ محبت مرد کو مرد کہاں رہنے دیتی ہے؟ اُسے معصوم بچہ بنا دیتی ہے۔ اپنے لہجے کو نارمل کرتے ہوئے کام پوچھا۔

"جی، کام تھا ایک۔۔۔۔"

نگاہیں آرز کے علاوہ کمرے کی ہر چیز کا طواف کر رہیں تھیں۔ ہچکچاہٹ صاف واضح تھی۔

"بولو۔۔۔"

وہ چھوٹے قدم اُٹھاتا اُس کے نزدیک آ رہا تھا۔

"وہ۔۔وہ۔۔؟میں کہہ رہی تھی کہ آپ مجھے آج شاپنگ پر لے جائیں گے ؟"

اُس کی قربت پہلے کہاں جھیلی تھی ؟ حتیٰ کہ وہ ابھی قریب آیا ہی کہاں تھا؟ مگر پھر بھی چہرہ خفت کے مارے لال ہوئے جا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کیوں؟"

وہ حیام کی اس حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ آج پہلی مرتبہ تو وہ اس تک خود چل کر آئی تھی، کیسے جانے دیتا۔۔؟

"وہ پری کا برتھڈے ہے اور مشعل کو کام ہے، میرے ساتھ جانے والا کوئی بھی نہیں۔"

اُس کی اُٹھتی گرتی پلکیں آرز حسن جیسے مرد کو دیوانہ بنا رہی تھیں۔ آرز کے دل میں خواہش جاگی تھی کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اُنہیں چھوئے مگر اُسے یہ حق کہاں حاصل تھا؟

"ٹھیک ہے، میں جلدی آجاؤں گا پھر لے چلوں گا۔"

وہ اُسے مزید تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُس کی ہاں سن کر وہ باہر کو بھاگی۔سامنے کھڑے پاگل انسان سے کیا بعید تھا کہ کچھ کر بیٹھتا۔اُس کے جانے کے بعد وہ ہنسا۔

"پاگل لڑکی۔۔۔"

مسکراہٹ لبوں سے جدا ہی نہ ہوتی تھی۔

سیدزادے!!

محبت انسان کو واقعی دیوانہ بنادیتی ہے۔یقین نہیں تو کبھی آئینہ دیکھنا، یوں لگتا ہے کہ آئینے میں عکس کی جگہ محبوب بس گیا ہے۔اپنا عکس تو بکھر جاتا ہے۔ محبت میں انسان کی حالت ایک بھکاری سی ہو جاتی ہے،جو در در بھٹکتا ہے۔لیکن محبت کے جوگی میں ایک فرق ہوتا ہے کہ وہ بس ایک در کا ہوتا ہے۔ محبوب کے در کا پانی پی لے تو دوسرا کوئی پانی اُسے راس نہیں آتا۔

آج میں نے، حیام بخاری نے بھی آئینہ دیکھ لیا ہے۔مجھے تمہارے سوا کچھ دکھا ہی نہیں۔۔۔بہت تلاشا بھی مگر صرف تم ہی تم تھے، میں تو نجانے کب فنا ہوگئی معلوم ہی نہ ہوا؟

تمہاری اسیر

سیدزادی

حیام سے بس یہی غلطی ہوئی تھی۔وہ محبت کے مرض میں مبتلا ہوگئی اور اس مرض کا علاج تو بس محبوب کی قربت ہوتا ہے، جو کہ اُسے دستیاب نہ تھی۔وہ خط لکھا کرتی تھی جو اپنے اصل مالک تک نہ پہنچ پاتے مگر اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ تصور میں ہی سہی اپنے دل کا حال آرز کو بیان کردیتی تھی۔یوں جیسے وہ سامنے بیٹھا بس اُسے ہی سن رہا ہو، پڑھ رہا ہو۔اُسے خبر ہو جاتی کہ یہ خطوط اُس کی تباہی کا دروازہ کھول دیں گے تو وہ خواب میں بھی کبھی یہ کوتاہی نہ کرتی مگر اُسے کیا معلوم تھا؟؟ کچھ بھی نہیں۔

"میں آجاؤ؟"

آرز نے دروازے پر کھڑے اجازت مانگی۔

"ہاں، بیٹا آ جاؤ۔"

ندا بیگم نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کوئی ضروری بات ہے امی؟"

"ہاں، بازل کو بھی آنے دو پھر کرتی ہوں۔"

اتنی دیر میں بازل بھی آیا تھا اور بھاگ کر بیڈ پر چڑھا، فوراً ایک طرف بیٹھے حسن صاحب کے ساتھ چمٹ گیا۔ وہ ایسا ہی تھا شرارتی، ہنس مکھ، بڑی سے بڑی بات کو بھی مسکرا کر ٹال دیتا تھا۔

"بازل!!"

ندا بیگم نے تنبیہ کی تو اُس نے معصوم شکل بنائے حسن صاحب کو یوں دیکھا جیسے شکایت کر رہا ہو۔

"ارے، بیگم!! کیوں ڈانٹتی ہیں میرے بیٹے کو؟ ابھی تو کھیلنے کودنے کے دن ہیں اس کے۔"

وہ بھی شرارت پر آمادہ تھے۔

"لو ہم ان جناب کی شادی کے خواب سجا رہے ہیں لیکن یہ تو خود اب تک بچپن سے نکلے

نہیں۔"

شادی کی بات پر بازل کے کان کھڑے ہوئے جبکہ آرز مسکرایا تھا اپنے بھائی کی حرکتیں دیکھ کر۔

"اچھا، چلیں بتائیں کیا بات تھی؟"

اُسے لمحہ لگا تھا سنجیدہ ہونے میں۔

"میں اور تمہاری امی چاہتی ہیں کہ اب ہم تم دونوں کی شادی کروادیں، بہت انتظار کر لیا۔اور میں نہ بالکل نہیں سنوں گا۔"

آخری بات آرز کی جانب اشارہ کرکے کہی گئی مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اُس نے انکار نہیں کیا تھا وہ تو بس مسکرا رہا تھا۔

"یعنی کہ تم راضی ہو آرز؟"

ندا بیگم کو یقین نہ آیا۔

"جی امی، میں راضی ہوں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"واہ بھئی!! میرے بغیر سب طے کرلیں گے آپ سب؟ میں کہیں سے اُٹھائی ہوئی اولاد ہوں نا؟؟"

دروازے پر کھڑی مشعل جو نجانے کب سے اُن سب کی باتیں سن رہی تھی، بول پڑی۔

"ارے ے ے تم جاؤ، ہم بہت ضروری بات کر رہے ہیں۔"

بازل کہاں اُسے تنگ کیے بغیر رہ سکتا تھا۔

"بھائی!! دیکھ لیں بس آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں۔"

وہ شکایتی انداز میں کہتی آرز کے پاس آبیٹھی۔

"چلو، اچھا یہ شکایتیں بند کردو فلحال کے لیے۔امی کی بات پوری ہونے دو۔"

بازل کا تو دل چاہتا تھا بھنگڑے ڈالے۔

"بازل میاں!! جو یہ اتنی خوشیاں چڑھی ہوئی ہیں، خبر دار جو تم نے کہا کہ تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے۔"

ندا بیگم نے ساتھ ہی اُس کے کان موڑے۔

"ارے، امی!! کان چھوڑیں میرے۔میں کیسے اپنی بیوی کی باتیں سنوں گا ان کانوں کے بغیر؟ وہ جب پیارا پیارا، میٹھا میٹھا بولے گی، میں تو حسرت سے مر جاؤں گا۔ہاااۓ اُس کا بنا کان والا شوہر۔"

ساتھ ہی بھرپور نقشہ کھینچا اور باقی سب کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔

"شریر۔۔چل ہٹ۔۔۔۔"

"چلیں بتائیں نا امی کہ آپ نے کون سی بھابھیاں پسند کیں ہیں میرے لیے؟"

مشعل نے اشتیاق سے پوچھا۔

"مجھے اپنے آرز کے لیے تو پری پسند ہے اور بازل کے لیے میری اور تمہارے بابا دونوں کی خواہش ہے کہ حیام ہماری بہو بنے۔"

وہ مسکراتے ہوئے اپنی خواہش کا اعلان کر گئیں لیکن سامنے بیٹھے نفوس سکتے کی سی حالت میں آ گئے تھے۔ایک کے دل کا معاملہ تھا جبکہ دوسرا رشتوں کی ڈور سنبھالنے کی تگ ودو میں جت چکا تھا۔

"واؤ، امی! یو آر گریٹ۔۔

Wow Amii....You are Great..

میں بہت بہت بہت زیادہ خوش ہوں۔"

مشعل خوشی سے اچھلنے لگی۔ندا بیگم اور حسن صاحب کے چہرے سے مسکراہٹ جدا نہ ہوتی تھی مگر جن کی زندگیوں کا فیصلہ کیا گیا تھا وہ سناٹوں کی زد میں تھے۔

"امی، یہ آپ کیسے کر سکتی ہیں؟ تھینک گاڈ! آپ نے ابھی کسی سے بات نہیں کی۔"

بازل پہلے ہوش میں آیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

حسن صاحب نے ندا بیگم کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ماحول میں ایک دم بے سکونی پھیلی۔

"ابا! وہ بہن ہے میری، بھائی کہا ہے میں نے خود کو اُسکا۔آپ میری چھوڑیں، آپ اُس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟؟"

بازل کے چہرے پر اضطراب نمایاں تھا۔

"میں بات کر چکا ہوں بازل، تمہارے چچا سے۔اُسے کوئی اعتراض نہیں۔تم تو اُسے اپنا باپ کہتے ہو، یوں اعتراض کر کے اس کی بیٹی کو رسواء کرنا چاہتے ہو؟"

بازل کے لیے یہ انکشاف دردناک تھا۔ایک جانب اُس کے رشتے تھے تو دوسری طرف وہ لڑکی جسے اب تک بھائی کیا ہوتا ہے؟ صرف کہہ کر نہیں بلکہ بن کر دکھایا تھا۔اُس کے اپنے رشتوں نے ہی اس کو ایک اندھی کھائی میں دھکا دے دیا تھا جہاں روشنی کا کوئی سرا موجود نہ تھا۔

"تو بابا آپ آرز کے لیے حیام کا ہاتھ مانگ لیں مگر خدایا مجھے اس معاملے میں مت گھسیٹیں۔"

وہ بس ہاتھ جوڑنے والا تھا۔آرز تو اب تک سکتے کی سی حالت میں بیٹھا تھا۔بازل کی بات سن کر ہوش کی دنیا میں لوٹا۔

"میں آرز کے لیے بات کر چکی ہوں شمائلہ سے۔اب اگر تم دونوں بھائی اپنے ماں باپ کی عزت خاک کرنا چاہو تو شوق سے کرو۔"

آرز کو ایک اور دھچکا لگا۔وہ بیشک اُس کے ماں باپ تھے مگر یہ حرکت کیسے کر سکتے تھے؟وہ اُس سے اسکی ہی زندگی کے اہم فیصلے اُس سے پوچھے بغیر کیونکر کر سکتے تھے؟

"تم دونوں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ایک طرف تم دونوں کی بے تکی وجوہات ہو سکتی ہیں مگر دوسری طرف تمہارے ماں باپ کی عزت ہے،جس کو چننا چاہو چُن لو۔"

حسن صاحب نے آخری وار کیا۔

آرز حسن نے آنکھیں بند کیے دل سے رستا خون محسوس کیا۔وہ عجب دوراہے پر کھڑا تھا جہاں سے کوئی راستہ ملنے کو نہ ملتا تھا۔

آرزنے آنکھیں موندے نجانے کتنے آنسو بہائے تھے صرف وہ جانتا تھا۔اُس کے بدن سے اُٹھتی ٹھیسیں اس قدر شدت اختیار کر گئیں تھیں کہ سانس لینا محال ہو گیا۔ وہ کیسے کوئی فیصلہ کر سکتا تھا؟ابھی تو محبت کا کنول پوری طرح کھلا بھی نہیں تھا،وہ کیسے اُسے کسی دوسرے کا ہونے دیتا؟کوئی دوسرا بھی کیا اُسکا اپنا بھائی۔اور دوسری طرف اس کے ماں باپ نے کیا کر دیا تھا اس کے ساتھ،اتنا غلط فیصلہ ؟؟ایک مرتبہ اس کی رائے تو پوچھ لی ہوتی؟اُسے سانس لینے میں دشواری ہوئی۔اُٹھ کر بیڈروم سے منسلکہ بالکونی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا،سانس لینا چاہا مگر سامنے کا منظر اُس کی تکلیف میں مزید اضافہ کر گیا۔

سامنے وہ لڑکی جو سینے میں موجود دل کو ایک نظر میں فتح کر گئی تھی،آرام سے بیٹھی شاید اُسی کا انتظار کر رہی تھی۔آرز کو اپنا کیا وعدہ یاد آیا تھا لیکن وہ مجبور تھا،بہت مجبور۔

بس پھر حیام نے نظریں اُٹھائیں تھیں جو کہ آرز پر آکر رکیں تھیں۔۔آرز کو دیکھ وہ خوشی سے کھڑی ہوئی اور ایک لمحہ لگا تھا آرز حسن کو فیصلہ کرنے میں جو اتنا دردناک تھا کہ اُسے اپنی ہی محبت کا قاتل بنا گیا۔اس نے اپنے ساتھ ساتھ حیام کے نصیب میں بھی سیاہی انڈیل دی۔پری کے لیے ہاں کر دیا مگر سکون اُسے کہاں نصیب تھا؟

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گھر میں ہونے والے تمام فیصلوں کی روداد مشعل کی صورت اُس تک پہنچ گئی تھی۔ مشعل خوش تھی مگر وہ کیسے ہو سکتی تھی؟ تنہائی میں وہ اس قدر روئی کہ گر کوئی دیکھ لیتا تو اُس کی حالت بھی حیام سے مختلف نا ہوتی۔ یہ کرب، یہ تکلیف اُس کے لیے بہت زیادہ تھی۔ وہ یہ سب برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ رونے میں شدت آتی جا رہی تھی، ہچکیاں رکنے کا نام نہ لے رہیں تھیں۔

اُس نے غلطی کیسے کر دی؟؟ نہیں، غلطی نہیں تھی۔ اُس سے گناہ ہو گیا تھا، گناہ۔۔۔ محبت کرنے کا گناہ۔۔۔ ایک نا محرم کو دل میں بسا لینے کا گناہ۔ چاہے وہ جتنی بھی ماڈرن ہو جاتی، چاہے دنیا پلٹ جاتی، وہ یہ کیسے بھول گئی تھی کہ وہ سیدزادی ہے؟ اور سیدزادیوں کو آزادی مل بھی جائے تو وہ اپنے پنکھ خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ دیا کرتی ہیں۔ سیدزادیوں پر محبت حرام ہے۔

حیام بخاری نے یہ جان لیا تھا کہ اپنے اصل سے بھاگنے والی تمام لڑکیوں کو قدرت یوں ہی سزا دیا کرتی ہے۔ اس نے غلط راستے کا انتخاب کیا تھا۔ اُسے محبت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا لیکن جب جب وہ خود کو سمجھاتی، آرز حسن کی معنی خیز مسکراہٹ، خود پر اٹھنے والی ہر نظر ایک مرتبہ پھر سے چیخنے چلانے پر مجبور کر دیتی۔ وہ خود سے لپٹ کر یوں روئی جیسے کہ اپنی محبت کے مرنے پر روتی ہو یا پھر اُس سنگدل کی بے وفائی پر۔

سید زادے!!

یہ بے وفائی کو بے وفائی کیوں کہتے ہیں؟ بے وفائی میں وفا آتی ہے تو وفا کرنے والے ہر محبوب کی تذلیل ہوتی ہے۔ تمہیں بے وفا نہیں کہوں گی میں، پتا ہے کیوں؟؟ بے وفا تمہیں کہوں اور تذلیل اپنی۔۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ مگر سنو تم نے میری جو ذلت کر دی ہے تو تمہیں اپنی موت کہہ لوں کیا؟؟ تم نے تو واقعی مجھے مار دیا ہے یار۔۔ حیام بخاری مر گئی ہے آج، ہمیشہ کے لیے۔

خط لکھتے ہوئے نجانے کتنے آنسو کاغذ پر گرے تھے جو اُس کے درد کے گواہ تھے۔ قطرہ قطرہ پگھلتی رات اُس کے سینے میں اٹھنے والی آہوں کو تھپکی دے کر کے سلانے میں لگی تھی مگر اس کی روح پر اترتا قہر کوئی اس سے پوچھ لیتا تو مر جاتا۔ موسم نے بھی آج حیام سے بے وفائی کر ڈالی تھی۔ آندھی یوں گھر کے در و دیوار کو ہلاتی جیسے سب کچھ بھسم کر ڈالے گی۔ اسی آندھی کی زد میں حیام کا لکھا خط آ گیا تھا جو کب اُڑتا ہوا کمرے کی روش پار کر گیا معلوم نا ہوا۔

بازل جو کب سے الجھن کا شکار تھا حیام سے بات کرنے کی نیت سے اُس کے کمرے کی طرف چلا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس سے بات کرے، اُسے بتائے کہ اس کا کوئی قصور نہیں

لیکن کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی حیام کا لکھا خط اس کے قدموں سے جا لپٹا۔

وہ جیسے جیسے پڑھتا گیا اُس کے قدم بے جان ہوتے گئے۔اس میں اتنی ہمت نہ بچی تھی کہ وہ اس کا سامنا کرتا۔ بازل کو تمام معاملے سے متعلق شک تھا مگر آج اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

وہ رو دیا تھا، وہ مرد تھا مگر پھر بھی رو تا تھا۔ آخر بہنوں کے دکھ تو بھائیوں کے اپنے ہی ہوتے ہیں نا۔۔۔؟

وہ دبے قدموں چلتا آرز کے کمرے تک آیا۔ دروازہ ناک کر کے وہ اندر داخل ہوا، اندر کا حال بھی سوگوار تھا۔ اندھیرے کمرے میں وہ بیڈ کے ایک طرف زمین پر یوں بیٹھا تھا جیسے کوئی لٹا ہوا انسان اپنی ساری پونجی ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔

"آرز کیا ہوا ہے؟؟"

وہ بھی اُس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

جواب ندارد۔

"آرز!! بات کر مجھ سے یار۔۔۔۔"

"کیا بات کروں؟؟"

آنکھیں موندے وہ نجانے کس دنیا میں گم تھا۔

"تو محبت کرتا ہے نا اُس سے؟"

"کس سے؟؟"

محبت کے نام پر ایک تیر ٹھیک دل کے نشانے پر آ کر لگا۔

"حیام سے۔۔۔۔"

حیام کا نام سُنتے ہی اُس نے آنکھیں کھولیں۔ سرخ رنگی آنکھیں جنہیں دیکھ بازل کو خوف محسوس ہوا۔

"پاگل ہے کیا؟ میں کسی سے محبت نہیں کرتا اور اُس حیام سے۔۔۔ ہاہاہا۔۔ اس سے تو بالکل نہیں کر سکتا۔"

وہ چیخا لیکن پھر دیوانہ وار ہنسنے لگا یوں جیسے اندر کا کرب کوئی پاگل دیوانہ باہر کی دنیا میں انڈیل دیتا ہے۔

"آرز، میری بات سن۔۔۔۔"

بازل نے اُسے جھنجھوڑا۔

"نہیں سُننا مجھے کوئی بات۔ کہہ دیا ہے نا کہ نہیں کرتا میں محبت کسی سے۔۔۔"

"تیرے چہرے پر صاف لکھا ہے کہ تو کرتا ہے۔"

"ارے بس کر دے، میں اُس امیچور لڑکی سے کیسے محبت کر سکتا ہوں؟؟ بلکہ اُس امیچور سے میں تو کیا کوئی بھی محبت نہیں کر سکتا۔"

نجانے کیوں وہ پتھر دل ہو گیا تھا۔

"ہاں، وہ امیچور ہے، پاگل ہے، تم کیسے کر سکتے ہو محبت اُس سے؟ ہاں، ٹھیک کہا تم نے وہ امیچور ہی ہے تب ہی تم سے محبت کر بیٹھی ہے۔ اتنے گھاٹے کا سودا تو کوئی کم عقل ہی کر سکتا ہے۔"

وہ رو رہا تھا، آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔ آج وہ بازل حسن اپنی بہن کے درد میں رو رہا تھا۔

"بازل!! فور گاڈ سیک۔۔۔ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی یار۔ یہ بس اُس کا ایک وقتی جذبہ ہے، ایٹر کشن ہے جو خود ہی رفتہ رفتہ ابال کھا کر مر جائے گا۔"

حیام جو نجانے کب دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس ظالم، سنگدل محبوب کے در پر آئی تھی کہ آخر کیا قصور ہوا تھا اُس سے وجہ جان لے، یہ سب سن کر سکتے میں چلی گئی مگر

پھر آرز کے الفاظ اُسے طمانچے کی صورت لگے۔کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اندر بڑھی۔

"یو آرز حسن۔۔یو ڈونٹ ہیو اینی رائٹ ٹو ٹیل می اباؤٹ مائی فیلینگز۔

You Aariz Hassan.... You don't have any right to tell me about my feelings.

نہیں کرتی میں آپ سے کیا کسی بھی دوسرے انسان سے محبت۔اگر میں یہ فرض کر بھی لوں کہ میں محبت کرتی ہوں،وہ بھی آپ سے تو بھی آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ میری یا میری محبت کی یوں تذلیل کریں۔۔۔مائنڈاٹ؟"

وہ آنسو پونچھتے باہر کو بھاگی مگر سامنے کھڑے وجود سے ٹکرا گئی۔دیکھا تو سامنے مشعل تھی۔آنکھیں آنسوؤں سے لبریز کمرے میں موجود تمام نفوس ٹھٹھک گئے،انہیں کیا خبر تھی کہ جس راز کو وہ دفن کرنے کا سامان کر رہے ہیں وہ آہستہ آہستہ آگ کی صورت اور لوگوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیے جائے گا۔

"حیام؟بھائی؟کوئی بتائے گا مجھے کہ کیا چل رہا ہے؟"

آنسو لگاتار بہہ رہے تھے۔

"کچھ نہیں مشعل،کچھ بھی نہیں۔۔"

حیام کہتے ہی باہر کو نکلی لیکن پھر واپس مڑ کر مشعل کا بازو پکڑا، رخ اپنی طرف کیا، آنکھوں میں آنسو لیے، لبوں پر مسکراہٹ سجائے کچھ کہنے کی سعی کی اور کامیاب بھی ہوئی۔۔۔۔

"مشعل! یہ جوا ناہوتی ہے نا؟ یہ مرد کو مرد تو ثابت کر دیتی ہے مگر اُسے اندر سے مار دیتی ہے۔ انا جب مرد کو گھیر لیتی ہے تو پھر محبت تو کیا عشق بھی روبرو اُتر آئے وہ کسی سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھ جاتی ہے اور جب انا کو خوف گھیر لیتا ہے کہ اُس کا قیام، اُس کا اثر ختم ہو رہا ہے تو وہ ڈس لیتی ہے۔ سانپ کا ڈسا محبت کا آب پی بھی لے تو اُس کی پیاس نہیں بجھتی، وہ تڑپتا ہے مگر کوئی ایسا آب ملنے کو نہیں ملتا جس سے محبت کی پیاس بجھ جائے اور عشق امر ہو جائے۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُس کا بازو چھوڑ اُسے نزدیک آنے کا اشارہ کیا جسے پا کر فوراً مشعل اُس کے قریب آئی، حیام نے اُس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

"دعا کرو مشعل، تمہارا بھائی مرنے سے بچ جائے۔ میرا جو نقصان ہوا سو ہوا تمہارا ہو گیا تو ہر کوئی مجھ جیسا بدنصیب نہیں ہوتا کہ زندہ رہ جائے۔"

کہتے ساتھ ہی وہ باہر کو نکل گئی جبکہ پیچھے کھڑی مشعل کی حالت تشویشناک صورتحال اختیار کر گئی۔

"بازل بھائی۔۔!"

"جی، میری جان۔۔"

بازل نے فوراً مشعل کو اپنے ساتھ لگایا۔

"مجھے حیام کے پاس لے جائیں، میرے قدم چلنے سے انکاری ہیں۔دیکھیں نا آپ کو میرے پاؤں میں بندھی رشتوں کی زنجیریں نظر نہیں آرہیں کیا؟ بھائی سے کہیں نا کہ انہیں کھول دیں ورنہ یہ تو اس قدر ظالم ہو گئے ہیں کہ اپنی بہن کو بھی مار ڈالیں گے۔"

آرز کے لیے یہ سب کچھ، مشعل کا رویہ، حیام کی تمام باتیں تکلیف دہ تھیں۔اُس کے الفاظ ختم ہو رہے تھے، وہ بولنا چاہتا تھا مگر کون سنتا اُس کو۔اُس کے اپنے رشتے منہ موڑ رہے تھے۔بہت مشکل سے اس نے بولنا چاہا۔۔۔۔

"مشعل گڑیا کیا؟ کیا کہہ رہی ہو؟؟ تم اپنے بھائی کو چھوڑ کر جا رہی ہو؟؟"

آنکھوں میں اضطراب اور بدن میں بے چینی واضح تھی۔

"بازل! بازل، یار تو سمجھتا ہے نا مجھے؟ اسے سمجھانا۔۔"

مگر بازل بھی رخ موڑے کھڑا رہا۔دل پر ایک اور تیر آکر لگا تھا۔وہ اپنی غلطی جاننا چاہتا تھا۔کیا اس کا قصور یہ تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کی عزت کے آگے خاموش ہو گیا تھا؟ ہاں،

اُس نے حیام کو مار ڈالا تھا لیکن کوئی اس کی روح میں جھانکتا تو زخمی تو وہ بھی تھا۔اور اُس کا درد تو زیادہ تھا سب سے، حیام سے بھی زیادہ۔۔اُس نے تو خود کو خود زخمی کیا تھا۔

"تم لوگوں کو اُس کا درد نظر آتا ہے لیکن جو تمہارا اپنا بھائی تکلیف میں ہے وہ نہیں؟ یار میں نے تو اُس سے کبھی نہیں کہا کہ میں محبت کرتا ہوں، قصور تو اُس کا ہے نا کہ اُس نے خود ہی۔۔۔"

مشعل نے اُس کی بات کاٹی اور سست روی سے چلتی اس کے قریب آئی۔

"بھائی!! آپ کو پتا ہے وہ مرد ہوتا ہے جسے کبھی ذہنی سکون کے لیے تو کبھی اپنی انا کی تسکین کے لیے عورت سے اظہارِ محبت سُننے کی خواہش اور ضرورت ہوتی ہے۔ عورت کے لیے اظہار کوئی معنے نہیں رکھتا، وہ تو ان بے زبان آنکھوں کی بولی جان لیتی ہے۔۔۔کچھ لمحوں کا سکوت۔۔۔حیام کو میری ضرورت ہے، وہ بہن ہے میری۔رشتہ نہ بھی نبھاؤں تو جو دوستی کی تھی اُسے نبھانے کا وقت آگیا ہے۔میں اس لیے نہیں جا رہی کہ آپ کو چھوڑ رہی ہوں۔مجھے پتا ہے کہ آپ چاہے اُس کے مر جانے پر ہی آئیں، اُس تک آجائیں گے۔اُسے نہ بھی رہا تو مجھے آپ کا انتظار رہے گا۔ایک ریکوسٹ ہے کہ دیر مت کر دیجئے گا، یہ نا ہو آئیں تو اُس کے ساتھ ساتھ آپ کی بہن بھی مر گئی ہو۔"

وہ شدت سے رو رہی تھی۔بات ختم کرتے ہی چلی گئی۔اس کے جاتے ہی آرزو نے

آنکھیں بند کی تھیں۔آنسوؤں کو روکنے کی جو کوشش وہ کر رہا تھا وہ فضول تھی وہ بہہ چکے تھے۔اُس نے بازل کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تجھے معلوم ہے آرز، تجھے کبھی میں نے اپنا بڑا بھائی سمجھا ہی نہیں۔اپنا یار ہی سمجھتا رہا لیکن غور سے دیکھ دوسری طرف وہ ہے جس کے لیے میں دنیا سے لڑ سکتا ہوں اور تو دنیا والوں میں شامل ہو گیا تو دل ٹوٹ گیا ہے میرا۔۔۔"

آرز نے کچھ کہنا چاہا مگر بازل نے ہاتھ اٹھا کر اُسے بولنے سے روکا۔

"جب پیدا ہوئی تھی وہ تو چچی نے سب سے پہلے اُسے میرے ہاتھوں میں دیا تھا۔ابا نے کہا کہ اس کا بھائی،اس کا محافظ،اس کا سایہ بن جانا۔وہ سکول جاتی تھی تو میری انگلی پکڑ کر چلتی تھی۔ کبھی محسوس ہی نہیں ہوا کہ وہ میری سگی نہیں۔آج میرے اپنوں نے اُسے ضرب لگائی تو پتا چلا کہ وہ سگی نہیں۔بہت دیر سے معلوم ہوا کہ اُس نے میری انگلی چھوڑ دی ہے۔"

ساتھ ہی اپنا ہاتھ آگے کر کے دکھایا جیسے ابھی ابھی چھوڑی ہو۔

"ایک بات یاد رکھنا کہ اس کے مخالف میں میرا سگا بھائی ہی کیوں نا ہو؟ مجھے وہ حیام کے ساتھ کھڑا پائے گا۔"

آرز کے کاندھے پر تھپکی دیئے وہ آنسو صاف کرتا ہوا چلا گیا۔آج صحیح معنوں میں آرز حسن نے قیامت دیکھ لی تھی۔اُس کے اپنوں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔اس کا قصور تو بتاتے جاتے، کیا کیا تھا اُس نے؟؟

حویلی کے برآمدے میں اماں جی بے سکون سی ادھر اُدھر چکر لگا رہی تھیں۔

"اماں!!کیوں بے سکون پھرتی ہیں؟ کہیں تو قہوہ بنوادوں؟"

ایک طرف کو بیٹھی نفیسہ بیگم نے پوچھا۔حویلی کی عورتوں کی طرح ہی سر تا پیر چادر میں خود کو ڈھانپے وہ اور خالدہ بیگم دونوں باقی ملازماؤں کے ساتھ زمین پر ڈوپٹے پھیلائے گوٹا چن رہی تھیں۔

"نہیں،بشیرا جا چھوٹے شاہ کو بلا کر لا۔"

خود جھولے پر ٹیک لگائے بیٹھ گئیں۔بشیرا کے بلانے پر شاہ میر جوں ہی برآمدے میں داخل ہوا تمام ملازمائیں سر منہ مزید ڈھانپتی باہر کو نکل گئیں۔وہ آکر سیدھا اماں جی کے قدموں میں بیٹھا،اُن کے ہاتھ چوم کر بولا۔

"کیا فکر کھائے جا رہی ہے اماں؟"

"تو شہر چلا جا۔"

اُس کے سر پر ہاتھ پھیر تیں اُس سے منت کر رہی تھیں۔ وہ کبھی یوں مجبور تو نا ہوا کرتی تھیں۔

"اب، کیوں؟؟"

"وہ کمبخت۔۔۔ہائے میں تھاں مراں۔۔۔۔میرا شہزادہ ٹھیک نہیں۔ وہ شہر میرے شہزادے کو مار دے گا۔ اُسے میرے پاس لے آ۔"

وہ اب باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"اُس نے بات کی ہے آپ سے؟؟"

"نہیں، بات ہی تو نہیں کرتا مگر یہ جو دل ہے نا نحوست مارا تھکتا ہی نہیں اُسے سوچ سوچ کر۔ اسے پتا چل جاتا ہے کہ اس کا ٹکڑا چھیترا چھیترا ہو رہا ہے۔ جا اُسے دنیا سے بچا کر میرے کول لے آ۔ جا میرا لال، میرا پُت دیر نہ کر۔"

"اماں! اماں، میری بات سنیں میں کرتا ہوں اُس سے بات۔ مجھے لگا کہ وہ ٹھیک نہیں تو قسم کھاتا ہوں اُسے اٹھا کر لانا پڑا تو لے آؤں گا۔۔۔"

وہ خاموش ہو گئیں تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ کہاں آئے گا۔ وہ بھی ضد کا پکا تھا، نہیں

آئے گا۔ سر ہلائے شاہ میر کو جانے کو کہا۔اُس کے جاتے ہی خالدہ بیگم بولیں۔

"اماں، کیوں پریشان ہوتی ہیں؟؟آرز ٹھیک ہو گا۔اُس کے پاس اُس کے اپنے ہیں۔"

"رہنے دو بھابھی، کیا سمجھاتی ہوا نہیں؟ان کو تو وہ پتا نہیں کون سی سزا سنائے بیٹھا ہے، یہ ہی پریشان ہو کر ماری ماری پھرتی ہیں۔انہیں کوئی نہیں سمجھا سکتا۔"

کہتی تو نفیسہ بیگم بھی ٹھیک تھیں،وہ کہاں کسی کی سنا کرتی تھیں۔

مصطفی صاحب اپنے بستر پر ٹیک لگائے کسی کتاب کا مطالعہ کرنے میں مگن تھے۔نائلہ بیگم نے انہیں پکارا۔

"مصطفی!"

"جی بیگم کہیے۔"

کتاب بند کرتے وہ اُن کی جانب متوجہ ہوئے۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ ہم نے حیام کے معاملے میں جلدی کر دی ہے؟؟"

"ہممم! نہیں اور ہاں بھی۔لیکن میں مطمئن ہوں۔"

"کیوں؟"

شاید وہ مطمئن نہیں تھیں۔

"اس لیے کہ وہ اپنوں میں رہے گی۔اپنوں میں بھی کیا ہمارے ساتھ ہی،اپنی نظروں کے سامنے دیکھتے رہیں گے تو تمام ڈر ختم ہو جائیں گے۔کیوں فکر کرتی ہیں آپ؟"

نرم نگاہوں سے اپنی بیگم کو دیکھا۔

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں لیکن؟؟"

وہ جھجکیں۔

"لیکن۔۔؟؟"

"آپ کو نہیں لگتا کہ ایک دفعہ اگر ہم اُس کی مرضی اُس سے پوچھ لیں؟"

ڈرتے ڈرتے سوال داغا۔

"نائلہ! آئندہ ایسی بات مت کرنا۔وہ میری بیٹی ہے،مجھے زیادہ معلوم ہے کہ اُس کے لیے کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔۔؟؟"

لہجے میں ایک دم تلخی آئی۔کہتے ساتھ ہی کتاب کا مطالعہ دوبارہ شروع کر دیا۔صاف اشارہ تھا کہ وہ اب بات نہیں کرنا چاہتے۔نائلہ بیگم خاموشی سے وہاں سے اُٹھ آئیں۔

آرز کچھ دنوں سے آفس تو آیا تھا لیکن دھیان کاموں میں بالکل نہیں تھا۔ وہ تو ابھی سوگ میں تھا، ماتم کناں تھا۔ اپنے رشتوں اور اپنی محبت کو رو رہا تھا۔ اُسے بار بار حیام کے الفاظ یاد آرہے تھے اور ان الفاظوں میں چھپی بددعا، وہ کانپ جاتا تھا۔ فون کی بجتی رنگ ٹون اُسے حقیقت کی دنیا میں واپس لائی۔

"ہاں، شاہ میر! بول یار خیریت ہے؟"

وہ کچھ نہ بولا۔

"بے جی ٹھیک ہیں نا؟؟ بول نا یار۔"

مگر دوسری طرف کی خاموشی اُسے بے چین کر رہی تھی۔

"حیرت کی بات ہے میرے یار ادھر تو مجھ سے اُن کے بارے میں سوالی ہے اور اُدھر وہ تیرے لیے خوار ہو رہی ہیں۔ اتنا پیار تو کوئی سگوں سے بھی نہیں کرتا۔"

اُس کے الفاظ میں چھپے طنز کو آرز نے خوب محسوس کیا۔

"ہاہاہاہاہا، تو مجھ سے جل رہا ہے یار؟ اپنے دوست سے؟ اپنے بھائی سے؟؟"

وہ اتنے دنوں بعد آج مسکرایا تھا یا شاید اپنے درد کو وہاں تک نہ پہنچنے کے لیے دیوار کھڑی کر رہا تھا۔

"تجھ سے جلوں گا؟ تو پاگل ہو گیا ہے؟؟ تو آ کیوں نہیں جاتا یار؟ کیوں سزا دیئے ہوئے ہے اُنہیں؟؟"

"اُنہیں سزا دی ہی کب ہے میں نے؟؟ سزا میں نے خود کو دی ہے شاہ میر۔۔"

گہری سانس بھرے وہ اپنا دل آہستہ آہستہ باہر انڈیل رہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے نا آرز؟؟ یار تو ٹھیک نہیں تو مجھے بتانا۔ دیکھ تیرا بھائی تیرے لیے کچھ بھی کرے گا بس تو مجھے بتا۔"

"کاش کے بتا دینا اتنا آسان ہوتا۔ تجھے بتا کر تجھے کھو دیا تو جیسے سب کو کھو دیا ہے؟"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کو سب بتا رہا تھا۔ پہلے کب کچھ اُس سے چھپاتا تھا وہ؟

"کس نے چھوڑ دیا ہے تجھے؟"

"مشعل نے، بازل نے اور۔۔۔"

وہ ایک پل کو خاموش ہوا۔

"اور؟؟"

مشعل کا نام سنتے ہی اسے مال میں ٹکرانے والی دونوں لڑکیاں یاد آئیں۔ وہ اُنہیں پہچان گیا تھا مگر پھر بھی تعارف نہ کروانا ہی بہتر سمجھا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس دن آرز بھی

وہیں موجود تھا ورنہ ضرور ملتا۔

"اور وہ جھلی لڑکی،اُس نے بھی تیرے یار کو چھوڑ دیا ہے۔"

شاہ میر اس کے دل کی کیفیت سے آگاہ تھا وہ دونوں جگری دوست تھے،کیسے ناجانتے ایک دوسرے کے دل کی باتیں؟

"سب ٹھیک ہو جائے گا،میں بتاؤں گا نا سب کو کے تیرا کوئی قصور نہیں۔میں بتاؤں گا کہ تو نے یہ سب کیوں کیا؟"

وہ اُسے بہلا رہا تھا۔

"شاہ میر،وہ سمجھتی ہے کہ میں انا میں قید ایک پجاری ہوں جو صرف خود کو پوجتا ہے۔ وہ مجھے بددعا دے کر گئی ہے یار۔۔۔۔"

"کوئی بددعا نہیں دی اُس نے تجھے۔"

شاہ میر نے اُس سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"دیکھ اب تو بھی ڈر رہا ہے نا میرے لیے؟خیر مجھے ضروری کام ہے۔بعد میں بات کروں گا۔"

کہتے ہی کال کاٹ دی۔

سیدزادے!!

میں جانتی ہوں کہ نہ تم نے کبھی مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا، نہ ہی میں نے پلٹ کر دو محبت کے میٹھے بول بولے مگر محبت میں بھی بھلا کبھی اظہار کی ضرورت ہوتی ہے؟؟ محبت تو بن بولے اپنے ہونے کا احساس دیتی ہے۔

وہ جو لوگ کہتے ہیں نا کہ فلاں کے محبوب نے اُس سے اظہارِ محبت کر ڈالا ہے تو مجھے ہنسی آتی ہے کہ محبت کرنے والوں کو محبت کیا ہوتی ہے پتہ نہ ہو، کیسے ہو سکتا ہے؟؟ محبت اظہار تو نہیں مانگتی وہ تو ساتھ مانگتی ہے۔

دیکھو!! میں نے بھی تمہارا بس ساتھ ہی تو چاہا تھا مگر معلوم ہوا کہ تمہیں تو خبر ہی نہیں کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ اب مجھے خود پر ہنسی آرہی ہے۔ چلو چھوڑو، ہاں میں نے تمہیں اپنا قتل معاف کر دیا ہے لیکن محبت کا جو نقصان تم نے کیا ہے، وہ کون معاف کرے گا تمہیں؟

تمہاری اسیر

سیدزادی

حیام اب کے روئی نہ تھی بس خاموش رہی تھی۔اُس نے شاید چپ سادھ لی تھی۔اُس نے یقین کرنا چاہا تھا کہ آرز حسن اُس کا نہیں۔وہ اُس کے کیے ہر وعدے پر یقین کرنا چاہتی تھی مگر اُس کی روح،وہ تو کسی بن پانی کے تڑپتی ہوئی مچھلی کی طرح اپنے محبوب کے ایک دیدار کی پیاسی تھی۔وہ خط لکھنا نہ چھوڑ پائی تھی،اُنہیں البتہ ایک لکڑی کے بکسے میں ڈال دیتی تھی۔وہ اب ڈر گئی تھی،نہیں چاہتی تھی کہ مزید اُس کی محبت کی رسوائی ہو۔مگر جب نصیب میں رسوائی ہی ہو تو کوئی کیسے بھاگ سکتا ہے۔تمام خطوط یوں سنبھال کر رکھے تھے کہ جیسے ایک دن وہ سب شاید بول اُٹھیں۔آرز حسن نہ سہی،کہیں کبھی زندگی کے کسی موڑ پر وہ ہی اُس کی محبت کی صداقت کی گواہی میں بول اُٹھیں،شاید۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آنسوؤں کو تو شاید اپنی من پسند جگہ مل گئی تھی اور وہ اُس لڑکی کی آنکھوں کے تمام دیئے بجھا کر بسنے کو آ گئے تھے لیکن ایک بدلاؤ آ گیا تھا کہ آنسو اب اُس کی بولی سمجھنے لگے تھے۔وہ چاہتی کہ یہ رک جائیں تو وہ جمود اختیار کر لیتے،وہ چاہتی کہ آنکھوں کے کٹورے خشک رہیں تو مانو کہ وہ نین تو بس ایک بنجر علاقہ تھے۔وہ جو کہتی کہ بہہ لو تو اس شدت سے بہتے کہ ہچکیوں کا سلسلا بندھ جاتا۔

نائلہ بیگم نے اُسے بات کا آغاز کرتے ہی سمجھایا مگر وہ جانتی تھی کہ موضوع کیا ہوگا اور جب سمجھانے بجھانے سے ہٹ کر اصل موضوع پر بات کی گئی تو اپنی ماں کی بے چینی ختم کرنے کے لیے اُس نے ہامی بھرلی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اُنہیں معلوم ہو کہ وہ خوش نہیں اور وہ اس گلٹ میں رہیں وہ اپنی بیٹی کے لیے کچھ نہ کر سکیں۔ اُس نے اپنی اماں اور اپنے بابا کی تمام باتیں سن لیں تھیں اور جان گئی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا حق نہیں رکھتی۔

وہ پچھتا رہی تھی، وہ آرزِ حسن نہیں بننا چاہتی تھی۔ وہ اپنے نصیب میں مزید سیاہی نہیں اُتارنا چاہتی تھی۔ وہ اب تک ایک شخص کی دی گئی ذلت کو سنبھال نہ پائی تھی تو وہ کیسے خود وہ سیاہی اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے پر تھوپ لیتی؟ وہ اپنے لیے اتنی کٹھور نہیں ہوئی تھی لیکن دوسری طرف اُس کی ماں تھیں۔ وہ اُنہیں کیا بتاتی؟ سچ یا جھوٹ؟ سچ ایسا جس میں دنیا بھر کی کڑواہٹ موجود تھی یا پھر جھوٹ، جس میں سچائی کا تو ہر گز کوئی قطرہ بھی موجود نہ تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

وہ اپنے بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی چھت کو تکے جا رہی تھی۔ ذہن دور کسی نقطے کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی مگر وہ وہاں موجود نہ تھی۔ آنے

والا خود ہی اندر آ گیا، وہ دیکھنے کو تیار نہ تھی۔ وہ گیا نہیں شاید وہ بھی بضد تھا۔ آخر کو اُسے اٹھنا پڑا، سامنے بازل کھڑا تھا۔ ایک لمحے کو وہ اُسے دیکھ حیران ہوئی مگر اگلے ہی پل اُس حیرانی کا نام و نشان ڈھونڈنے کو نہ ملتا تھا۔

"جی، بولیں۔۔۔"

آواز میں پہلی سی نرمی موجود نہ تھی اور ہوتی بھی کیوں؟؟ حیام نے رشتوں کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔

"اب تم اپنے بھائی سے ایسے بات کرو گی؟"

"اچھا۔۔! تو آپ میرے بھائی ہیں؟؟ میں بھی کچھ دیر پہلے یہی سمجھتی تھی مگر کسی دوسرے رشتے کی ڈور تھامنے کی تگ و دو میں آپ مجھ سے کھو گئے ہیں۔"

آنسوؤں کو اُس کی بولی سمجھ آ گئی تھی تبھی قطرہ قطرہ بہنے لگے۔

"میری گڑیا، رومت۔۔۔"

وہ دو قدم پیچھے ہٹی مگر وہ اُس کا ہاتھ تھام گیا۔

"تم میری بہن ہو اور میں بھائی ہوں تمہارا، ہمیشہ رہوں گا۔ دنیا چاہے انکاری رہے تم یوں انکار کرو گی تو تمہارا یہ بھائی مر جائے گا۔"

وہ روتے ہوئے بازل کے سینے سے جالگی۔

"تم خاموش رہو بس۔ جو ہو رہا ہے ہونے دو۔ بس مجھ پر یقین کرو، میں کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔ یقین ہے نا مجھ پر۔۔؟؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے اُس کا چہرہ تھامے بھائیوں والے مان کے ساتھ یقین کا سوالی تھا۔

اُس نے ہاں میں سر ہلایا، اُس کے پاس کھونے کو اب کچھ نہ تھا، کچھ بھی نہیں۔۔۔

رات میں کھانے کے وقت مشعل اُسے بلانے آئی لیکن ہر مرتبہ کی طرح اُس نے اس بار بھی انکار کر دیا۔

"تم کیوں نہیں چلو گی؟"

وہ حیام کے پاس بیٹھ گئی۔

"تم جانتی ہو۔"

"تم اُس ایک شخص کی وجہ سے اپنی اماں کو تکلیف دے رہی ہو؟ وہ پریشان ہیں تمہارے لیے، میں پریشان ہوں، بازل بھائی۔۔۔ کسی کا خیال نہیں تمہیں؟ سب کو میں نے بتایا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ چلو اب بہت ہو گیا۔"

"مشعل۔۔!! مجھ سے نہیں ہو گا۔ مجھے فورس مت کرو۔"

وہ ڈھیٹ ہو گئی۔

"وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اس لیے نہیں بتا رہی کہ تمہیں فکر ہونی چاہیے، اس لیے بتا رہی ہوں کہ تم چلو نیچے۔ سب کے ساتھ بیٹھو، ہم فیملی ہیں تمہاری۔ کسی ایک کے لیے سب کو نہیں چھوڑا جاتا میری جان۔"

حیام نے کچھ لمحے اُسے دیکھا۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ وہ اُس شخص کے لیے سب اپنوں کو چھوڑ رہی تھی۔

"چلو۔"

وہ چلنے کو اُٹھ دی۔ مشعل اُس کا ہاتھ تھامے اُسے لے گئی تھی، وہ اپنے رشتوں اور اپنے وعدوں کی پکی نکلی تھی۔ اُس نے کہاں چھوڑا تھا اِسے۔ ہر مشکل میں ساتھ رہی تھی، پھر حیام کیسے اُسے کسی دوسرے کے باعث اگنور کرتی۔

وہ جیسے ہی مشعل کے ساتھ ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تمام نظروں کا رخ اپنی جانب پا کر تھوڑی شرمندہ ہوئی۔ وہ واقعی اپنے تمام رشتوں سے منہ موڑ رہی تھی۔ وہ غلط تھی، وہ جان گئی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی سب سے پہلے ندا بیگم اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے میرا بچہ !! شکر ہے تم نے اپنا چہرہ تو دکھایا، طبیعت ٹھیک ہے اب؟"

حیام نے مشعل کو متشکر نظروں سے دیکھا۔

"جی اب ٹھیک ہوں۔"

"ارے بیگم! اُسے بیٹھنے دیں۔سب باتیں کھڑے کھڑے ہی کرلیں گی کیا؟"

حسن صاحب نے اپنا حصہ ڈالا۔

سب بیٹھ چکے تھے۔کھانے کے ساتھ باتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔حیام نے نگاہیں اُٹھا کر دیکھا،اُس کے سامنے والی کرسی خالی تھی۔آج وہ موجود نہ تھا۔کسی کو اُس کی کمی محسوس نہ ہوئی تھی۔وہ اکثر کام کی وجہ سے غیر حاضر رہا کرتا تھا مگر آج حیام کو اُس کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔وہ پتھر دل ہو گئی تھی لیکن دل جتنا بھی سخت کر لو،کوئی نا کوئی شخص ہوتا ہے جس کے لیے دل روئی کے گالے سا نرم ہوتا ہے چاہے پھر سامنے دل کا اپنا قاتل ہی کیوں نا ہو۔مشعل نے حیام کا ہاتھ پکڑ کر اُس پر دباؤ ڈالا،وہ حیام کی توجہ آرز پر سے ہٹانا چاہتی تھی اور کامیاب ہوئی۔حیام سب سوچیں چھوڑ کر کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"چلو بھئی، کھانا تو کھا لیا۔حیام! میرا بیٹا آج اپنے بابا کو اپنے ہاتھ کی بنی چائے پلا دو۔"

مصطفی صاحب نے اُٹھتے ہوئے فرمائش کی۔

"جی بابا، ابھی بناتی ہوں میں۔"

وہ بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چائے بنانے کے لیے اُٹھ گئی۔ آج وہ اتنے دنوں میں پہلی بار مسکرائی تھی وجہ اُس کے بابا تھے وہ تو جان تھے اُس کی۔

گھر کے تمام نفوس لیونگ روم میں بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے جب حیام اور مشعل چائے لیے اندر داخل ہوئیں۔ حیام سب کو چائے دے کر واپس کمرے کی طرف جانے لگی جب حسن صاحب نے اُسے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ وہ بھی چپ چاپ آ کر اُن کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کوئی ناراضگی ہے اپنے تایا سے؟"

وہ اُسے اپنے ساتھ لگائے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں، آپ سے کیسے ناراض ہو سکتی ہوں؟؟"

مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی کوئی بات تو ہے؟؟"

"ارے، کوئی بات نہیں ہے پکا۔ آپ تو میرے دوست ہیں، وہ بھی پکے والے۔۔۔"

ساتھ ہی آنکھ ماری۔

"ہاہاہاہاہاہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔"

باقی تمام لوگ تایا بھتیجی کو دیکھ مسکرا رہے تھے۔

"دیکھیں بھائی، یہ بیمار کیا ہوئی ہے میری بیٹی کی تو آنکھیں بجھ گئی ہیں۔"

مصطفیٰ صاحب نے اپنی بیٹی کو پیار سے تکتے ہوئے کہا۔

"کہاں بھئی، ٹھیک ٹھاک ہوں۔ بس تھوڑا سا بخار ہی تو تھا۔"

"اچھا اچھا، ایک حل ہے میرے پاس۔ حیام بھی ٹھیک ہو جائے گی اور باقی سب کی بھی تسلی ہو جائے گی۔"

مشعل نے تنگ آ کر بولنا شروع کیا۔

"وہ کیا۔۔؟؟"

حیام نے پوچھا۔

"خالہ کی طرف چلتے ہیں۔ تمہارے بخار کے چکر میں پری کا برتھڈے مس ہو گیا ہم سے۔ مجھے تو حیرانی ہے اُس نے کال تک نہ کیا، یقیناً ناراض ہو گی۔"

"اُف میں بھول کیسے گئی؟؟ اچھا ٹھیک ہے، کل صبح چلیں گے۔"

"بس ٹھیک ہے، پھر ہم سب ساتھ چلیں گے۔ ضروری کام بھی تو ہے ہمیں۔"

ندا بیگم نے ساتھ ہی پلین ترتیب دیا۔ حیام نے جان لیا تھا کہ وہ ضروری کام کیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اُس کا دل بجھ گیا تھا۔

"ہمم۔۔۔! چلیں گے۔"

کہتے ہی وہ سر درد کا بہانا بنا کر وہاں سے اُٹھ گئی۔ مزید وہاں بیٹھنا اُس کے لیے مشکل تھا جبکہ بازل کی نظروں نے دور تک اُس کا پیچھا کیا تھا۔

سیدزادے!!

سُنا ہے جب محبوب جدائی کا پروانہ سُنا دیتا ہے تو جدائی محب کے لیے فرض ہوتی ہے اور اُس فرض سے منہ موڑ کر کفارے ادا نہیں ہوا کرتے۔ تم نے بھی جدائی مجھ پر فرض کر دی ہے تو دل چاہتا ہے کہ انکاری ہو جاؤں لیکن محبت پر مبنی کسی کتاب میں ایسا کوئی باب نہیں جس میں کوئی کفارہ ایسا بھی لکھا ہو جو میرے دل کے کہے پر آمین کہہ دے۔

ہاں، ایک حل میں نے تلاش لیا ہے۔اب کے میرے نصیب میں جو سیاہی گھول دی گئی ہے وہ پی لوں گی مگر ایک ایسی کتاب لکھ دوں گی جس میں موجود ہر ورق آنے والی تمام نسلوں کے دل کی گواہیوں پر ایمان لائے گا۔ ہر محبت کی داستان میں جب جب ہجر کا سامان سجے گا تب تب اُس کی تلافی فرض ہو گی۔اُس کا کفارہ ادا کیا جائے گا۔۔۔

تمہاری اسیر

سیدزادی

⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اندھیر کمرے میں اس طرز سے بیٹھا تھا کہ حویلی کے برآمدے کی جانب کھلنے والی کھڑکی میں صرف اُس کا سایہ دکھتا۔پہلی نظر میں کسی ہیولے کا گمان ہوتا۔حویلی کا برآمدہ کھلے آسمان سے بکھرتی چاند کی چاندنی میں نہایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔وہ سست قدم اُٹھاتی برآمدے کے وسط تک آئی۔کالی چادر سے خود کو ڈھکے اُس نے چہرہ اُٹھا کر اُسی کھڑکی کو غور سے دیکھا جہاں وہ بیٹھا تھا۔اپنا رخ اوپر کو جاتی سیڑھیوں کی جانب موڑے وہ تیز تیز قدم اُٹھانے لگی یوں جیسے کسی کام کی بہت جلدی ہو۔وہ سیدھا اُس کے کمرے سے منسلک اُسی کھڑکی تک آئی اور وہیں ڈھیر ہو گئی۔اُس کے وہاں بیٹھتے ہی وہ یکدم سیدھا ہوا۔ نظریں برآمدے کے چاروں اطراف گھوم رہیں تھیں یوں جیسے

کسی کی موجودگی کا ڈر ہو۔

"میرا کام کر دیا آپ نے؟؟"

وہ اُسے دیکھتی سوال کر رہی تھی۔اُس کے ہر عمل میں بے چینی واضح تھی۔

"بولیں نا؟میرا بچہ ملا آپ کو؟"

آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"نہیں، میں کوشش کر رہا ہوں۔"

اُس نے سامنے بیٹھی ایک ماں کو اپنے بچے کے لیے تڑپتے دیکھا۔آنکھیں ہر قسم کے جذبات سے عاری تھیں۔ہاں، مگر آنسو آج سالوں بعد بھی نہ سوکھ پائے تھے۔

"کوشش؟ پچھلے تین سالوں سے آپ کوشش کے سوا کر ہی کیا رہے ہیں؟ مجھے میرا بچہ چاہیے مجھے میرا بچہ لا دیں۔"

وہ ہچکیوں سمیت رونے لگی۔وہ کچھ دیر اُسے یوں ہی تکتا رہا پھر ہاتھ کھڑکی سے باہر بڑھا کر اُس کے سر پر رکھا یوں جیسے تسلی دے رہا ہو۔

"میں لے آؤں گا اُسے۔وعدہ ہے میرا تمہاری جھولی خالی نہیں رہنے دوں گا۔"

"وعدہ؟؟"

وہ بچوں کی طرح پوچھ رہی تھی۔

"وعدہ۔"

وہ وعدہ لیے ہر مرتبہ کی طرح چلی گئی تھی۔ پچھلے تین سالوں سے ہر رات یوں ہی ہوتا آیا تھا۔ وہ یوں ہی آیا کرتی تھی اور اُس کے پاس دینے کو صرف تسلی ہی ہوا کرتی تھی۔

☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘

وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ سرخ و سفید رنگت، کھلے لمبے سیاہ بال جو کمر سے زرا نیچے تک تھے، آسمانی رنگ کا لمبا کُرتا جو اُس کے ٹخنوں سے زرا اوپر آتا تھا، کھلے پائنچوں والا ہم رنگ ٹراؤزر، ساتھ سترنگی ڈوپٹہ اوڑھے وہ زمین پر چاند کی باسی معلوم ہو رہی تھی۔ اُسے رنگ ہمیشہ سے ہی پسند تھے۔ وہ تھی بھی رنگوں کی مانند لیکن آج وہ مختلف رنگوں سے رنگی بھی بے رنگ لگی تھی خود کو۔ ابھی وہ خود کو دیکھنے میں مگن تھی کہ مشعل اُس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ماشاءاللہ!! بہت حسین لگ رہی ہو میری جان۔"

حیام کو کاندھوں سے تھامے اُس نے مسکرا کر اپنا چہرہ اُس کے سامنے کیا۔

"یہ بھی اچھی کہی تم نے۔"

وہ ہنسی مگر اُس ہنسی میں کتنا درد تھا اسکا مشعل کو بخوبی اندازہ تھا۔

"تم بھی اچھی لگ رہی ہو۔"

مسکرا کر کہتی وہ سامان سمیٹنے لگی۔

"چلو، آجاؤ۔ بازل بھائی انتظار کر رہے ہیں۔"

"انتظار؟؟ وہ کیوں؟"

"ارے، ناشتہ باہر کریں گے نا۔ دیکھو منع مت کرنا میں کہہ رہی ہوں۔ میری بات سے انکار کروگی؟"

معصوم صورت بنائے وہ اُس کو بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔

"اچھا میری ماں چلو۔"

وہ دونوں مسکراتی ہوئیں نیچے لاؤنج میں آئیں تو سامنے بیٹھے آرز کو دیکھ حیام کی مسکراہٹ سمٹی۔ اُسے دیکھ ندا بیگم اُٹھیں۔

"ماشاءاللہ! کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی۔ نائلہ اس کی نظر اتار دو کسی کی بری نظر نہ لگ جائے۔"

اُس کے منہ میں کڑواہٹ گھلی۔ کوئی اُنہیں بتاتا کہ اُسے نظر کہاں لگ سکتی تھی، اُس

کے پاس ایسا کچھ تھا ہی نہیں جو کوئی چھین لیتا۔اُس کے پاس تو وہ خود بھی نہیں تھی۔ وہ خود پر پڑنے والی آرزکی نظروں کی تپش محسوس کر سکتی تھی۔اُس کی بے چینی شاید بازل نے محسوس کر لی تھی جب ہی وہ بول اُٹھا۔

"چلو مشعل چلتے ہیں ورنہ دیر ہو جائے گی۔مجھے تم دونوں کو چھوڑ کر آفس بھی جانا ہے۔"

"ہاں، چلیں۔ چلو حیام۔۔۔"

وہ اُس کا ہاتھ پکڑے باہر کو چلنے لگی مگر حیام نے اُسے روکا۔

"کیا مطلب ؟؟اماں لوگ نہیں جا رہے ؟؟"

"بیٹا! آپ لوگ جائیں، ہم لوگ بھی تھوڑی دیر میں نکل رہے ہیں۔"

جواب مصطفیٰ صاحب نے دیا۔وہ اُسے حیام کی فطری جھجک سمجھ رہے تھے کہ شاید وہ بازل کے ساتھ جانے پر قطرا رہی ہو۔رشتے کی بات اب منظرِ عام پر جو آ چکی تھی۔

"جی۔"

اب وہ کیا کہتی کہ وہ بھاگ جانا چاہتی ہے لیکن آج ہونے والی قیامت کا حصہ نہیں بننا چاہتی۔وہ اپنی ماں کا سایہ اپنے ساتھ چاہتی ہے کہ اُس تک آنے والی ہر آفت کو شاید

NEW ERA MAGAZINE .com Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُس کی ماں کا آنچل اپنی بیٹی تک پہنچنے سے روک دے۔

وہ چل پڑی تھی۔ یہ اُس کے نصیب میں لکھ دیا جا چکا تھا کہ وہ نازل ہونے والی قیامت کے زد میں آنے والی ہر چیز کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو جائے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

اُس کے جاتے ہی آرزنے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا تھا۔ حیام جس تکلیف سے گزر رہی تھی اُس کا حرف حرف آرزنے خود اُس کے چہرے پر عیاں پایا تھا۔ اور یہ غم کی جو تحریر تھی وہ اُس نے خود ہی تو حیام کی جبیں پر اتاری تھی جس کی آگ میں وہ جھلس رہی تھی۔

وہ کتنا غلط تھا؟ وہ ایک مرتبہ کوشش تو کرتا۔ وہ کیوں اُس کے نصیب میں نہ لکھی جاتی؟؟ وہ ایک دفعہ اُس کے لیے اپنے ماں باپ سے لڑتا تو صحیح، ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ انکار کرتے؟

وہ کیوں کمزور پڑ گیا تھا؟ اُس کو اپنے سامنے یوں سجا سنورا دیکھ آرز پر بے سکونی کا غلبہ طاری ہو گیا تھا۔ حیام سے کوئی ایسی غلطی تو سرزد نہیں ہوئی تھی جس کی سزا وہ اُسے یوں دے رہا تھا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

وہ کھلے صحن کے ایک طرف مٹی کا چولہا جلائے مکئی کی روٹی بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہر مرتبہ روٹی چھانٹتے وقت وہ اُس سے ٹوٹ جاتی اور نئے سرے سے اُسے سب کرنا پڑتا۔ کچے بنے مٹی کے اس چھوٹے سے گھروندے میں نام کا صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ چھوٹا سا صحن جس کے ایک طرف بانس کی چھت تلے دو چارپائیاں بچھی تھیں۔ چارپائیوں کے بائیں جانب وہ چولہا رکھے بیٹھی تھی۔ دائیں جانب چھوٹا سا غسل خانہ تھا جس کا دروازہ ٹوٹ پھوٹ کے باعث اترنے کے قریب تھا۔

"آپا۔۔۔!! آپا دے بھی دے روٹی، بھوک سے میں مر جاؤں گا۔"

اُس کا چھوٹا بھائی جو کب سے بھوکا تھا اب کمرے سے آوازیں دینے لگا۔

"ٹھہر جا ویرے، بنا تو رہی ہوں۔"

مگر روٹی بننے کو تیار ہی نہ تھی۔ موسم بھی آہستہ آہستہ خرابی اختیار کر رہا تھا۔ ہوا زور زور سے گھر کے درو دیوار ہلا رہی تھی۔ ہوا کے تھپیڑوں سے چولہا بجھنے کے قریب جاتا تو وہ ایک ہاتھ سے سلگتی لکڑیوں پر تیل چھڑکتی۔ اتنے میں اُس کا بھائی کمرے سے نکل اُس کے پاس ہی آ کھڑا ہوا۔

"آپا لگتا ہے تجھ سے روٹی نہیں بنی اور یہ دیکھ تو سارا تیل ختم کر دے گی۔ ایسا کر تو رہنے ہی دے، میں بھوکا رہ لوں گا۔ اماں کہاں سے لائے گی روز روز تیل؟"

اُس کے کہنے پر بیٹھی لڑکی نے تیل کو دیکھا۔ ٹین کا کنستر واقعی ختم ہونے کے قریب تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کرے، اتنے میں بھک سے چولہا بجھ گیا۔

"لے آپا، دیکھ میں کہہ تو رہا تھا۔ تو چھوڑ سب اندر آ جا موسم خراب ہو رہا ہے۔ یہ بے بے کب تک آئے گی؟؟"

وہ کہتا بہن کے ساتھ چیزیں سمیٹنے لگا اور ساتھ ساتھ سوال بھی کیے گیا۔

"پتا نہیں ویرے۔ سُن تو بہت بھوکا ہو گا نا؟ میں ساتھ گھر سے تیرے لیے کچھ مانگ لاتی ہوں۔"

وہ جانے کو اُٹھ گئی۔

"رہنے دے آپا، مجھے پتا ہے تو کتنی خوددار ہے۔ کیوں میری خاطر اپنی خودداری کو اس راکھ کی چنگاریوں میں سینک رہی ہے؟؟ ہم غریب ہیں لیکن بے غیرت نہیں ہیں۔ تیرا ویرا ایک رات کچھ نہیں کھائے گا تو مرے گا تھوڑی۔"

بجھی ہوئی لکڑیوں کی راکھ سے اُبھرتی چنگاریوں کو دیکھ وہ اُسے کیا کچھ سمجھا گیا تھا۔ پھر صحن کا جائزہ لینے لگا کہ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ تسلی کر لینے کے بعد اندر چلا گیا۔ وہ وہاں کھڑی رہی۔ کتنا چھوٹا تھا اُس کا بھائی اور اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھدار۔ آنکھوں میں

آنسو آ گئے۔ وہ ٹھیک تو کہتا تھا وہ غریب ہی تو تھے اور غریبوں کو اپنی چادر میں ہی رہنا چاہیے۔ چادر سے باہر منہ جھانکیں تو حقارت کی نظروں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ وہ آنسو صاف کیے اندر جا کر تخت پوش کے ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھ گئی۔ سردی پہلے سے قدرے بڑھ گئی تھی مگر لحاف کے نام پر صرف ایک چادر تھی جو گھس کر باریک ہو چکی تھی۔ نجانے کب بیٹھے بیٹھے وہ نیند کی وادی میں اُتر گئی۔ آنکھ کھلی تو کمرہ سورج کی آتی روشنی سے چمک رہا تھا۔ گردن گھما کر دیکھا تو اُس کے سوا وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ باہر صحن سے اُس کے بھائی کی دبی دبی آواز آ رہی تھی۔ وہ وہاں سے اُٹھتی باہر کو آئی تو سامنے اُس کی ماں چولہے کو جلائے روٹی سینک رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"سلام بے بے!"

وہ کہتی اپنی ماں کے قریب ہی آ بیٹھی۔

"وعلیکم السلام!! نیند پوری کر لی میری سوہنی دھی نے؟؟"

"ہممم۔۔۔۔۔۔"

"آپا دیکھ بے بے حویلی سے کیا لے کر آئی ہے؟؟"

اُس کا بھائی شوق سے اُسے برتن کا ڈھکن اُٹھائے اندر رکھا قورمہ دکھا رہا تھا۔

"بے بے، یہ تو حویلی سے لائی ہے؟"

"ہاں، اور کہاں سے لائے گی تیری ماں؟؟؟"

"تو کیوں لاتی ہے وہاں سے اُن کا بچا ہوا کھانا؟ میں بھوکی رہ لوں گی کسی کا جوٹھ نہیں کھاؤں گی۔"

وہ حقارت سے بولی تو اُس کی ماں نے اُسے غصے سے دیکھا۔

"تو نہ کھا آپا۔ بے بے تو مجھے دے دے۔ میں کھالوں گا، مجھے بھوک لگی ہے۔ بے بے ساری رات کا بھوکا ہوں۔"

"جا تو اندر بیٹھ کر کھا روٹی۔ میں ذرا تیری آپا سے دو باتیں کرلوں۔"

ساتھ ہی سادہ روٹی پر سالن ڈال اُسے پکڑا دیا۔ وہ خوشی خوشی اندر کو بھاگا۔

"تیری ماں غریب ضرور ہے سعدیہ مگر ابھی اتنی ذلیل نہیں ہوئی کہ اپنی اولاد کو دوسروں کے منہ کا نوالہ کھلائے۔ اور تو حویلی والوں کے اتنے خلاف کیوں ہے؟؟ کوئی جوٹھ نہیں دیتے وہ خود کھانے سے پہلے ملازموں کو دیتے ہیں۔"

"تو جھوٹ بولتی ہے بے بے۔"

آنسو بہنے لگے۔

"توجو جی چاہے من۔میری گل کان کھول کر سن لے۔ہم جو غریب ہوتے ہیں ناتو دوسروں کے منہ سے اُگلا نوالہ بھی کھانے کو مل جائے تو شکرادا کرتے ہیں۔دو دن بھوکا رہنا پڑ جائے ناتو سارے کس بل نکل جاتے ہیں۔غریب کی بیٹی ہے تو غریب کی۔ تیری ماں بس بشیرا ہے،بشیرا بیگم نہیں ہے۔"

وہ کہتے ہی اندر کو چلی گئیں جبکہ وہ پیچھے بیٹھی جلتے چولہے کو تکتی رہی۔

وہ کمرے میں ایک طرف رکھے صوفے پر بیٹھا،سامنے لیپ ٹاپ کیے کام کرنے میں مصروف تھا۔دروازے پر ہونے والی دستک نے اُسے سر اُٹھانے پر مجبور کیا۔

"آجائیں۔۔"

اُس کے کہنے کی دیر تھی کہ اجازت ملتے ہی مناہل فوراًاندر داخل ہوئی۔وہ سر پر دوپٹہ پھیلائے ہوئے تھی۔ہاں فرق بس اتنا تھا کہ حویلی کی عورتوں کی طرح وہ چادر میں نہیں تھی۔

"بھائی۔۔!"

وہ بولتے ہوئے شاہ میر کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"جی، بھائی کی جان۔۔۔!!"

وہ مسکرا کر اُسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ شہر کب جائیں گے؟؟"

نگاہیں کبھی کمرے کے چاروں اطراف گھومتی تو کبھی صوفے کے سائیڈ پر رکھی چھوٹی سی ٹیبل پر موجود گلدان کو گھما کر جائزہ لیا جاتا۔

"کیوں؟؟ کچھ چاہیے؟؟"

"نہیں، چاہیے تو کچھ نہیں۔۔۔۔وقفہ لیا گیا۔۔۔وہ ایک بات کرنا تھی؟"

وہ یکدم سیدھی ہوئی۔

"بتاؤ کیا بات ہے؟؟"

"آپ آرز بھائی کی منگنی پر جا رہے ہیں کیا؟"

"تمہیں کس نے بتایا کہ اُس کی منگنی ہے؟؟"

"وہ اماں بات کر رہی تھیں نامی جان سے تو میں نے سُن لیا۔"

انگلیاں چٹخاتی وہ یوں جیسے اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی تھی۔

"بُری بات ہے کسی کی بات چھپ کر نہیں سنتے اور اگر سن لی جائے تو کبھی کسی تیسرے کو نہیں بتاتے، چوری ہوتی ہے۔"

لہجہ ہمیشہ کی طرح ٹھہرا ہوا تھا۔

"جی بھائی! لیکن بتائیں نا آپ جائیں گے ؟؟"

"ہاں جاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔"

"مجھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے بھی جانا ہے۔"

ڈر ڈر کر بولتی وہ اصل مدعے پر آئی۔

"مناہل۔۔۔!"

شاہ میر کی پیشانی پر بل پڑے۔

"بھائی! میں آپ کے ساتھ جاؤں گی نا بس۔ دیکھیں مجھے بہت شوق ہے آرز بھائی سے ملنے کا۔ آپ اُن کی اتنی باتیں کرتے ہیں مجھے ملنا ہے اُن سے۔"

وہ شاہ میر کا بازو پکڑے التجائی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"مناہل، آخری مرتبہ یہ بات اپنے ذہن میں بٹھالو کہ اس حویلی کے دروازے نہ تو کسی عورت کے لیے کھلے ہیں نا کھلیں گے۔ میں اماں سے بغاوت نہیں کر سکتا۔ تم مجھے بہت پیاری ہو پھر بھی نہیں۔"

وہ اُسے پیار سے سمجھاتا بہت کچھ باور کرواگیا۔

"جی، چلتی ہوں۔۔۔"

وہ کہتے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی۔ آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔

کمرے میں آتے ہی وہ آنسو بہانے لگی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر سیدھی ہوئی، رخ موڑ کر آنسو صاف کیے لیکن آنے والے کی آنکھوں سے یہ منظر چھپا نا رہ سکا۔

"گڑیا، تم رو رہی ہو؟"

"منال آپی۔۔ نہیں تو، یہ آنکھوں میں کچھ چلا گیا تھا۔"

وہ مسکرا کر کہتی معصوم سی صورت بنائے کھڑی ہو گئی۔

"بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟"

اُسے اپنے ساتھ بٹھائے وہ اُس سے پیار سے پوچھ رہی تھی۔اُس کے پوچھنے کی دیر تھی مناہل کی آنکھوں سے ٹپکا ٹپکا آنسو بہنے لگے۔

"آپی!! وہ بھائی۔۔۔۔"

وہ رو رہی تھی۔

"نہیں مناہل، میں مان ہی نہیں سکتی کہ وہ تمہیں کچھ کہہ سکتے ہیں۔"

مناہل مزید رونے لگی۔

"اچھا نا، بتاؤ کیا کہا ہے انہوں نے؟؟"

"میں نے بولا تھا کہ مجھے بھی شہر جانا ہے۔ مگر ڈانٹا ہے انہوں نے۔کہتے ہیں اس حویلی کے دروازے کبھی کسی عورت کے لیے نہیں کھلیں گے۔"

منال کی آنکھوں میں ایک تاریک سایہ لہرایا۔

"ٹھیک کہتے ہیں وہ۔"

آواز سہمی ہوئی تھی۔

"آپ کو گھٹن نہیں ہوتی اس حویلی میں؟ آپی مجھے کسی قیدی کا گمان ہوتا ہے۔میں باہر کی دنیا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں، مجھے گھٹن نہیں ہوتی۔ تمہیں پتا ہے گھٹن تو اس حویلی کے باہر ہے اور باہر کی دنیا بہت ظالم ہے میری جان۔اور تم تو شہزادی ہو، شہزادیاں بھی کبھی اپنے محلوں سے باہر نکلا کرتی ہیں؟"

وہ اُسے اپنے ساتھ لگائے نجانے کون سی زبان بول رہی تھی۔اتنی گہری باتیں اُس کی سمجھ سے تو باہر تھیں۔

"شہزادیوں کو بھی سونے کے پنجرے بھلا کبھی اچھے لگے ہیں؟؟"

اُس کے پاس ہر جواب کے بدلے نیا سوال تیار تھا۔

"میری جان، مجھے باقی شہزادیوں کا نہیں پتا، مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ یہ جو ہم سیدزادیاں ہوتی ہیں ناہم اصل میں، سچ مچ کی شہزادیاں ہوتی ہیں اور ہمارا تعلق کسی شہر یا کسی بستی سے نہیں بلکہ پوری دنیا سے ہوتا ہے۔کیونکہ ہم اسلام کی شہزادیاں ہیں اور اسلام کی شہزادیاں تو چار دیواری میں اچھی لگتی ہیں نا؟؟"

"تو کیا شہزادیاں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتیں؟؟ جیسے سنڈریلا؟ ہم کچھ کیوں نہیں کرسکتیں؟؟ ہمیں اپنے ابو جان اور بھائیوں کی اجازت کیوں درکار ہے؟"

"نہیں، کس نے بولا ہے کہ ہمارے ابو جان اور ہمارے بھائیوں نے ہم پر یہ پابندیاں

لگائی ہیں؟؟ یہ حکم تو اللہؐ کا ہے کہ ہم باقی عورتوں سے الگ جانی جائیں تا کہ لوگ جان سکیں کہ ہم شہزادیاں ہیں۔ہمارے سامنے نظریں جھکانی ہیں، عزت سے۔ہمارے بڑے تو صرف ہمیں ہمارے اصل سے جوڑ کے رکھتے ہیں۔ہمیں برا لگتا ہے لیکن وہ نہیں چاہتے کہ ہم اپنی نادانی میں کوئی ایسی خطا کر جائیں جس سے جہنم کی آگ ہم پر حرام نہ رہے۔"

"اسی لیے آپ باہر نہیں جاتیں؟"

"ہممم۔۔۔"

"میں بھی کبھی نہیں جاؤں گی۔پکا وعدہ۔۔"

وہ مسکرا کر کہتی منال کے ساتھ گلے لگ گئی۔

"میں تمہیں کبھی جانے نہیں دوں گی۔"

نجانے اُسے کس بات کا ڈر تھا۔وہ سوچوں میں گم ہو گئی تھی۔

سیدزادے!!

میں سمجھی تھی کہ تمہارا محبت سے انکاری ہو جانا میرے لیے سب سے بڑا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کرب ہو گا لیکن میں غلط تھی۔ میں نے یہ اب جانا ہے کہ وہ انکار تو میرے دکھوں کا آغاز تھا۔ محبت کے اس سفر میں آنے والا ہر وار ہمیشہ پہلے لگے زخم پر ہی آکر لگتا ہے کہ وہ زخم کہیں بھر ہی نہ جائے، تکلیف کہیں مندمل ہی نہ ہو جائے۔

مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ آنے والا ہر عذاب میرے دل کے پھپھولے کو ناسور بنا دے گا مگر رکو اس بات کی تسلی بھی ہے کہ تب تک میرے دل سے رستا خون تھم چکا ہو گا۔ مطلب سمجھ گئے ہو نا؟؟ میں مر گئی ہوں گی۔۔۔۔۔۔۔۔

تمہاری اسیر

سید زادی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تاریکی میں زمین پر بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی وہ کوئی بدروح معلوم ہو رہی تھی۔ کالا لباس اوڑھے، بالوں کو کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں لگا کاجل آنسوؤں کے ساتھ بہہ کر اس کے رخساروں پر سیاہ چھاپ چھوڑ چکا تھا۔ وہ کمرے سے منسلک بالکونی کا دروازہ کھولے بالکل اُس کے سامنے اس رخ سے بیٹھی تھی کہ روشنی کے نام پر چاند کی چاندنی اُس پر یوں پڑتی کہ اس کی ایک آنکھ اور اس میں سے بہنے والا سیاہ کاجل روشن ہوتا۔

"آج کی رات مجھ پر بہت بھاری ہے۔ نہیں، نہیں آج کی رات نہیں، اب تو آنے والی ساری زندگی ہی مجھ پر بھاری ہے۔ آج ہونے والی قیامت مجھ پر عذاب بن کر ٹوٹی ہے اور میرے منہ سے ایک سسکی تک نہ اُبھری، کیسے؟"

وہ ہنسنے لگی۔

"تمہیں پتا ہے آج میں نے ہر رنگ خود پر اوڑھ رکھا تھا، وہی رنگ جن سے مجھے عشق ہوا کرتا تھا۔ وہ سب مجھے بُرے لگنے لگے ہیں۔ حیران مت ہو مجھے سچ میں رنگوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ دیکھو یہ کالا رنگ مجھ پر بھلا لگ رہا ہے نا؟؟"

وہ پھر ہنسنے لگی، اُس کی ہنسی رفتہ رفتہ قہقہوں میں ڈھلنے لگی تھی۔

وہاں اُس کے ساتھ کوئی موجود نہ تھا تو نجانے وہ کس سے بات کر رہی تھی۔ ہاں یقیناً وہ سامنے منظر پر موجود چاند سے محو گفتگو تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں شاید۔۔۔۔۔۔

دونوں گھروں میں فنکشن کی تیاریاں ہفتہ بھر پہلے ہی شروع ہو گئیں تھیں۔ طے یہ ہوا تھا کہ پہلے بازل اور حیام کی رسم ادا کی جائے گی تا کہ حیام بھی اگلے فنکشن میں شامل ہو جائے جو اُسی دن ہی تھا اور بات تو گھر کی تھی، بچے بھی اپنے تھے کیسی پابندیاں؟؟ کوئی

حیام سے پوچھتا تو وہ کہتی کہ اب کیا وہ سیدزادی نہیں رہی تھی جو کوئی عذر تلاش کر لیا جاتا۔اب اُس کے بابا کو کوئی اعتراض کیوں نہ ہوا تھا؟؟ خیر اتوار کا دن طے پایا گیا تھا اور تیاریوں کا آغاز حیام اور پری کے لیے کپڑوں کی پسند سے کیا گیا آخر کو دلہنیں بھی کیا کبھی بنا ہار سنگھار سجی ہیں؟ لیکن انہیں کوئی بتاتا کہ جب جنازے کے انتظامات طے پا رہے ہوں تو سجنے سنورنے کی کس نامراد کو ضرورت ہوتی ہے؟ اُس دن تو سوگ کی جوگن خود آسمان سے اُترتی ہے، پوری تیاریوں کے ساتھ۔اور کمبخت سوگ بھی نجانے کیا چیز ہے کہ جب وہ آفتاب کی لو دیتی ہوئی کرنوں کی تھال جوگی پر انڈیلتا ہے تو پھر کسی دوسرے بناوٹی حسن کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔اُس کا حسن ہی اتنا دلکش ہوتا ہے اس لیے شاید کوئی آنکھ بھر کر دیکھتا ہی نہیں۔شاید اسی لیے کسی نے آج تک اُسے دیکھا ہی نہیں۔

اور آخر کار وہ دن بھی آگیا جس دن شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو ناخوش ہوتا، سب خوش تھے مگر وہ چار جن کی زندگیوں کا فیصلہ کر کے اُنہیں کسی تماشے کی صورت تفریح کا سامان بنایا گیا تھا وہ ناخوش تھے۔وہ خوش ہو بھی کیسے سکتے تھے؟؟ آج کا دن کوئی اُن سے پوچھتا کہ کیا ہے تو وہ کہتے کہ عذاب ہے، قیامت ہے، بس موت کا فرشتہ نازل

ہونے کو ہے لیکن کوئی پوچھتا تو نا۔ابھی تو صرف منگنی تھی اگر۔۔۔

وہ آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔گلابی رنگ کا پاؤں کو چھوتا گاؤن جس پر سنہری رنگ کا کام کیا گیا تھا یوں جیسے کلیاں ہوں، کلائیوں میں بھر بھر کر گلابی چوڑیاں اور مہندی سے رنگے ہاتھ جس کی خوشبو کی شاید وہ دیوانی ہوا کرتی تھی لیکن آج اُسے قے ہو رہی تھی۔ لائٹ میک اپ، بالوں کو کرل کر کے آگے کی طرف ڈالا گیا تھا اور ڈوپٹہ سر پر ٹکائے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔وہ خود کو آئینے میں دیکھ لیتی تو یقین نہ کرتی کہ وہ ہی ہے لیکن اُس نے نگاہ اُٹھا کر خود کو دیکھا تک نہ تھا۔

وہ خط لکھ رہی تھی، نجانے آج بھی اُسے کیا سوجھی تھی کہ قلم تھام لیا تھا لیکن اس میں انسان کا بھی کیا قصور ہے؟ جب بربادی نے اپنے قدم گاڑنے ہوتے ہیں تو کوئی نا کوئی راستہ بن ہی جاتا ہے۔

سید زادے!!

تمہیں پتا ہے کہ آج مجھے خوب بناؤ سنگھار کیا گیا ہے۔سب کہتے ہیں کہ آج خوشی کا دن ہے، جشن کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔کوئی مجھ سے پوچھتا ہی نہیں کہ کیا میرے لیے بھی خوشی کا دن ہے؟؟ کوئی مجھ سے پوچھے تو میں کہہ دوں کہ یار یہ جشن

بند کر دو، یہ جو شادیانے بجائے جا رہے ہیں یہ میری سماعت میں غموں کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں، میرے کانوں سے لہو بہہ رہا ہے مگر کاش کوئی پوچھتا۔۔۔۔۔؟؟

تمہیں پتا ہے مجھے یہ مہندی بہت پسند ہے، مطلب تھی۔ کبھی میں نے بھی خواہش کی تھی کہ تمہارے نام کی حنا اپنے ہاتھوں میں لگاؤں گی تو دنیا کی خوش قسمت لڑکی گردانی جاؤں گی لیکن یہ جو مہندی آج میرے ہاتھوں پہ سجی ہے وہ تو کسی دوسرے کی نسبت سے ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے میرے ہاتھوں پر کسی نے جلتے ہوئے انگارے رکھ دیئے ہیں جس کی جلن مجھے اپنے پورے وجود کو جھلستی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔

کاش کہ تم نے مجھ سے منہ نہ موڑا ہوتا تو یہ مہندی تمہارے نام کی ہوتی اور اس کی خوشبو مجھے تمہارے لیے مزید دیوانہ بنا دیتی، میں تمہارے عشق میں اور پاگل ہو جاتی

آرزِ حسن۔۔۔۔اور پاگل۔۔۔۔

تمہاری اسیر

سید زادی

ابھی اُس نے قلم بند ہی کیا تھا کہ دروازے پر دستک دے کر کوئی اندر آیا۔ حیام نے فوراً

خطا اپنے پیچھے کیا، مڑ کر دیکھا تو سامنے مشعل کھڑی تھی۔لال رنگ کا سادہ پاؤں کو چھوتا کلی دار، بالوں کو طریقے سے باندھے، ڈوپٹہ سر پر پھیلائے ہمیشہ کی طرح پیاری لگ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟؟ڈر کیوں گئی۔۔؟؟"

"نہیں، ویسے ہی۔۔۔"

حیام نے اپنا رخ واپس آئینے کی جانب موڑا اور خط وہی ایک طرف رکھی گجروں کی ٹوکری کے نیچے رکھ دیا۔

"اچھا، چلو بلا رہے ہیں تمہیں نیچے اور یہ دیکھو یہ گجرے بھی نہیں پہنے تم نے۔"

مشعل خود ہی اُسے گجرے پہنانے لگی اور حیام نے آنکھیں دو پل کے لیے بند کیں کہ شاید نگاہیں کھولنے پر حقیقت کچھ اور ہو، منظر بدل جائے مگر آہ۔۔۔جب مشعل اُسے گجرے پہنا چکی تو سیدھی ہو کر دیکھا حیام نگاہیں بند کیے ہی کھڑی تھی۔ مشعل کے دل کو ٹھیس لگی تھی۔وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی اپنی دوست کے لیے۔وہ اپنے بھائی کی کوتاہیوں کا مداوا کرنا چاہتی تو بھی کیسے کرتی۔۔۔؟

"حیام۔۔۔!!!مجھے معاف کر دینا۔۔۔"

ساتھ ہی وہ رودی۔

"معاف؟ وہ کیوں؟"

حیام نے آنکھیں کھولیں۔

"میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکی حیام اس لیے۔۔۔"

مشعل نے حیام کے سامنے ہاتھ جوڑے۔اُسے روتا دیکھ حیام کی آنکھوں میں بھی موتی چمکنے لگے۔

"اچھا بتاؤ کیسی لگ رہی ہوں؟ لگ رہا ہے نا کہ بہت دل سے تیار ہوئی ہوں، یوں جیسے برسوں سے دلہن بننے کی خواہش پوری ہوگئی ہو مگر دیکھو نا میری تو آج صرف منگنی ہے پھر بھی اتنا تیار لوگ توبہ توبہ کریں گے۔"

وہ اور بھی نجانے کیا اول فول بولے جا رہی تھی۔ مشعل نے اسے خاموش نہ کروایا۔ وہ جانتی تھی کہ اس طرح وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی۔

"اچھا سنو!! بازل سے کہنا کہ وہ خود مجھے انگوٹھی پہنائیں۔ میں اپنی منگنی پر اس خاندان کی تہذیب کی پرواہ ہرگز نہیں کرنا چاہتی۔"

"حیام۔۔۔"

مشعل نے اُسے ٹوکا۔

"کیا۔۔؟؟وہ مشعل سے نظریں نہ ملا رہی تھی۔بولو بھی۔۔۔"

"تم نے بازل بھائی کہنا تھا شاید، تمہیں یقین تو ہے نا اُن پر؟؟ یہ منگنی وقتی ہے، وہ سب ٹھیک کر دیں گے۔"

"مجھے یقین ہے اُن پر لیکن مجھے اپنی قسمت پر یقین نہیں ہے۔اور تم اُن کو میرے جانے سے پہلے بتا دو کہ یہ منگنی وقتی نہیں ہے، اصلی ہے۔وہ تمام کوششیں ترک کر دیں کیونکہ حیام بخاری کو اب آرز حسن نہیں چاہیے۔آج یہ سجنے سنورنے سے پہلے حیام نے آرز حسن کے نام کی تمام کشتیاں جلا دی ہیں۔"

سفاکی سے کہتی وہ باتھروم کی طرف چل دی جبکہ پیچھے کھڑی مشعل نے اس کے لفظوں میں کتنی سچائی تھی اور کتنا جھوٹ جاننے کی کوشش کی تھی۔

گھر کے پورے لان کو سفید پھولوں سے سجایا گیا تھا۔سجاوٹ سے منسوب کوئی ایسی چیز نہ پائی جاتی تھی جہاں پھولوں کو بطور سیکنڈ آپشن گردانا گیا ہو۔آخر کو حیام بخاری پھولوں کی دیوانی تھی۔لان کے ایک حصے کو سٹیج کے طور پر سجایا گیا تھا۔ سٹیج سے گھر

کے داخلی دروازے تک کے فاصلے پر پھولوں کو یوں نچھاور کیا گیا تھا جیسے کوئی پگڈنڈی ہو۔ آرزحسن سفید شلوار قمیض پہنے لان کے ایک طرف کھڑا تھا۔ بال ماتھے پر بکھرے اور نظریں بار بار اُس راستے کو تکتی تھیں جہاں سے حیام کی آمد متوقع تھی۔ آرز کے ساتھ کھڑے شاہ میر نے اُس کی بے چینی خوب اچھے سے نوٹ کرلی تھی تب ہی بول پڑا۔۔۔۔

"تو ایک بار پھر سوچ لے۔"

آرز نے چہرہ شاہ میر کی طرف کیا۔ سرتا پاؤں اُس کا جائزہ لیا۔ سیاہ شلوار قمیض، بالوں کو جیل سے پیچھے کیے، سیاہ شال کاندھوں کے گرد لپیٹے، وہ کسی سلطنت کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ دونوں کے مابین مشابہت ہر دیکھنے والے کو یہ سوچنے پر مجبور کردیتی تھی کہ کیا یہ جڑواں تو نہیں؟

"اچھا لگ رہا ہے تو۔"

چہرہ واپس موڑ لیا گیا۔

"میں جانتا ہوں آرز تو غلط نہیں ہے لیکن تو اسے کوئی معمولی منگنی نہ سمجھ کہ آج ہو جائے گی تو کل ٹوٹ جائے گی۔ تو اچھے سے جانتا ہے۔۔۔"

آرزنے اُس کی بات کاٹی۔

"کس نے کہا ہے کہ یہ منگنی ٹوٹ جائے گی؟ منگنی نا ہو گئی کوئی گڈے گڈی کا کھیل ہو گیا۔ یہ شہر ضرور ہے میاں مگر ابھی اس گھر کے افراد اپنی روایتوں سے خوب واقف ہیں۔ اچھے سے جانتے ہیں سب کہ منگنی ہو گئی سو ہو گئی۔"

نگاہیں بازل پر آ ٹھہریں، جو اُن کے پاس ہی آ کھڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک کہتا ہے آرز تو۔ منگنی ہو گئی سو ہو گئی۔ اب دیکھیں ناشاہ میر بھائی انسان کی منگنی تو ایک مرتبہ ہی ہوتی ہے تو اسے انجوائے کرنا چاہیے۔"

شاہ میر نے کوئی جواب نہ دیا البتہ آرز کی نگاہوں کا زاویہ نہ بدلا۔

"وہ کہتی ہے کہ خود انگوٹھی پہنانا۔ چل اپنے بھائی کی مدد کر، کیا کروں؟؟ نہ پہنائی تو ناراض ہو جائے گی۔ تو تو جانتا ہے اُسے۔"

بازل نے چہرے پر مصنوعی پریشانی ظاہر کی۔

"ابا سے کہا تو غصہ کریں گے کہ یہ عورتوں کے کام ہیں۔ لیکن اُنہیں سمجھنا چاہیے نا۔ منگیتر ناراض ہو جائے گی میری۔۔۔"

آرز کے چہرے پر غصے کی چھاپ نمایاں ہوئی۔ وہ جانے کیسے ضبط کیے ہوئے تھا۔

"بازل۔۔۔"

شاہ میر نے کچھ کہنا چاہا لیکن بازل پھر بول پڑا۔

"ارے ہاں، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں، ابا کیوں منع کریں گے؟ آخر کو گھر کے بچے ہیں۔ ٹھیک ہے بھئی سادات کی تہذیب اور روایات ایک طرف مگر گھر کے بچوں کا بھی بھلا کبھی پر دا ہوا ہے۔ ہے نا آرز؟؟"

آرز نے بازل کی جانب قدم بڑھائے لیکن اتنے میں داخلی دروازے سے حیام مشعل کے ہمراہ سست قدم اُٹھاتی اپنے قریب آتی دکھائی دی۔ ایک لمحہ لگا تھا آرز کے تاثرات بدلنے میں۔ چہرے پر غصے کی جگہ مسکراہٹ نے اپنا بسیرا کیا۔ آرز کے بدلے رویے نے شاہ میر اور بازل دونوں کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کیا۔ لان میں موجود تمام مہمان ہی سانس روکے اُس پری کے مکمل حسن کو سراہنے میں مشغول تھے۔

آرز حسن کو وہ اپنے قریب آتے محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے مگر پھر سے ایک لمحہ لگا تھا آرز کو خاک ہونے میں۔ اُس کی آنکھوں کے تمام جگنو اپنی چمک کھو گئے۔ چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ کرب، تکلیف نے گھر کیا۔ بازل کا ایک جملہ آرز حسن کے دل کی دنیا اُجاڑ گیا تھا۔

"ابو نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے آرز، آئی ایم آلکی مین۔۔۔

I'm a lucky Man....

مجھے حیام سے محبت بھی ہو جائے گی۔"

آرزتو بس محبت لفظ پر اٹک گیا تھا۔آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔چہرہ موڑ کر بازل کو دیکھا جس کی آنکھوں میں بس محبت ہی محبت تھی۔آرز حسن اندھا ہو گیا تھا۔وہ اُس محبت کی تفریق نہ کر سکا کہ وہ ایک بھائی کی اپنی بہن کے لیے تھی یا ایک نئے رشتے کی بدولت اپنی منگیتر کے لیے۔

حیام کو سٹیج پر بٹھا دیا گیا۔شاید بازل نے سب کو راضی کر لیا تھا تب ہی اُس کے ساتھ بیٹھا مسکرا کر اپنی ماں کو کسی بات کا جواب دے رہا تھا۔سب کے چہروں پر خوشی واضح تھی۔حیام نے نگاہیں اُٹھا کر آرز حسن کو دیکھا۔دونوں کی نظریں ملیں۔ایک کی آنکھوں میں درد تھا،تو دوسرے کی آنکھیں ہر قسم کے جذبات سے عاری۔ایک کی نگاہیں منظر بدل ڈالنا چاہتی تھیں،تو دوسرے کی نگاہیں بے حس ہو گئی تھیں۔ایک کی آنکھوں میں موجود نمی بہہ جانا چاہتی تھی،تو دوسرے کی آنکھیں خشک تھیں۔آرز حسن چاہتا تھا کہ وہ ساری عمر یوں ہی اُس کی آنکھوں میں جھانکتا رہے لیکن حیام بخاری نے نظروں کا زاویہ بدل ڈالا۔آج وہ سزا دینے پر آئی تو ظلم کی انتہا کر گئی۔

شاہ میر نے آرز کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔آرز نے رُخ موڑ کر اُسے دیکھا۔

www.neweramagazine.com

"شاہ میر! یار کیسے، کیسے روکوں؟؟"

بدن کا سارا خون نچڑ کر اُس کے چہرے پر آ گیا۔اس لمحے شاہ میر کو اپنے دوست پر ترس آیا۔ پیچھے چلتے منظر نے اُس کے الفاظ بھی کھا لیے۔ بازل مسکرا کر حیام کو انگوٹھی پہنا رہا تھا۔شاید وہ کچھ کہہ رہا تھا تب ہی حیام مسکرائی تھی۔ تمام مہمان سٹیج کے قریب جمع تھے۔ کسی نے آرز پر توجہ نہ دی ورنہ کوئی بھی اُسے دیکھ اُس کے دل کی حالت سے واقف ہو جاتا۔

"یار دیر کر دی ہے تو نے بہت۔"

ایک دم سے پیچھے کے منظر پر تالیوں کا شور اُبھرا۔آرز نے آنکھیں موندے اپنی روح فنا ہوتے محسوس کی۔ وہ سست روی سے قدم اُٹھاتا گھر کے داخلی دروازے کی طرف چلنے لگا۔شاہ میر نے حیام کے ایک طرف کھڑی مشعل کو دیکھا، وہ بھی کہاں خوش تھی۔ مشعل کی نگاہیں اپنے بھائی کے شکست زدہ قدموں کی چال دیکھنے میں مصروف تھیں۔ مشعل نے چہرہ موڑ کر شاہ میر کو التجائی نظروں سے دیکھا۔وہ اُس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر آرز کے پیچھے ہی چل دیا۔

سید زادے!!

دنیا والے کہتے ہیں کہ جو ایک مرتبہ دل لگا لے وہ ہر دوسرے شخص کے لیے ناکارہ گردانا جاتا ہے۔آج معلوم ہوا کہ سچ کہتے ہیں۔یہ جو پرانے زمانے کی پرانی سوچ کا لبادہ اوڑھے بوڑھے حیات ہیں، یہ بالکل سچ کہتے ہیں۔ہم نئی نسل سمجھتی ہے کہ ہم پڑھ لکھ گئے ہیں تو دنیا بھر کی عقل ہمارے ذہنوں میں قید ہو گئی ہے۔آخر یہ بھی سچ ہی ہے کہ واقعی تمام عقل قیدی ہے جس کا استعمال ہمیں آتا ہی نہیں۔وہ جو بڑے بوڑھے کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں۔دنیا دیکھنا کیا ہوتا ہے وہ جانتے ہیں۔ہم چار بس اسٹاپ گھوم لیں تو لگتا ہے دنیا دیکھ لی ہے، گھاٹ گھاٹ کا پانی پی لیا مگر ایسا نہیں ہوتا۔

ہم آج کی نسل کبھی ایک سے دل لگا لیتے ہیں اور کبھی دل بھر جائے تو کہتے ہیں کہ کوئی اور سہی۔دنیا بھری پڑی ہے۔اصل بات تو یہ ہے کہ دل خالی ہے۔دل خالی ہو جائے تو اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے چاہے دنیا بھری رہے۔کسی دوسرے کا ہاتھ تھام بھی لو تو اپنے ہاتھ خالی ہی لگتے ہیں۔اور پھر جب ساتھ چلنے والے کا دل ہمارے نام کی تختی باہر لٹکا لیتا ہے تو ہمیں یاد آتا ہے کہ ہم تو ناکارہ ہیں۔تو ہو گئی نا بات سچ؟اب دیکھو نا تمہیں اتنی سی بات سمجھانے کو یہ لمبی تمہید باندھی ہے میں نے۔کہنا تو بس یہ تھا کہ اب ہر کسی

کے لیے ناکارہ ہوں میں یا شاید تمہارے لیے بھی۔ یہ فیصلہ اب میں وقت پر چھوڑتی ہوں۔

تمہاری اسیر

سید زادی

اُس نے خط لکھتے ہی قلم توڑ دیا اور اُس کے ٹکڑوں کو ہاتھوں میں لیے دیکھنے لگی۔

"اس تکلیف کے لیے معاف کر دینا لیکن اب مزید ظلم نہیں کر سکتی تھی۔"

آئینے میں نظر اُٹھا کر اپنے عکس کو دیکھا اور پھر بولنے لگی یوں جیسے اُسی سے ہمکلام ہو۔

"اپنے کرب کی تحریر صفحے پر اُتارنے کے لیے جس جس چیز کا سہارا لو وہ ظلم ہی ہوتا ہے۔ اب اس قلم کو ہی دیکھ لو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سرد آہ بھری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جب جب میں نے اپنا غم سنایا ہے صرف میری آنکھوں سے آنسو نہیں بہے ہیں۔ اس نے بھی تو سیاہی بہائی ہے۔ اس کی سیاہی جوں جوں کوڑے کاغذوں کو سمندر کے پانی کی مانند رنگتی گئی تب تب میرا دل اس سیاہی کے سمندر میں ڈوب کر اُبھرا ہے۔"

ایک مرتبہ پھر سے خود کو آئینے میں دیکھا۔آنکھیں بند کر کے ایک لمبا سانس خارج کیا۔

"لیکن فیصلہ کر لیا ہے میں نے۔اب ایک آنسو تک نہ بہے گا اور نہ کوئی سیاہی۔"

خط کو بند کر کے بکسے میں رکھا۔تب ہی دروازے کو کھولے نائلہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔

"حیام! چلو چلیں۔سب جانے کے لیے نکل رہے ہیں۔وہاں سب انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"جی اماں،آپ چلیں۔میں آ رہی ہوں۔"

کھڑے ہو کر ایک مرتبہ پھر خود کا عکس آئینے میں دیکھا۔

"بالکل نہیں،تم چلو پہلے۔تمہیں چھوڑ کر چلی گئی تو آدھا گھنٹا تمہیں بھول ہی جائیں سب۔اُس بچی کا سوچو۔منگنی ہے اُس کی۔آ گے ہی اتنا لیٹ ہو گئے ہیں ہم۔"

"اچھا اماں،بس کر دیں۔یہ دیکھیں یہ میں جا رہی ہوں۔اب آپ آ جائیے گا۔"

وہ کہتی کمرے سے نکل گئی۔

"ہاں،میں گجرے لے کر آتی ہوں۔"

گجروں کی ٹوکری اُٹھاتے نیچے رکھا خط اُن کے ہاتھوں میں آ گیا تھا۔

ہرے رنگ کا گاؤن جو کہ ہو بہو حیام کے گاؤن سا تھا، پہنے وہ لیونگ روم کے صوفے پر بیٹھی، نظریں جھکائے اپنے قریب ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔اُن کے ہاں تقریب کا انتظام کیا تھا؟ صرف گنتی کے گھر کے افراد۔ندا بیگم شاید اُس کے پاس بیٹھیں آرز سے متعلق کوئی بات کر رہیں تھیں جو کہ وہاں موجود نہ تھاالبتہ حیام اور بازل دونوں موجود تھے۔دونوں کو ساتھ مسکراتے دیکھ پری کے دل میں خواہش جاگی تھی کہ کاش اُسے بھی کوئی من چاہا ہمسفر مل جاتا مگر ایک پل کو وہ تھی۔وہ آرز کے رشتے سے انکاری تھی وجہ یہ کہ وہ اُس کو بھائی سمجھتی تھی تو پھر بازل بھی تو حیام کے لیے بھائیوں سا ہی تھا۔مطلب کیا اتنا آسان ہوتا ہے دل کو منا لینا؟

(کیا میرا دل بھی بدل جائے گا؟ حیام کی طرح میں بھی تو خوش ہو سکتی ہوں۔شاید میں ہی ایک چھوٹی سی بات کو بڑا بنا رہی تھی۔) ذہن میں کیا کچھ چلنے لگا۔

"چلو بھئی، شمائلہ اجازت دو مجھے۔میں جلدی سے پری کو آرز کی نسبت کی انگوٹھی پہنا دوں گی تو سکون مل جائے گا۔"

پری کو پیار سے دیکھتیں وہ شمائلہ بیگم سے اجازت طلب تھیں۔

"تو تمہیں روکا کس نے ہے؟ پہنا دو تمہاری اپنی ہی بیٹی ہے۔"

اُنہوں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"پری! ہاتھ دو بیٹا۔۔۔"

پری نے ایک مرتبہ اپنی ماں کو دیکھا جنہوں نے آنکھوں سے اُسے ہاں میں جواب دیا اور ساتھ ہی ہاتھ ندا بیگم کی طرف بڑھایا۔ندا بیگم نے اُس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہناتے ہی اُس کے ماتھے پر پیار کیا۔

خوش رہو۔صدا سلامت رہو۔آج سے پری میرے آرز کی امانت ہے تمہارے پاس۔"

مسکراتے ہوئے کہا گیا۔

"امی، یہ سب باتیں چھوڑیں۔آپ پہلے جس کی منگنی ہوئی ہے اُس کا منہ تو میٹھا کروا دیں۔"

بازل کو اپنے بھائی سے ہزار شکوے ہی سہی لیکن پری اُسے عزیز تھی۔اُسے ہمیشہ وہ معصوم سی، سادہ سی لڑکی اچھی لگتی تھی۔وہ اپنی زندگیوں میں ہونے والی توڑ پھوڑ کے منفی اثرات اُس کی آنے والی زندگی پر نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ آگے

کیا کیا ہونے والا ہے۔ وہ ہونی کو روک بھی نہیں سکتا تھا مگر تب تک کے لیے اُس کی خوشیوں کے لیے دعا ہی کر سکتا تھا۔

"ہاں، کیوں نہیں۔۔۔"

میٹھائی کا ٹکڑا اُٹھائے جیسے ہی ندا بیگم نے پری کی جانب واپس رُخ کیا اُس کا چہرہ آنسوؤں سے دھلا پایا۔

"پری۔۔۔۔! بیٹا کیا ہوا ہے؟"

وہ رو رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Interviews

"پری، تم خوش تو ہو نا؟؟"

لیونگ روم میں موجود تمام لوگ چپ سادھ بیٹھے رہے۔

"خالہ!! ایسی کوئی بات نہیں۔ بس یہ آج ابا کو یاد کر کے سو دفعہ رو چکی ہے۔ آخر کو اس کا بھی قصور نہیں۔ ایسے موقعوں پر باپ ساتھ ہوں تب ہی بیٹیوں کے لیے اصل رونق ہوتی ہے۔"

بازل کے ساتھ بیٹھے سعد نے جیسے بہن کے آنسوؤں کو زبان دی۔

"کہتے تو تم ٹھیک ہو میاں، پر کیا ہو گیا جو ایک باپ اس دنیا میں نہیں، دوسرا تو ہے نا؟"

مصطفیٰ صاحب نے مسکرا کر کہتے ہی پری کی جانب دیکھا۔ وہ اُٹھ کر اُس کے قریب گئے اور اُس کے سر پر مان بھرا ہاتھ رکھا۔

"آج سے تم میری بیٹی ہو بالکل حیام کی طرح۔"

پری نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اُٹھا کر اُنہیں دیکھا۔

"چلو بھئی، اب اپنے بابا کے لیے مسکراؤ گی نہیں؟"

وہ مسکرا کر اُسے ہی دیکھ رہے تھے۔ جواب میں وہ بھی مسکرائی۔ وہاں بیٹھے تمام نفوس مسکرا رہے تھے۔ سوائے نائلہ بیگم کے جو نجانے کس سوچ میں گم تھیں۔ بس یک ٹک حیام کو گہری نظروں سے تکے جا رہی تھیں۔ حیام نے اُنہیں اپنی جانب یوں دیکھتا پایا تو مسکرائی لیکن وہ مسکرا بھی نہ سکیں۔ حیام کو اُن کی نظریں عجیب لگنے لگیں۔ اُسے الجھن ہوئی تھی۔ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے کچھ غلط ہے مگر پھر نائلہ بیگم نے نظروں کا رُخ بدل دیا۔ وہ اب شاید ندا بیگم سے مسکرا کر کچھ بات کر رہی تھیں پر حیام اُنہی نظروں میں کھو گئی تھی۔ جو کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی اُس کا سکون غارت کر گئیں تھیں۔

وہ باہر لان میں بیٹھا نجانے کتنے سگریٹ پھونک چکا تھا۔ نگاہیں کب سے اُس سٹیج پر ٹکی تھیں جہاں کچھ دیر پہلے محفل سجی تھی۔ سارا لان خالی تھا۔ اُس کے سوا وہاں شاہ میر موجود تھا جو بس اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ مجال تھی جو ایک بار ٹوکا ہوتا۔ ایک مرتبہ پھر انگلیوں میں دبا سگریٹ سلگھ کر ختم ہونے کو آیا۔ اس سے پہلے کہ اُس کی انگلیاں جلتیں شاہ میر نے ہر بار کی طرح وہ اُس کے ہاتھ سے کھینچ زمین پر پھینکا اور جوتوں سے مسل دیا۔ اب کی بار اُس نے دوبارہ ہاتھ میز پر رکھی سگریٹ کی ڈبیہ کی طرف نہ بڑھایا۔

"شاہ میر۔۔۔۔"

"اُف، شکر ہے تو کچھ بولا۔ چل بولنا شروع کر۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"تجھے معلوم ہے میں چپ کیوں تھا؟ کیوں اتنی بڑی قربانی دے دی؟ تیری ایک نہ سُنی۔ تو کہتا بھی رہا کہ ابھی بھی بول دے، یہ منگنی نہ ہونے دے لیکن میں۔۔۔۔ وہ ہنسا۔۔۔۔ میں پتھر ہو گیا۔ معلوم ہے کیوں؟"

"تو پھر وہی باتیں دہرا رہا ہے۔ ہاں، مجھے معلوم ہے تو نے یہ سب چچا چچی کے کہنے پر کیا ہے، اُن کی عزت کے لیے۔ کچھ نیا بتا۔"

شاید وہ چاہتا تھا کہ آرز اپنے دل میں دفن تکلیف کو باہر نکالے۔

"نہیں۔تجھے کچھ معلوم نہیں،کچھ بھی نہیں۔"

آرز نے مسکرا کر شاہ میر کو دیکھا۔کیا کچھ نہ تھا اُس کی آنکھوں میں، درد اور اپنے ہی درد پر اُڑاتی ہنسی۔شاہ میر نے سر جھکا لیا۔

"کیا معلوم نہیں ہے مجھے؟؟ بتا مجھے؟؟"

"چل میرے ساتھ، کچھ دکھانا ہے تجھے۔"

وہ کھڑا ہوا اور اُسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔اب وہ کیا کہہ سکتا تھا چپ چاپ اُس کے پیچھے ہی چل دیا۔

آرز اُسے لیے اپنے کمرے میں داخل ہوا اور شاہ میر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا مگر وہ کھڑا رہا۔وہ آرز کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

آرز نے کمرے میں موجود لکڑی کی میز کا نچلا حصہ کسی ڈرار کی صورت باہر نکالا۔میز کو پہلی نظر میں دیکھ ایسا کوئی تاثر نہ ملتا تھا۔شاہ میر کو اُسے دیکھ حیرت ہوئی۔وہاں بہت سی چیزیں تھیں۔آرز نے کچھ چیزیں الٹ پلٹ کر ایک خاکی رنگ ڈائری باہر نکالی اور شاہ میر کو تھمادی۔شاہ میر الجھن زدہ نظروں سے آرز کو دیکھنے میں مصروف تھا۔

"کھول کر دیکھ۔۔۔"

پر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"میں ڈائری کی بات کر رہا ہوں، شاہ میر۔"

آخر کو شاہ میر نے وہ ڈائری کھول لی۔ وہاں کچھ نہ تھا بلکہ بہت کچھ تھا۔ جیسے جیسے وہ ڈائری کے صفحات پلٹتا گیا اُس کے چہرے پر الجھن کی جگہ حیرت اور پھر حیرت کی جگہ افسوس کن مسکراہٹ در آئی۔

"ایک بات کہوں؟"

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

شاہ میر نے ڈائری بند کر کے واپس آرز کو تھمائی۔

"ہمممم!!! کہہ دے۔ تو بھی کہہ دے۔"

وہ اب ڈائری واپس رکھ رہا تھا۔

"رہنے دے۔"

اس سے پہلے آرز کچھ کہتا باہر گاڑی کے ہارن کی آواز آئی تھی مطلب کے سب واپس آ چکے تھے۔ ایک مرتبہ پھر آسودگی نے اپنا بسیرا آرز کے دل میں کر کے اپنا گھر بنا لیا۔ وہ شاہ میر کو وہیں چھوڑ بالکونی میں باہر نکل گیا۔

وہ بیڈ پر بیٹھی اپنی جیولری اُتار رہی تھی۔ذہن کچھ دیر پہلے حیام سے ہونے والی گفتگو میں الجھا سلجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ واپس گزرے ہوئے ماضی میں کھو گئی۔

وہ ابھی اپنی نام نہاد منگنی سے اُٹھ کر کمرے میں آئی ہی تھی کہ حیام اور مشعل اُس کے پیچھے ہی چلی آئیں۔سب سے پہلے حیام نے آگر بڑھ کر اُسے گلے لگایا تھا۔

"بہت مبارک ہو تمہیں۔"

"خیر مبارک، تمہیں بھی بہت مبارک ہو۔"

جبکہ مشعل اپنی جگہ کھڑی رہی۔پری نے مشعل کو حیران نظروں سے دیکھا۔

"مشعل کچھ ہوا ہے کیا؟؟"

مگر وہ بس اُسے دیکھنے میں مگن تھی۔

"مشعل،پری بلا رہی ہے تمہیں۔۔۔"

حیام نے مشعل کو ہلایا تو وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

"معاف کرنا،وہ دراصل تم لگ ہی اتنی پیاری رہی ہو کوئی بھی تمہیں دیکھ کر کھو سکتا ہے۔"

وہ مسکرا کر کہتی پری کے گلے لگ گئی۔

"بہت مبارک ہو۔"

"شکریہ! حیام میں تم سے بات کر سکتی ہوں؟"

پری نے جوں ہی حیام کو دیکھا اُس کے چہرے کے رنگ بدلے تھے۔حیام نے مشعل کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔دونوں کے درمیان ہونے والے کسی عمل کا بھی اندازہ پری کے لیے مشکل تھا۔وہ تو بس حیام کے جواب کی منتظر تھی۔

"ہاں، کرو بات۔مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔"

مسکرانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔پری اُس کا ہاتھ تھامے اُسے ایک طرف رکھے صوفے پر لے کر بیٹھ گئی۔

"تم خوش ہو؟"

حیام کے لیے یہ سوال عجیب تھا، بہت عجیب۔

"ہاں! میں خوش ہوں۔کیوں تمہیں نہیں لگتی؟؟"

جواباً سوال کیا گیا۔

"لگتی ہو اور میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ یوں ہی مطمئن اور مسکراتی رہو۔"

حیام کے چہرے کی مسکراہٹ ماند پڑ گئی۔

"تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو پری؟"

سوال مشعل کی جانب سے آیا تھا۔

"میں کنفیوزڈ ہوں حیام۔۔۔۔"

اپنے ہاتھوں کو باہم ملائے وہ زمین کو گھورنے لگی۔ مشعل نے حیام کو اشارہ کیا۔

"کس لیے؟"

"مطلب میں آرز کو بھائی سمجھتی ہوں اور یوں اچانک سے میں اپنے خیالات اُن کے لیے نہیں بدل پا رہی۔ میں اُن کی بہت عزت کرتی ہوں حیام، لیکن۔۔"

"لیکن؟"

حیام کے لہجے میں بے چینی واضح ہوئی۔

"لیکن تم حیام، لک ایٹ یو۔۔

Look at you..

تم بالکل نارمل ہو جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ بازل، وہ بھی تو تمہارا بھائی ہی تھا نا؟؟ تم

دونوں اتنے نارمل کیوں ہو؟"

پری نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"میں؟؟ میں نارمل نہیں ہوں پری مگر میں تمہاری طرح کنفیوزڈ بھی نہیں ہوں۔ وہ میرے بھائی ضرور تھے لیکن اب نہیں رہے۔ ہاں، میں ٹھیک لگ رہی ہوں کیونکہ میں نے قسمت پر سب چھوڑ دیا ہے۔ میں اپنی قسمت سے لڑ نہیں سکتی اور جو بھی ہے میرے ماں باپ نے میرے لیے کچھ سوچ سمجھ کر ہی بازل کو چُنا ہوگا۔ میں مطمئن ہوں۔ تم بھی ہو جاؤ۔"

وہ اُس کا ہاتھ تھپتھپاتی اُسے مطمئن کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی اور وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

"میں جا رہی ہوں حیام۔ تم فری ہو جاؤ تو آ جانا۔"

مشعل کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ اُس کے لہجے کی تیزی حیام نے خوب اچھے سے محسوس کی تھی۔

"چلتی ہوں میں، سب انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ مسکرا کر کہتی چل دی مگر دروازے کے قریب جا کر رکی۔

"پری۔۔!!سب ٹھیک ہو جائے گا۔تمہیں بھی عادت ہو جائے گی۔یقین کرو میرا۔"

پری مسکرائی۔

شمائلہ بیگم کی آواز پر وہ واپس ہوش میں آئی۔

"جی امی!!کچھ کہہ رہی تھیں آپ؟"

"کہاں کھوئی ہوئی ہو تم؟"

وہ اُس کے پاس ہی آ بیٹھیں۔

"کہیں نہیں امی،بس ایسے ہی۔"

"تم اپنی ماں سے کترا رہی ہو۔میں نے جو کچھ بھی کیا وہ۔۔۔۔۔"

پری نے اُن کی بات درمیان میں ہی اُچک لی۔

"بہت سوچ سمجھ کر کیا اور مجھے کوئی شک نہیں اس بات سے۔آپ ماں ہیں میری۔"

وہ مسکرا رہی تھی۔

"یہ بدلاؤ؟؟حیرت ہے مجھے۔میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھ سے ناراض ہو گی۔

تھی۔"

پری نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"پھر ایسا کیا ہوا؟؟"

وہ اُسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"حیام، وہ کہتی ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے ان رشتوں کی عادت ہو جائے گی۔"

"چلو کسی کی بات تو تمہیں سمجھ آئی۔"

"ہمم۔۔!! ہم دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں امی۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو سمجھ اور سمجھا سکتے ہیں۔"

اگر حیام وہاں موجود ہوتی تو کہتی کہ ہم ایک کشتی کے مسافر نہیں ہیں پری اور خدا نہ کرے کہ کبھی ہوں۔ میری کشتی تو کب کی ڈوب چکی ہے۔ میں نے مدد کے لیے تمہارا ہاتھ تھاما ہے لیکن کاش کہ تم وہ ہاتھ مجھے کبھی نہ دیتی۔ بعض اوقات یہ لوگوں سے ہمدردی ہمیں بہت مہنگی پڑتی ہے۔

"تمہیں کیا ہوا ہے مشعل؟ کچھ بولو گی؟"

پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل حیام مشعل کے اس اچانک رویے کو جاننے کی کوشش کر

رہی تھی۔وہ دونوں اس وقت حیام کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔شام کے سائے پھیل چکے تھے۔

"مشعل،میں تم سے آخری مرتبہ پوچھ رہی ہوں؟میں تھک گئی ہوں اب۔۔"

"تم ابھی سے تھک گئی ہو حیام؟حیرت ہے مجھے۔"

مشعل کا کاٹ دار لہجہ حیام کے لیے نیا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

حیام کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمودار ہوئے۔

"تم بہت غلط کر رہی ہو حیام،بہت غلط۔۔۔۔"

"مجھے بتاؤ مشعل؟مجھے الہام نہیں ہو گا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"تم سب لوگ مطلبی ہو۔سب اپنے بارے میں سوچ رہے ہیں۔کوئی پری کے متعلق کیوں نہیں سوچتا؟؟"

حیام کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے،وہ مسکرانے لگی۔

"میں مطلبی ہوں مشعل؟؟"

اُس نے تو شاید اور کچھ نہ سنا تھا۔ وہ ایک اُسی لفظ پر اٹک گئی تھی۔ مشعل نے چہرہ موڑ لیا۔

"ہاں، تم سب مطلبی ہو۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے، کل بھی تھی، آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ مگر تم سب اپنے بارے میں سوچ رہے ہو، صرف اپنے بارے میں۔"

مشعل کی آنکھوں میں بھی آنسو چمکنے لگے مگر وہ بہے نہیں تھے۔ وہ بھی اُس کی طرح کٹھور ہو گئے تھے۔

میں نے۔۔۔۔؟؟ میں نے اپنے بارے میں سوچا ہی کب ہے مشعل؟ اور تم کہتی ہو "کہ۔۔۔۔۔"

وہ ہنسنے لگی۔ اُس کی ہنسی میں کتنا درد تھا۔

"تم حیام، تم نے آج بازل بھائی کو اپنے انتقام کا مہرہ بنا کر اپنی چال چل دی ہے اور دیکھو تم مطمئن ہو۔ بازل بھائی، وہ تم سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ آرز بھائی کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ کھڑے تمہارے کھیل میں شامل ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے ایک مرتبہ بھی بھائی کے بارے میں نہیں سوچا اور آرز بھائی۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

آرز کے نام پر اُس کے رُکے آنسو بہنے لگے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"وہ میرے بھائی ہیں حیام۔ اُنہوں نے بہت غلط کیا۔ پھر بھی مجھے اُن سے محبت ہے اور میں مجبور ہوں۔ اُن کی شکست اُن کے چہرے پر عیاں ہے۔ وہ اپنی بے بنیاد انا کی جنگ میں بھول گئے کہ وہ انسان بھی ہیں۔ اور اپنے اپنے اس کھیل میں کسی نے یہ نہیں سوچا کہ پری، اُس کا کیا قصور ہے؟ تم تینوں اُسے ایک کھلونا سمجھ کہ کھیل رہے ہو۔"

حیام کے بہتے آنسو تھم چکے تھے مگر اُس کے چہرے پر درد کی تحریر اب بھی رقم تھی۔ مشعل کے الفاظ اتنے تکلیف دہ تھے کہ اُن کی ضرب سیدھا اُس کے دل پر آ کر لگی تھی۔ چہرے پر آنسو جم چکے تھے۔

"میں مزید اس کھیل کا حصہ نہیں بنوں گی حیام۔ تم، بازل بھائی اور آرز بھائی جو چاہو کرو، جتنا مرضی ایک دوسرے پر گھاؤ کے نشتر چلاؤ مگر میں پری کو مزید اس کھیل کا کھلونا نہیں بننے دوں گی۔"

مشعل حیام کے مقابل آ کر کھڑی ہوئی۔

"تم پری کو سب سچ بتا دیتی نا حیام تو قسم کھاتی ہوں مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ اس جنگ میں تم پر آنے والا ہر تیر میں اپنے سینے میں سما لیتی۔ لیکن مجھے پری سے بھی محبت ہے۔ وہ انجان ہے اور میں نہیں چاہتی کہ تم جو اُسے یقین کی ڈور تھما کر آئی ہو، وہ جب ٹوٹے تو اُس کا دل بہت آگے نکل چکا ہو۔ تمہارا دل ٹوٹ چکا ہے حیام، تم کیسے کسی اور کا

دل ٹوٹنے کا سامان باندھ رہی ہو؟"

وہ روتے ہوئے کمرے سے چلی گئی تھی۔

حیام وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔اُسے مشعل کے رویے کا دکھ ہوا بھی تھا تو اب نہ رہا تھا۔ کیونکہ اُس کے الفاظ اُس کے رویے سے کہیں زیادہ کڑوے اور سخت تھے۔

(مطلبی، نہیں میں مطلبی تو نہیں ہوں۔وہ مجھے کیا کہہ کر گئی ہے۔میں نے کونسا کھیل کھیلا ہے۔میرے ساتھ تو قسمت نے کھیل کھیلا ہے۔میں تو مظلوم ہوں۔میں نے تو کوئی جنگ نہیں لڑی، کسی کو کھلونا نہیں بنایا۔ہاں میرا قصور یہ ہے کہ پری کے ساتھ غلط ہو رہا ہے۔پر اُسے کیوں نہیں دکھتا میں چاہ کر بھی اُسے نہیں بتا سکتی۔کیا بتاؤں میں اُس کو کہ میں اُس کی دوست ہو کر بھی دوست نہ بن سکی۔اُس کے نصیب، اُس کے رشتوں اور اُس کے منگیتر۔۔۔۔۔۔۔۔۔)اس سے آگے حیام کی سوچ کو بھی الفاظ نہ مل سکے۔آنسو قطرہ قطرہ بہنے لگے۔یہ اُس کی قسمت میں کیا لکھا تھا وہ جاننا چاہتی تھی۔

روز ایک نیا عذاب، روز ایک نئی قیامت۔اُس نے ہاتھ سے اپنی سسکیوں کا گلا دبانا چاہا مگر اُس کا واحد سہارا چھوٹ گیا تھا۔آج سب بکھر گیا تھا۔باہر موسم کی بڑھتی سختی، ٹھنڈ

اندر ہونے والی توڑ پھوڑ کو مزید پتھرا رہی تھی۔ فرش کی بڑھتی سیت رفتہ رفتہ اُس کے وجود کو جمانے لگی۔ مگر اُسے ہوش نہ تھی۔

اُس کی ماں کمرے میں داخل ہوئیں۔ اُسے یوں بکھرے دیکھا۔پل بھر کو اُسے یوں لگا کہ اُس کی ماں اُسے اس کرب سے آزاد کر دیں گی۔ اُسے اُن کے آنچل میں سمٹ کر کچھ دیر سکون ملنے کو ہے لیکن ایک اور قیامت اُس کی منتظر تھی۔

آج اُس کی ماں بھی اُس کی ماں نہ تھیں۔اُن کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لیے کوئی جذبہ نہ تھا، کوئی بھی نہیں۔اُن کے ہاتھ میں دبا ایک کاغذ جس پر ہزاروں سلوٹیں تھیں، نجانے وہ کیا تھا۔اُس کی ماں نے وہ سلوٹ زدہ صفحہ اُس کے قدموں میں پھینکا اور اُس پر لکھا ایک نام اُسے سب کچھ باور کروا گیا۔حیام کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔ ابھی بہت امتحان باقی تھے، بہت زیادہ۔

حیام نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر بے کار گئی۔ بہت ہمت کر کے اپنی کہنیوں کو بیڈ پر رکھا اور وزن ڈال کر اُٹھنا چاہا مگر نہ اُٹھ سکی۔

"مت اُٹھو، حیام۔ تم اپنی ماں کی آنکھوں میں اب کوشش کے باوجود بھی گر کر اُٹھ نہیں سکتی۔"

نائلہ بیگم کے الفاظ تھے یا تیر۔ حیام کو اب معلوم ہوا تھا کہ کچھ دیر پہلے مشعل کے الفاظوں سے ملنے والی تکلیف کچھ نہ تھی، کچھ بھی نہیں۔ آنکھیں موندے اُس نے درد کو محسوس کرنا چاہا۔ وہ خود کو ملنے والی اذیت کا اندازہ کرنا چاہتی تھی پر نہ کر سکی۔

"اماں۔۔۔"

کچھ کہنا چاہا مگر اُس کی ماں نے اُس کے الفاظ روک دیئے۔

"مت کہو مجھے اپنی ماں۔۔۔"

وہ سامنے رکھے صوفے پر ڈھیر ہو گئیں تھیں۔

"کاش کہ میں ماں کبھی نہ بنتی۔ کیوں میں نے تم جیسی اولاد کو پانے کے لیے دعائیں کیں، کیوں؟"

وہ رو رہی تھیں، چیخ رہی تھیں۔

"کاش کہ میں بانجھ ہوتی تو اتنی تکلیف نہ ہوتی مجھے۔ جتنی آج اس بات سے ہے کہ تم میری اولاد ہو۔۔۔"

حیام کے رونے میں تیزی آئی۔

"اماں۔۔۔!! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میں، میں آپ، آپ کی بیٹی ہوں۔"

"مر گئی ہو تم میرے لیے آج سے حیام۔کاش کہ تم مر جاؤ۔۔۔۔"

حیام کو سکتہ ہو گیا۔وہ اپنی ماں کو تکنے لگی۔

"اماں۔۔۔۔۔"

اُس کے الفاظ کھو گئے۔

"تم مر جاؤ حیام، تم مر جاؤ ورنہ سب تھوکیں گے تم پر۔میں تمہاری تربیت اچھی کیوں نہ کر سکی؟میرا قصور ہے نا۔پر تم کیسے بھول گئی کہ تم سیدزادی ہو؟تم کیوں بھول گئی حیام؟؟"

حیام نے تڑپ کر اپنی ماں کے پاؤں پکڑ کر چومے اور نائلہ بیگم کی گود میں رکھے ہاتھ پکڑے۔

"اماں آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔آپ تو میری پیاری اماں ہیں نا۔اور اماں آپ غلط کہتی ہیں کہ لوگ مجھ پر باتیں بنائیں گے، مجھ پر تھوکیں گے کیونکہ میں ایک سیدزادی ہوں۔سیدزادی ہونا میرا قصور نہیں ہے۔میرا قصور یہ ہے کہ میں عورت ہوں۔عورت محبت نہیں کر سکتی۔اس معاشرے میں عورت مٹی ہے اماں، مٹی۔ آپ، میں، ہم سب عورتیں مٹی ہیں۔خدا نے مرد کو مجازی خدا بنایا تھا مگر وہ سب مرد

خدا بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا بن کر بیٹھ گئے ہیں، سب خدا بن گئے ہیں اماں۔۔۔"

روتے ہوئے اُس نے اپنا سر ماں کی گود میں رکھا۔

"تمہارے باپ کو، بازل، سب کو کیا جواب دوں گی میں حیام؟ تم نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا ہے۔ بازل، اُسے پتا چلا تو کیا سوچے گا؟؟ کون کرے گا تم سے شادی؟؟"

اُنہوں نے حیام کو خود سے دور کیا۔ حیام کے آنسوؤں میں مزید تیزی آئی۔

"بازل بھائی کو سب معلوم ہے، اماں۔"

نائلہ بیگم کا ہاتھ اُٹھا اور حیام کے چہرے پر اپنی چھاپ چھوڑ گیا۔

"پہلی لڑکی دیکھی ہے میں نے جو اپنے منگیتر کو اپنی محبت کے قصے سنا رہی ہے۔ تم اتنا گر گئی ہو؟ تھوں ہے تم پر حیام۔۔۔۔۔۔"

وہ اپنی بیٹی کی رسوائی سے ڈر رہیں تھیں تو کچھ غلط بھی نہ تھا۔ مائیں تو اپنی بیٹیوں کے نصیبوں سے ہمیشہ، ہر صورت ہی ڈرا کرتی ہیں۔

"یہ حق تو اسلام نے عورت کو دیا ہے تو پھر یہ ابنِ آدم کون ہوتے ہیں جو عورت سے اُس کی پسند کا حق چھین لیں؟ ہمارے حقوق کو آگ لگا کر یہ سب کے سب ہم پر بد کردار ہونے کا لیبل لگائیں گے تو اماں آپ کی بیٹی بد کردار نہیں ہو جائے گی۔ قسم

لے لو مجھ سے اماں میں بد کردار تو نہیں ہوں۔ میں گھر سے بھاگی بھی نہیں ہوں۔ آپ کی اور بابا کی عزت کے خاطر کسی دوسرے کے نام کی انگوٹھی پہن کر بیٹھ گئی ہوں۔ اگر ایسی بیٹی بد کردار ہوتی ہے تو مجھے اپنے ہاتھوں سے زہر دے دو۔ ٹھیک کہتی ہیں آپ، میں مر کیوں نہیں گئی اماں، میں مر کیوں نہیں گئی؟"

وہ ہچکیوں سمیت رونے لگی۔ نائلہ بیگم نے تڑپ کر اپنی بیٹی کو اپنے سینے میں چھپالیا۔ وہ یہ سب کیوں نہ دیکھ سکیں۔ وہ تو ماں تھیں، کیسے نہ دیکھ سکیں۔

"کس کس کو پتہ ہے حیام؟؟ بچہ اپنی ماں کو بتاؤ۔"

اُس کے آنسو صاف کرتیں، اُس کے منہ پر بار بار ہاتھ پھیر تیں وہ نجانے کیا کرنے کی سوچ رہی تھیں۔

"آرز، آرز کو معلوم ہے کیا؟"

حیام نے گردن ہاں میں ہلائی۔ اُنہیں جس بات کا ڈر تھا وہ تو بہت پہلے ہی اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا۔

"اماں!! مشعل۔۔۔۔۔۔"

وہ پھر سے رونے لگی۔ اس کے آگے وہ کچھ نہ بول سکی، کچھ بھی نہ۔ دونوں ماں بیٹی

شدت سے رو دیئے تھے۔اور کر بھی کیا سکتے تھے۔

"تو کب واپس آئے گا میرے لال؟؟"

اماں بیگم اپنے کمرے میں موجود تخت پوش پر ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ہاتھ میں موجود تسبیح کے دانے مسلسل حرکت میں تھے۔

"کل صبح میں نکلوں گا اور دوپہر تک انشاءاللہ آپ کے پاس ہوں گا۔"

شاہ میر جو اس وقت آرز کے ہمراہ اُس کے کمرے میں ہی موجود تھا،بیڈ پر سیدھا ہو کر بیٹھا اور نہایت محبت سے اُن کے ہر سوال کا جواب دینے لگا۔

"ہو گئی منگنی؟"

تسبیح کے چکر کھاتے دانوں میں ٹھہراؤ آیا۔

"جی ہو گئی ہے۔"

نظریں آرز پر ٹکی تھیں جو صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے تقریباً لیٹا ہی ہوا تھا۔

"تیرے پاس ہے وہ؟؟"

"ہممم۔۔۔۔۔"

"بات کرے گا؟"

شاہ میر نے اُسے اشارہ کیا جسے پا کر آرز نے نہ میں سر ہلایا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"سو رہا ہے وہ۔ تھک گیا تھا بہت۔ آپ کہتی ہیں تو اُٹھا دوں؟"

"نہیں، رہنے دے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"تو تو آجائے گا نا کل۔ تیری اماں تیرے بغیر کھانے کا ایک لقمہ حلق سے نہ اُتارے گی۔ پہلے ہی بتا رہی ہوں۔"

اماں کی بات سن مسکراہٹ نے اُس کے لبوں پر اپنا بسیرا کیا۔

"فکر ہی نہ کریں۔ آپ بس میری راہ دیکھتی رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں اُس سے بھی پہلے وہاں موجود ہوں۔۔۔"

"لے شہر گئے ایک دن ہوا ہے اور تو بولنے لگا وہاں کی زبان۔ تجھے پتہ ہے وہاں کی زبان کیسی ہوتی ہے؟"

وہ خاموش رہا۔

"جھوٹ سے لبریز، سچائی ہوتی ہی نہیں۔آنے کا وعدہ کرلو تو بھی کوئی نہیں آتا۔بیچارہ وعدہ تو وعدہ رہتا ہی نہیں، تسلی رہ جاوے ہے۔"

اشارہ آرز کے کیے وعدے کی جانب تھا۔

"وہ بھی آجائے گا اماں۔۔۔۔۔۔۔۔"

"تو اُس کی چھوڑ بس تو آجانا۔اُس کے بنا رہنے کی عادت ہے۔ تیرے بغیر تو نہ جیا جائے گا اور نہ مرا جائے گا۔"

شاہ میر کو دکھ ہوا لیکن دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔وہ سرد آہ بھر کر رہ گیا۔وہ کسی کو نہ سمجھا سکتا تھا،کسی کو بھی نہیں۔

NEW ERA MAGAZINE .COM
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ تخت پوش پر بیٹھی چادر خود پر اوڑھے نجانے کتنی دیر سے بے چین تھی۔ گردن گُھما کر اپنے بائیں طرف سوئے ہوئے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔ذہن کی ڈوریں جانے کون سے سرے سلجھانے کی کوشش کررہی تھیں؟اُلجھے سرے تو شاید نہ سلجھے تھے مگر فیصلہ کرلیا گیا تھا۔شاید وہ وہاں کوئی فیصلہ کرنے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔چادر خود پر سے اُٹھائے،پاؤں زمین پر رکھ کر اُٹھی۔پاؤں زمین پر رکھتے ہی سردی ہونے کا احساس ہوا۔

ٹھنڈا فرش رفتہ رفتہ اپنا سرد پن اُس کے وجود میں اُنڈیلنے لگا۔ بڑھتی سردی نے اُسے ٹھٹھرنے پر مجبور کیا لیکن وہ جوتا پہن باہر برآمدے میں نکل آئی۔

باہر برآمدے میں آتے ہی اُسے اُس کی ماں سامنے زمین پر ایک طرف رکھے اسٹول پر بیٹھی نظر آئیں۔ قریب آکر دیکھا تو وہ پانی کی بالٹی رکھے وضو کر رہیں تھیں۔ وہ بھی اُن کے پاس وہیں ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئی۔ وضو کے دوران اُس کی ماں نے اُسے گھورا لیکن بولیں کچھ نہ۔ وہ یوں ہی وضو کرتے ہوئے کچھ نہ بولا کرتی تھیں۔ وہ وجہ آج تک نہ جان سکی تھی۔ وضو کرتے ہی اُس کی ماں وہاں سے اُٹھ کر اندر کمرے میں آگئیں اور جائے نماز بچھا کر نیت باندھی۔ اُس نے وہیں برآمدے میں بیٹھے گردن گھمائے کمرے کی کھڑکی سے نظر آتی اپنی ماں کو نماز پڑھتے دیکھا۔ مسکراتے ہوئے وہ واپس چہرہ موڑ گئی اور سر اُٹھا کر آسمان تکنے لگی۔ موسم کی بڑھتی خنکی اُسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ وہاں سے اُٹھ کر اندر جا بیٹھے لیکن سخت دل سے کیے اکثر فیصلے انسان کو من مارنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ بھی شاید خود کو اذیت دینا چاہتی تھی۔ نجانے کتنی دیر وہ وہاں بیٹھی آسمان کو تکتی رہی۔

"کُڑیے!! پاگل واگل تے نہیں ہو گئی؟ نمونیا ہو جائے گا۔ ٹھنڈ ویکھی ہے کہ کتنی ہو گئی ہے۔ چل اُٹھ یہاں سے۔"

شاید اُس کی ماں نے نماز پڑھ لی تھی تب ہی برآمدے میں آ اُسے اُٹھنے کا کہنے لگیں۔

"بے بے آتی ہوں، تو جا۔"

وہ ابھی تک آسمان کو تکنے میں مصروف تھی۔

"نی کیا دیکھ رہی ہے آسمان کو؟"

وہ بھی واپس اُسی اسٹول پر بیٹھ گئیں جہاں سے تھوڑی دیر پہلے اُٹھ کر گئیں تھیں۔

"کچھ نہیں بے بے۔ دیکھ نا آسمان کتنا پیارا لگ رہا ہے۔"

"اللّٰہ کی بنائی ہر شے ہی پیاری ہے دھی!! اُس ذات نے مٹی کے ذرات سے لے کر پوری کائنات ہی خوبصورت بنائی ہے۔ اتنی سوہنی کہ نظر چندھیا جائے۔"

"بے بے! کیا میں بھی سوہنی ہوں؟"

نظریں آسمان سے ہٹائے وہ اپنی ماں کو تکتی سوال کر رہی تھی۔ بشیراں نے چہرہ موڑ کر اپنی بیٹی کی سانولی رنگت سے بھرے نقوش کنگھالے اور مسکرا دی۔

"ہاں، میری دھی تو بہت سوہنی ہے۔ پورے گاؤں میں ہے کوئی سعدیہ جیسی سوہنی تو بتا؟"

"تو جھوٹ بول رہی ہے نا؟؟"

چہرے کے تمام جگنو بجھ گئے۔ چہرہ موڑ کر آسمان کو پھر سے تکنے لگی۔

"تو سب سے اتنی بدگمان کیوں رہتی ہے کُڑیے؟ اپنی ماں کا تو یقین کر لیا کر۔ میری دھی تو آسمان کا چاند ہے۔"

اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتیں وہ اُسے بہلا رہیں تھیں۔

"بے بے! چاند پر داغ ہوتا ہے اور تیری بیٹی صرف داغ ہے۔"

اُس نے اپنے سانولے رنگ پر چوٹ کی۔

"چاند پر داغ ہے فیر وی پوری دنیا اس کے پیچھے کملی۔ ویکھ آسمان کو۔ آج ان بادلوں کے پیچھے چاند چھپ گیا ہے تو اس کی رونق ختم ہو گئی ہے۔ ذرا دل نہیں کرتا کہ اسے ویکھوں۔ تو بھی ایسی ہی بن جا کہ تو پردے پر سے ہٹے تو زندگی ویران ہو جائے۔"

"کیسے بنوں کہ لوگ بس مجھے یاد رکھیں بے بے؟ میرے داغوں کو بھول جائیں۔۔۔"

"بدگمانیاں چھوڑ دے۔ لوگوں سے محبت کے دو میٹھے بول بول کر ویکھ، تجھے ساری دنیا ہی اپنی سی لگے گی۔ یہ امیری غریبی، چھوٹے بڑے کا فرق نکال کر ویکھ، تجھے سب خود سے لگیں گے۔"

"پھر لوگ میرے عیبوں کو بھول جائیں گے؟"

"ہاں کُڑیے! چل اُٹھ جا اب اندر آ۔ سردی سے کمر اکڑ گئی ہے میری۔"

وہ اُٹھ کر اندر کو چلنے لگیں لیکن اپنی بیٹی کے منہ سے نکلنے والے الفاظوں نے قدم روک دیئے۔

"بے بے! کل سے میں تیرے ساتھ حویلی جاؤں گی کام پر۔"

بشیراں نے مڑ کر اُسے دیکھا یوں جیسے کچھ غلط سُنا ہو۔ وہ اُلٹے پاؤں واپس آکر بیٹھیں۔ اُس کا رخ اپنی جانب موڑا اور کہنے لگیں۔

"تو سچ میں کملی ہو گئی ہے۔ تیرا علاج کروانا پڑے گا شاید۔۔۔"

"بے بے! میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔ بس تیرے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ اس گاؤں کی ساری عورتیں کرتی ہیں نا کام؟ میں کرلوں گی تو کیا جائے گا۔"

بشیراں کچھ نہ بولی۔

"بے بے!! میں تیری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو نہ کر میری مدد۔ گھر کی چار دیواری میں رہ لے، سمجھنا میری مدد کر رہی ہے تو۔ تو کیا مدد کرے گی میری سعدیہ؟ تو حویلی کس نیت سے جا رہی ہے مجھے سچ سچ بتا دے؟؟"

"کسی نیت سے نہیں جا رہی ہوں۔ بس اس چار دیواری سے نکلنا چاہتی ہوں۔ دیکھ

بے بے میری بات سمجھ۔تو ابھی خود ہی تو کہہ رہی تھی کہ امیری غریبی کا فرق چھوڑ دوں،تو جانے دے نا حویلی۔میرے دل کی میل نکل جانے دے۔"

بشیرا خاموش رہی۔وہ بے بس ہو رہی تھی اور شاید سعدیہ یہی چاہتی تھی۔لوہا گرم ہو تو ایک ضرب برداشت نہیں کر پاتا۔وہ بھی آہستہ آہستہ اُسے توڑ رہی تھی۔

"تو جو وہاں سے آنے والا ایک لقمہ نہیں نگلتی،وہاں کا کیسے کھائے گی؟"

"بے بے!!مجھے اُن کا جوٹھ کھانے سے مسئلہ ہے لیکن۔۔۔"

"کتنی دفعہ تجھے بتاؤں جوٹھ نہیں دیتے وہ۔پورا گاؤں اُن کا دیا کھاتا ہے۔جس دیگ میں اُن کے لیے اناج پکتا ہے،اُسی دیگ کا پکا اناج پورے گاؤں میں بنٹتا ہے اور ایک تو ہے آئے رزق کو دروازے سے موڑ دیتی ہے۔تو کیا جائے گی وہاں؟بتا مجھے؟"

"بے بے!مجھے چاند بننے سے مت روک۔میرے راستے کی رکاوٹ نہ بن۔"

اُس کی کہی بات بشیرا کو آج حیران کر گئی تھی۔اگلے ہی پل اُس نے فیصلہ کر لیا تھا۔وہ اپنی بیٹی کی مٹی بدگمانیوں کو جڑ سے اکھاڑنے کا راستہ ہر رکاوٹ سے آزاد کرنے کا سوچ چکی تھی۔

"سویرے جلدی اُٹھ جائیں۔دن اُگنے سے پہلے حویلی پہنچنا ہے ہمیں۔۔۔۔"

وہ کہتی وہاں سے اُٹھ گئی۔ پیچھے بیٹھی سعدیہ کے چہرے پر پراسراریت سمیٹے ایک سایہ گزرا تھا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

"اماں! آپ کی اور بابا کی شادی کیسے ہوئی تھی؟"

حیام اپنی ماں کی گود میں سر رکھے بیڈ پر لیٹی تھی۔

"تمہارے بابا نے مجھے اپنے کسی قریبی دوست کے ہاں شادی کی تقریب میں پسند کیا تھا۔ اگلے چند دنوں میں ہی بات ہمارے گھر آ پہنچی۔ تمہارے بابا اچھے خاندان، حسب ونسب سے تعلق رکھتے تھے، میرے بابا نے ذرا سا بھی اختلاف نہ کیا اور چند روز بعد ہی نکاح کے دو بول پڑھوا کر مجھے رخصت کر دیا۔"

نائلہ بیگم حیام کے بالوں میں ہاتھ پھیرتیں ماضی میں کھو گئیں۔

"آپ کے بابا نے بھی آپ سے اجازت یا آپ کی مرضی نہیں مانگی؟"

وہ ہنسی۔

"نہیں، لڑکیوں سے کب کچھ پوچھا جاتا ہے حیام؟ بس فیصلے سنائے جاتے ہیں۔ تمہاری ماں کو بھی سُنا دیا گیا تھا اور اب تمہاری باری ہے۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ میرے بابا کا کیا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فیصلہ بالکل ٹھیک تھا اور۔۔۔"

حیام نے اُن کی بات کاٹی اور اُٹھ بیٹھی۔

"اماں! ضروری نہیں کہ کیے جانے والا ہر فیصلہ ٹھیک ہو۔ کچھ فیصلے اکثر معاوضے میں ہم سے ہماری پوری زندگی چھین لیتے ہیں۔ اور بابا کا یہ فیصلہ میرے لیے وہی معاوضہ مانگنے میرے گلے میں موت کی صورت اٹک گیا ہے۔ لیکن آپ فکر نہ کریں۔ بعض اوقات سیدزادیوں کو مر کر دکھانا پڑتا ہے۔ اُن کی ذات سے وابستہ پابندیوں کا پہرہ اتنا سخت ہوتا ہے کہ اُنہیں مرنا پڑتا ہے اماں۔۔۔۔"

وہ مسکراتی ہوئی واپس لیٹ گئی، آنکھیں بند کر لیں۔ اب کی بار اُس نے اپنا سر ماں کی گود میں نہ رکھا۔ صاف اشارہ تھا کہ اب وہ بات نہیں کرنا چاہتی۔

وہ چپ چاپ اُٹھ کر کمرے سے چل دیں۔ اُن کے جاتے ہی حیام نے بند آنکھیں وا کیں۔ آنسو کا فقط ایک قطرہ پلکوں سے چھلک تکیے میں جذب ہو گیا۔ اُس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ اب کبھی نہیں روئے گی اور وہ نہیں روئی تھی۔ وہ پلکوں کی باڑ سے پھسلنے والا ایک آنسو صرف آب تھا، بے معنی۔ شاید اُس ایک قطرے کے بہہ جانے سے سمندر خشک ہو گیا تھا، قحط زدہ۔ جس کا سیراب ہونا حیام کی قسمت میں نہیں تھا اور یہ تو وقت نے بتانا تھا کہ آنے والی صورتحال، قحط زدہ آنکھوں کے کٹورے خوشی کی نوید

تھے یا غموں کا مداوا۔

نائلہ بیگم جوں ہی اپنے کمرے میں داخل ہوئیں مصطفیٰ صاحب کو جاگتے پایا تو حیران ہوئیں۔ وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھے، ہاتھوں کو باہم ملائے فرش پر بنے نقوش کنگھالنے میں مصروف تھے۔ نائلہ بیگم اُن کے پاس آ کر بیٹھیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ روشنی کے نام پر صرف ایک لیمپ جل رہا تھا جس کی روشنی ماحول کو پراسرار بنا رہی تھی۔

"آپ سوئے نہیں ابھی تک؟"

جواب ندارد۔

"مصطفیٰ! آپ ٹھیک ہیں؟"

ایک مرتبہ پھر خاموشی۔

"مجھے دیر ہو گئی نا؟ حیام کے پاس سے اُٹھنے کا دل ہی نہیں کیا۔"

شاید وہ چاہتی تھیں کہ خاموشی کی دیوار ٹوٹے۔ سناٹے سے ڈر لگنے لگا تھا۔ آج جو ہوا تھا اُس کے بعد تو یہ ڈر ساری زندگی کا تھا۔

"ہاں، تمہیں دیر ہو گئی نائلہ۔۔۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔۔۔۔کاش کہ ہمیں دیر نہ ہوتی۔"

نائلہ بخاری اپنے شوہر کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہیں تھیں۔

"مطلب؟"

مصطفیٰ صاحب نے اپنے باہم ملے ہاتھ کھولے اور اپنے ہاتھوں میں بچھی لکیروں کو تکنے لگے جو کہ کسی جال کی صورت الجھی ہوئی تھیں۔ آج اُنہیں اپنی قسمت کی لکیریں کچھ زیادہ الجھی ہوئی لگ رہیں تھیں یا وہ ہمیشہ سے ہی ایسی تھیں، وہ فیصلہ نہ کر سکے۔

"ہم ماں باپ جو ہوتے ہیں نا، کہنے کو بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں کہ ایک دن اپنی اولاد کے لیے یہ کریں گے، وہ کریں گے۔ لیکن جب کرنے کا وقت آتا ہے نا نائلہ، ہم سے کچھ ہوتا ہی نہیں۔"

چہرہ موڑ کر اپنی بیوی کو دیکھا۔

"حیام کے معاملے میں مجھ سے کچھ ہوا ہی نہیں۔ تم ایک اچھی ماں بنی لیکن میں ایک اچھا باپ نہ بن سکا اور میرے ساتھ ساتھ تم بھی ایک بری ماں کہلا رہی ہو۔"

اُن کے کہنے پر نائلہ بخاری نے چہرہ موڑ کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ آنکھوں میں جمے آنسو بہنے لگے۔ کتنی تگ و دو کی تھی اُنہوں نے کہ یہ آنسو رک جائیں۔ بند کمرے کے اُس پار ہونے والی گفتگو کا حصہ کسی تیسرے انسان کی سماعت سے دور رہے لیکن کیا کچھ ہو

گیا تھا؟ وہ بھی ایک دن، ایک رات، کچھ گھنٹوں میں۔ کیا سچ میں اتنی سی دیر لگتی ہے قیامت کے نازل ہونے میں؟

"مصطفیٰ!! حیام، اُس سے غلطی۔۔۔۔"

مصطفیٰ صاحب نے اُنہیں ٹوکا۔

"غلطی اُس نے نہیں کی، غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔"

اُن کی آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔ وہ تو باپ تھے اور بیٹیاں تو اپنی ماؤں سے زیادہ اپنے باپوں سے قریب ہوتیں ہیں، وہ بھی تو تھی۔ ضرور اُن کی ہی محبت میں کوئی کمی رہی ہو گی جو وہ اپنے باپ سے ایک لفظ، ایک شکایت، ایک گلہ تک نہ کر سکی۔

"آپ اپنی بیٹی کو قصوروار نہ ٹھہرائیں۔ وہ نادان ہے مصطفیٰ، اُسے معاف کر دیں۔"

نائلہ بیگم نے روتے ہوئے اُن کے آگے ہاتھ جوڑے۔ مصطفیٰ صاحب نے فوراً اُن کے جڑے ہاتھ تھامے۔

"نائلہ! میں اس وقت بہت تکلیف میں ہوں۔ مجھے یوں مزید تکلیف مت دو۔ آج میں صرف اس بات پر رونا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی اکلوتی اولاد کی خوشیوں کو خود اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دی۔ ایک اچھا شوہر نہ ہونے کا رونا کسی اور روز روئیں گے۔"

نائلہ بیگم اُن کی باتیں سن صدمے میں چلی گئیں۔

"آپ خود کو ایسے، کیسے ؟؟"

"تم نے مجھے کہا بھی تھا کہ میں اپنی بیٹی سے اُس کی مرضی پوچھ لوں لیکن۔۔۔"

آواز حلق میں اٹک گئی، آنسو لگاتار بہہ رہے تھے۔نائلہ بیگم نے اپنے منہ پر مٹھی دبائے سسکیوں کا گلا گھونٹا۔

"وہ بالکل ٹھیک کہتی ہے۔۔۔۔۔۔وقفہ لیا گیا۔۔۔۔۔۔بالکل ٹھیک۔آخر کو میں وہی ایک پرانے رواجوں کی قید میں قیدی مرد نکلا جو چاہتا ہے کہ سب کی زندگیوں کا فیصلہ وہ خود کرے۔میری بیٹی اگر مجھ سے نفرت بھی کرے تو کم ہے۔میری اولاد آج جس کرب میں ہے اُس کا درمیں ہوں، اُس کا سگا باپ۔۔"

نائلہ بیگم نے نہ میں سر ہلایا اور مصطفی صاحب کا بازو پکڑا، چہرہ اپنی جانب موڑا۔

"مصطفی! وہ ہماری بیٹی ہے۔وہ آپ سے نفرت نہیں کر سکتی۔"

"اگر۔۔۔۔"

اُنہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر کہا نہیں۔

"اگر مگر کچھ نہیں۔ وہ تو صدا سے آپ کی محبت کی بھوکی رہی ہے۔ ایسا نہیں کہ آپ نے اُسے محبت نہیں دی۔ فرق اتنا ہے کہ اُس پاگل کی روح ایک اندھی کھائی ہے جس میں دنیا بھر کی محبت سما سکتی ہے۔ اُسے جتنی محبت بھی دے لو بدلے میں اگلی مرتبہ دو گنا مزید محبت چاہتی ہے۔ آپ اُس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھیں گے تو پگھل کر موم ہو جائے گی۔"

"میں ابھی جاتا ہوں۔۔۔"

وہ آنسو صاف کیے اُٹھ کر چلنے لگے مگر نائلہ بیگم نے اُنہیں روک دیا۔

"ابھی مت جائیے گا۔"

کتنے گھنٹے گزر چکے تھے، وہ دونوں اپنی پہلی سی حالت میں ہی بیٹھے بیتے دنوں کو یاد کر کے کبھی ہنس دیتے تو کبھی رو دیتے۔ اُن کی ہر بات، ہر یاد حیام سے جڑی تھی۔ اُس کی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کیسے ماند پڑتی گئی، وہ دونوں دیکھ ہی نہ سکے۔

"مصطفیٰ! آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"میں تو اُس کو دیکھنے گیا تھا وہاں۔ جب سے منگنی کی باتیں چلیں ہیں ایک مرتبہ بھی اُس کو اپنے ساتھ بٹھا کر بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ مجھے کہاں معلوم تھا کہ وہاں میری

کوتاہیوں کا بازار سجا ہے۔ لیکن اب جب تمام معاملہ میرے علم میں آگیا ہے نائلہ تو میں اپنی بیٹی کو مزید جہنم کی آگ میں نہیں جلنے دوں گا۔ کل ہی بات کروں گا بھائی سے۔"

"کیسی بات کر رہے ہیں آپ؟ خدارا یہ غلطی مت کیجئے گا۔ آپ کچھ بھی نہیں جانتے سوائے اس کے کہ وہ محبت کرتی ہے آرز سے۔"

"تو مجھے بتاؤ نائلہ تاکہ میں کچھ کر سکوں۔"

وہ کتنے بے بس تھے آج۔

"آپکی بیٹی بہت آگے نکل چکی ہے اس یکطرفہ محبت کے راستے پر اور وہاں سے واپسی کی راہ ممکن نہیں۔ آپ اُسکے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے سوائے دعاؤں کے۔ آرز تو محبت سے صاف انکاری ہے جبکہ بازل، وہ سب جانتے ہوئے بھی حیام کے ساتھ کھڑا ہے۔ اور پری کے سر پر آپ نے باپ بن کر ہاتھ رکھا ہے تو اُسے باپ بن کر دکھایئے گا ضرور۔ اپنی بیٹی کی خوشیوں کیلیے دوسری کی خوشیوں کو آگ میں مت جھونکیے گا۔"

بس اتنا کہنا ہی کافی تھا اُن کا۔ ایک بے بس باپ کے ہاتھ پاؤں مارتے وجود میں سکوت چھا گیا۔

کسی کچی بستی میں واقع ایک کچے گھر میں جو کہ مٹی کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا، چھوٹے بچے کے رونے کی آواز پوری بستی کے سناٹوں کو چیرتی انتشار برپا کر رہی تھی۔ سردی مزید بڑھتی جا رہی تھی۔ ایسے میں دن کی پھوٹتی روشنی میں ایک بچہ جس کی عمر شاید تین سے چار سال تھی اندازہ لگانا مشکل تھا، چارپائی کا سرا پکڑے رونے میں مصروف تھا۔ شاید وہ چارپائی پر لیٹے وجود کی توجہ چاہتا تھا۔ جب وہ چپ نہ ہوا تو چارپائی پر لیٹا وجود سیدھا ہو بیٹھا۔ چہرے پر الجھن کے تاثرات واضح تھے۔

"کیا مصیبت ہے؟ جب گھر آؤ یہ نحوست مارا رونے لگتا ہے۔ سکون کے دو لمحے ملنا دشوار کر دیا ہے میرا تو نے کمبخت۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ چلا چلا کر بچے کو بولے جا رہا تھا جو ڈر کر چپ ہو گیا۔

"کدھر ہے تو بے بے؟ اس منحوس کو لے جا یہاں سے۔"

اُس آدمی کی ماں اُس کی آواز سُنتے ہی کھلے صحن میں آئی اور بچے کو پکڑ کر اندر لے جانے لگی۔

"ہاں، اس عمر میں مجھ بوڑھی سے یہ زمادایاں پوری کرواؤ تم لوگ۔ جب بچے پلتے نہیں ہیں تو پیدا کیوں کرتے ہو؟"

اُس کا بیٹا بھی منہ بسورے اندر آ گیا۔

"مجھے شوق نہیں ہے بے بے اس منحوس کو پالنے کا۔ دل چاہتا ہے کہیں پھینک آؤں۔"

ساتھ ہی کمرے کے ایک طرف دروازے پر سے لٹکی ہوئی چادر اُتار کر خود پر اوڑھی۔

"تو پھینک آ اس منحوس مارے کو اس کی کمبخت ماں کے پاس۔"

"ایسے کیسے؟؟ اُس کو دے آؤں تو وہ تڑپے گی کیسے؟ اتنی جلدی اُس کی پیاس بجھنے نہیں دوں گا میں۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُس کی آنکھوں میں کوئی جنون سوار تھا۔

"تو سنبھال پھر اس کو اور جہاں جی چاہے بھاگتا پھر، جہاں چھپنا ہے چھپ جا۔ مجھے یہیں چھوڑ دے۔ چین سے جی لینے دے مجھے جمال۔"

"ٹھیک ہے، بیٹھی رہ یہیں۔ کل چلا جاؤں گا میں اس کو لے کے۔ پر یہ یاد رکھ وہ مار دیں گے تجھے۔ مر جائے تو یہ امید نہ رکھیں کہ تیرے لیے میں موت کے منہ میں واپس آؤں گا۔"

ایک مرتبہ پھر بچے نے رونا شروع کر دیا تھا شاید وہ بھوکا تھا۔ اور وہاں اُس کی بھوک

مٹانے کی فکر کسی کو نہ تھی۔

"ہر وقت چیں چیں چیں، جارہاہوں میں باہر۔"

کہتے ساتھ ہی وہ گھر سے باہر نکلا۔ پیچھے منظر میں بچے کے رونے میں کمی آئی تھی۔ شاید اُس عورت نے اُسے اُس کی غذا دے دی تھی۔

وہ چلتا ہوا گلی کے موڑ تک آیا۔ خود کے گرد لپیٹی چادر میں خود کا منہ ڈھانپ رکھا تھا یوں اُسے کوئی نہ پہچان سکتا تھا۔ گلی کے موڑ پر ایک آدمی کھڑا اُس کا منتظر تھا۔ اس کے آتے ہی وہ ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"بتا کہاں تک پہنچا ہے وہ بابو؟"

"آج کل شہر کی مٹی میں کھیل رہا ہے مگر اُس کے آدمی دندناتے پھر رہے ہیں تیری تلاش میں۔"

"یہاں کب تک پہنچے گیں؟"

"امید ہے کہ یہاں کی خبر تک نہ ہو گی لیکن بچ بچاؤ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اُس کا دماغ اتنا چلتا ہے کہ یہاں کی مٹی میں تیری مہک سونگھ تیرے گلے تک پہنچ جائے تو تجھے پتہ نہ چلے۔"

اُس کا اتنا کہنا تھا کہ جمال نے اُسے دیوار کے ساتھ لگائے اُس کی گردن پر اپنا ہاتھ گاڑھا۔

"وہ شہر سے ضرور پڑھا ہے مگر مجھے جانتا نہیں ہے۔ جتنا بھی عقلمند ہو جائے مجھ سے دو قدم پیچھے ہی رہے گا وہ بابو اور اپنی زبان سنبھال کر میرے سامنے، سمجھا؟"

شکاری کی قید میں تڑپتے شکار نے ہاں میں سر ہلایا تو اُس کی جان بخشی ہوئی۔ سانس رکنے سے اُسے کھانسی ہونے لگی۔ جمال نے اُسے پاؤں مار کر گرایا اور غصے میں واپس اُس مٹی کے ڈھیر کی راہ لی۔ لیکن اس مرتبہ وہ نہیں جانتا تھا کہ موت دبے قدموں اُس کے پیچھے ہی آ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُسے ہمیشہ سے اپنی نیند بہت پیاری تھی لیکن اب اُس کی نیندیں آدھی رہ گئیں تھیں۔ بعض اوقات تو وہ چاہتی کہ سو جائے مگر نیند اُس پر مہربان ہی نہ ہوتی۔ ساری ساری رات وہ جاگ کر گزارتی۔ آج بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ ساری رات کی جاگی اپنے بیڈ پر لیٹی، آنکھیں چھت کو تکنے میں مصروف تھیں۔ ایسے میں مصطفیٰ صاحب دروازے پر دستک دیئے اندر داخل ہوئے۔ اُس نے گردن گھما کر اپنے باپ کو دیکھا تو مسکرائی اور فوراً اُٹھ بیٹھی۔

"مجھے یاد ہی نہیں پڑتا بابا کہ آپ آخری مرتبہ کب یوں میرے کمرے میں آئے تھے۔"

ساتھ ہی اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ اُنہیں اپنے پاس بٹھایا جن کے چہرے پر صدیوں کی تھکن تھی۔

"کیسی ہے میری بیٹی؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔لگ نہیں رہی کیا؟"

"تم اب یونیورسٹی کیوں نہیں جاتی؟پہلے تو بہت باقاعدگی سے جاتی تھی۔ہاں،اگر نیند پوری ہو گئی ہو تو۔"

کہتے ہی دونوں ہنس پڑے۔وہ شاید اپنا گلٹ ختم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن سب کچھ بے کار تھا۔وہ جو بات کرنے آئے تھے وہ بھی نہیں کر پارہے تھے۔

"اب تو مہینے ہو گئے بابا،یونیورسٹی کی شکل ہی نہیں دیکھی۔"

نظریں باہر سے آتی صبح کی مدھم روشنی پر ٹکی تھیں۔

"تمہارے لیے وہ مشعل بھی نہیں جاتی۔کہتی ہے اکیلی کیا کروں گی؟"

مسکرانے کی ناکام کوشش کی گئی لیکن حیام مسکرا بھی نہ سکی۔ مشعل کا نام سُنتے ہی کل ہونے والا واقع نظروں کے سامنے گھوما۔

"اُسے کہیں کہ وہ چلی جائے۔ فائنلز ہونے والے ہیں۔ میں نہیں جاؤں گی اب۔"

"کیوں نہیں جاؤ گی؟"

حیام نے واپس اپنے باپ کو دیکھا۔ وہ کیا بتاتی اُنہیں اُس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے رازوں سے واقف مگر ایک دوسرے کے لیے انجان تھے۔

بابا!! میں پڑھنا نہیں چاہتی آگے۔ آپ مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔ میرا دل نہیں ہے "بس۔۔۔"

"کچھ نہیں پوچھوں گا، وعدہ ہے تمہارے بابا کا۔ تم نے کہہ دیا تو کہہ دیا۔ کوئی تمہیں جانے کا نہیں کہے گا۔"

اُنہوں نے اپنی بیٹی کا مان رکھا تھا۔ وہ مزید کچھ کہنا چاہتے تھے، کچھ بتانا چاہتے تھے مگر ہچکچا رہے تھے۔ وہ پوچھ لیتے تو بیٹی کا مان ٹوٹ جاتا۔ شاید حیام نے اُن کی بے چینی محسوس کر لی تھی تب ہی بول پڑی۔

"بابا! آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

لاڈ سے اپنے باپ کی بانہوں میں بانہیں ڈالیں۔

"کہنا تو بہت کچھ ہے لیکن ڈر گیا ہوں میں۔"

وہ مسکرانے لگی۔

"آپ مجھ سے ڈر رہے ہیں، اپنی بیٹی سے؟ میں آپ کی وہی حیام ہوں بابا جس سے آپ اپنی بیوی کی شکایتیں کیا کرتے تھے۔ کہیں جو کہنا ہے۔ میں آج بھی تمام شکایتیں سنوں گی۔"

مصطفیٰ صاحب نے چہرہ موڑ لیا۔ وہ اُسے مزید نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"شکایت ہی تو نہیں ہے مجھے کوئی۔ کاش کہ شکایت ہوتی تو ڈرتا نہیں۔"

"بابا، آپ ٹھیک ہیں؟ آپ کی طبیعت۔۔۔۔"

حیام کے چہرے پر پریشانی نے اپنے سائے گہرے کیے۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ تم ٹھیک نہیں ہو نا بس اس لیے۔"

اُس نے مسکرانے کی سعی کی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بابا۔ آپ۔۔۔"

مصطفیٰ صاحب نے اُس کی بات کاٹی۔

"میں نے پسند کی شادی کی تھی تمہاری اماں سے حیام۔میں نے پہلے دن سے تمہارے لیے اتنے خواب دیکھے کہ تمہیں اپنے خوابوں میں بند، قید ایک بے جان چیز سمجھ لیا جس کے لیے میرے خواب پورے کرنا فرض تھا۔لیکن یہ بھول گیا کہ تمہیں جو اتنی محبت دی ہے، تم نے اُس محبت کا حساب مانگ لیا تو کیا دوں گا؟"

وہ بے بس سا مسکرائے۔

"لیکن تم نے تو حساب مانگا ہی نہیں۔کیوں نہیں مانگا تم نے؟؟ کاش کہ تم مانگ لیتی تو آج۔۔۔۔۔وقفہ لیا گیا۔۔۔۔۔۔آج تم تمام اُن چاہے رشتوں سے آزاد ہوتی۔"

چہرہ موڑ کر حیام کو دیکھا تو اُس کے چہرے پر ڈر عیاں پایا۔وہ مزید ڈھے گئے۔آنکھیں بند کر لیں۔

وہ جو سمجھے تھے کہ اُن کی بیٹی کے چہرے پر جب اپنے لیے نفرت ہو گی تو کیسے سامنہ کریں گے۔لیکن آج ڈر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ ہار گئے تھے، سب کچھ ہار گئے تھے۔اپنی بیٹی کو کھو کر تو اُن کے پاس کچھ نہ بچا تھا۔

"بابا!!"

اُس کے بلانے پر آنکھیں وا کیے دیکھا تو اُس کے چہرے کے تاثرات بدل چکے تھے۔اُس کے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

وہ کتنا غلط سمجھتی تھی کہ اُس کے بابا کو معلوم ہو گیا تو سب ختم ہو جائے گا مگر یہاں تو سب الٹ تھا۔آج اُسے معلوم ہوا تھا کہ سب سید زادیوں کو مرنا نہیں پڑتا ہے۔

"آپ بس،بس مجھے اس رشتے سے آزاد کروادیں۔مجھے گھٹن ہو رہی ہے۔اب میں اپنے بابا کے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔مجھے اپنے اماں بابا کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں چاہیے۔"

آنسو اُس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔آج وہ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کے سامنے پہلی مرتبہ رو رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہو گا۔تمہارے بابا ہیں نا تمہارے ساتھ۔ایک غلطی میں کر چکا ہوں،اب دوبارہ کوئی غلطی نہیں ہو گی۔میں کچھ مانگوں تو دو گی؟"

کتنا مان تھا اُن کے لہجے میں۔

"آپ حیام بخاری سے اُس کی جان بھی مانگ لیں تو حاضر ہے۔"

"تم یہاں سے چلی جاؤ۔تم گاؤں چلی جاؤ شاہ میر کے ساتھ۔میں خود چھوڑ کر آؤں گا

اپنی بیٹی کو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم آرز کے سامنے رہو۔ میں اپنی بیٹی کو زخمی نہیں دیکھ سکتا۔"

وہ اُس سے اجازت مانگ رہے تھے۔ کیا انداز تھا، اُن کے اس انداز پر حیام قربان جاتی تھی۔

"بابا! میں چلی جاؤں گی۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی مگر آپ میری فکر مت کیجئے گا، میں رہ لوں گی۔ آپ اجازت نہ مانگا کریں، حکم دیا کریں۔"

وہ اپنے باپ کے ہاتھ تھامے اُن کی تکلیف بھی آہستہ آہستہ اپنے کرب میں انڈیل رہی تھی۔ وہ تمام دکھوں کو جھیل سکتی تھی لیکن اپنے بابا کو اُن کا حصہ نہیں بننے دے سکتی تھی۔

"یہ وعدہ ہے تمہارے بابا کا کہ تمہیں وہاں نہیں چھوڑوں گا۔ بہت جلد اپنی بیٹی کو لے آؤں گا۔ اور اس منگنی کی فکر مت کرنا۔ کوئی شادی نہیں ہو گی۔"

وہ روتے ہوئے مصطفیٰ صاحب کے سینے سے لگ گئی۔ شاید بیٹیوں کی قربانیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ وقت بدل جاتا ہے لیکن یہ طے ہے کہ قربانیوں کی ایک رسم چلتی رہے گی، گزرے زمانے میں بھی اور حال میں بھی۔ لیکن حیام بخاری کی قربانیوں کی روداد بدل گئی تھی۔ ایک قربانی اُس کی مرضی کے بغیر لی گئی تھی جبکہ ایک اُس نے اپنے بابا

کے لیے خود اپنی مرضی سے دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ایسی قربانی جس نے اُس کی زندگی کے تمام پہلو بدل دینے تھے۔شاید اس سفر میں حیام بخاری، حیام بخاری نہ رہے اُس نے سوچا نہ تھا۔

ناشتے کے وقت ڈائننگ ٹیبل پر سب موجود تھے جب مصطفٰی صاحب نے اپنی بات کا آغاز کیا۔

"شاہ میر! تم گاؤں کے لیے کب نکل رہے ہو؟"

"جی، چچا جان!! بس تھوڑی دیر تک۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شاہ میر نے جواب دیا۔

"ایسا کرو کہ شام تک رک جاؤ۔ تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں؟"

شاہ میر نے سر اُٹھا کر مصطفٰی صاحب کو دیکھا۔

"خیریت چچا جان؟"

"میں نے یہ بھی پوچھا ہے کہ تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں؟"

شاہ میر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھا گیا۔

"نہیں مسئلہ تو کوئی نہیں۔۔۔۔۔وقفہ۔۔۔۔۔دراصل میں اماں سے وعدہ کر چکا ہوں۔"

"خالہ اماں سے میں بات کر لوں گا۔ تم بس رک جاؤ۔ رکنے کا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ حیام تمہارے ساتھ گاؤں جائے گی آج۔ اب وہیں رہے گی۔"

اُن کے کہنے کی دیر تھی ٹیبل پر موجود تمام لوگوں کو حیرانی نے آ گھیرا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یوں اچانک۔۔۔۔"

حسن صاحب نے سوال کیا۔

"جی بھائی صاحب!! فیصلے تو اچانک ہی ہوا کرتے ہیں۔"

"مصطفیٰ تم آخر اُسے بھیجنا ہی کیوں چاہتے ہو؟ اُس کی پڑھائی، ہم سب یہاں ہیں۔ وہ وہاں کیا کرے گی؟"

ندا بیگم نے اپنا حصہ ڈالا۔

"تائی امی!! یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ میں خود جانا چاہتی ہوں۔"

حیام نے سب کے سوالوں کا رخ اپنے باپ کی جانب دیکھا تو بات خود پر لے لی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Interviews

"لیکن کیوں بیٹا؟ تم چند دن گھومنا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے جاؤ لیکن وہیں رہنے سے کیا مراد ہے؟"

"تائی امی!! میں تھک گئی ہوں اس شہر کی زندگی جی جی کر۔مجھے آب وہوا میں تبدیلی چاہیے۔"

آرزحسن نے نظر اُٹھا کر اُسے غور سے دیکھا۔کتنی بے بسی تھی اُس کے چہرے پر۔اُسے خود پر غصہ آیا تھا کہ کیوں یہ سب کیا اُس نے؟

"اور تمہاری پڑھائی؟"

سوال بازل کی جانب سے آیا۔

"میں آگے پڑھنا نہیں چاہتی۔اکثر پڑھائی ہمیں وہ سب نہیں سکھاتی جو زندگی سکھا دیتی ہے۔پڑھائی نے مجھے کچھ نہیں سکھایا اور زندگی نے بہت کچھ۔"

وہ مسکرائی۔

"اور تایا جان آپ کیوں فکر کرتے ہیں؟ تین گھنٹوں کا سفر ہے جب جی چاہے آ جا سکتے ہیں آپ۔اور میں کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔"

"حیام، پھر بھی۔نائلہ تم کیوں نہیں سمجھاتی اسے؟"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ندا بیگم نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی۔

"تائی امی!! میں چاہتی ہوں جانا، دل سے۔ اگر آپ چاہیں گی تو نہیں جاؤں گی لیکن میں سچ میں جانا چاہتی ہوں۔"

وہ اُنہیں بے بس کر رہی تھی۔ گھر کے تمام افراد چپ تھے۔ وہ سب کو مطمئن کر کے جانا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی اور خوشی۔ لیکن تم روزرات کو ہم سے بات کرو گی ورنہ میں لینے آجاؤں گا۔"

حسن صاحب نے اطمینان اور اداسی کے ملے جلے تاثرات کا اظہار کرتے جواب دیا۔

"پکا وعدہ۔"

وہ مسکرائی۔

تمام لوگ مطمئن ہو چکے تھے سوائے آرز حسن اور مشعل حسن کے۔ ایک محبت میں یوں اچانک آنے والی دوریوں سے ڈر گیا تھا۔ وہ اُسے چھوڑ تو چکا تھا پر اُس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اُسے روز دیکھ تو لیتا تھا۔ اب سب کچھ ختم ہونے لگا تھا صحیح معنوں میں۔ تو

دوسری طرف مشعل کو اپنے رویے پر مزید شرمندگی ہوئی۔ وہ اپنے غصے میں شاید کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔ وہ اُس کے یہاں سے جانے کو خود کا قصور سمجھ رہی تھی۔

"میں پیکنگ کر لوں۔"

وہ کرسی گھسیٹ کر وہاں سے اُٹھ گئی مگر پھر رکی۔

"اماں۔۔۔!"

"جی، میری جان!"

اس سب میں نائلہ بخاری پہلی مرتبہ بولیں۔

"آخری مرتبہ اپنے ہاتھ کی بنی کافی پلا دیں۔"

اُس کی بات پر ماں کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ وہ فوراً اُٹھیں، ڈوپٹے کے کنارے سے آنکھوں میں موجود نمی صاف کی۔

"ابھی بنا کر لا رہی ہوں اپنی بیٹی کے لیے۔"

وہ مسکرا کر وہاں سے نکل گئی۔ اُس کے جاتے ہی شاہ میر نے دوبارہ بات کا آغاز کیا۔

"چچا جان، وہ میرے ساتھ اکیلی کیسے۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مصطفٰی صاحب نے درمیان میں بات کاٹی۔

"میں ساتھ جاؤں گا تمہارے۔بے فکر رہو۔"

"بہت بہتر۔"

وہ خاموش ہو گیا۔اُس نے چہرہ موڑ آرز کو دیکھا جس کی نظریں ابھی تک اُس کرسی پر ٹکی تھیں جہاں سے وہ اُٹھ کر گئی تھی۔

"ابو میں بھی ساتھ جانا چاہتا ہوں۔چچا جان واپس اکیلے کیسے آئیں گے؟ میں ساتھ آ جاؤں گا۔"

بازل نے فوراً ساتھ جانے کی اجازت چاہی۔

"یہ تم نے اچھا سوچا۔چلے جانا۔"

حسن صاحب نے اجازت دی۔

وہ بیڈ پر کپڑے پھیلائے پیکنگ کرنے میں لگی تھی جب مشعل دروازہ کھولے اندر داخل ہوئی۔حیام نے اُسے ایک نظر دیکھ اپنا دھیان واپس چیزوں کی طرف کیا۔

"حیام!"

وہ کچھ نہ بولی۔

"مجھے بات کرنی ہے تم سے۔"

"بولو سُن رہی ہوں۔"

دھیان ہنوز اپنے کاموں کی جانب مبذول تھا۔

"تم مت جاؤ۔"

لہجہ روہانسا ہوا۔ جواباً حیام ہنسنے لگی۔

"اگر کوئی اور بات ہے تو کرو۔ مجھے بہت کام ہیں۔"

کہتے ہوئے الماری میں سے اور کپڑے نکالنے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ واپس کبھی نہ آنے کے لیے جا رہی ہو۔

"تم تو کہتی تھی کہ مشعل، حیام بخاری تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں۔ اب تم چلی جاؤ گی تو مشعل مر جائے گی۔"

وہ باقاعدہ رو رہی تھی لیکن آج حیام بخاری کی آنکھوں سے ایک آنسو نہ نکلا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا مشعل۔کل تم مجھے چھوڑ کر گئی تو مجھے بھی یہی لگا تھا پر دیکھو نا میں تو زندہ ہوں۔سچ کہا تھا تم نے انتقام لے رہی ہوں میں اپنی ریجیکشن کا،کسی کو بتانا مت۔یہ راز میرے اور تمہارے درمیان رہنا چاہیے۔ٹھیک ہے؟"

حیام مسلسل مسکرا رہی تھی۔مشعل کے بہتے آنسو تھم گئے۔

"کتنی کٹھور ہو گئی ہو تم؟ اگر تم چاہتی ہو کہ میں کل کے رویے کے لیے تم سے معافی مانگوں تو یہ لو ہاتھ جوڑتی ہوں۔تم معاف کر دو یار۔تم میری حیام نہیں ہو۔مجھے میری حیام واپس کر دو جو کسی کو پلٹ کر اُف تک نہ کرتی تھی۔جو اَن گنت رنگوں سے بھری تھی،ایسی بے رنگ تو نہ تھی۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آنسو ایک مرتبہ پھر اُس کی آنکھوں سے ٹپکا ٹپ بہنے لگے۔

"مر گئی ہے وہ حیام۔ابھی یہی ہے جو تمہارے سامنے ہے اور پلیز یہ رونے کا ڈرامہ کہیں اور جا کر کرو۔میں تھک گئی ہوں ان آنسوؤں کو دیکھ دیکھ کر۔خدا کا واسطہ ہے مشعل،چلی جاؤ یہاں سے۔"

غصہ چہرے پر سجائے حیام نے مشعل کے آگے ہاتھ جوڑے۔

اتنے میں نائلہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو حیام سیدھی ہوئی۔

"آجائیں اماں۔۔۔۔"

ساتھ ہی بیڈ پر سے کپڑے ایک طرف ہٹاتے ہوئے اُنہیں بیٹھنے کی جگہ دی اور اُن کے ہاتھ سے کافی کا مگ پکڑا۔نائلہ بیگم نے مشعل کو روتے دیکھا تو منہ موڑ لیا۔

"بس جا رہی ہے یہ اماں، آپ بیٹھ جائیں۔"

حیام کے کہنے پر مشعل نے آنسو صاف کیے اور باہر نکل گئی۔

"بہت مزے کی ہے یہ کافی۔میں اسے بہت یاد کروں گی وہاں۔"

"حیام، تم ٹھیک ہو؟"

"اماں! آپ میری فکر نہ کریں۔مجھے بہت ساری باتیں کرنی ہیں آپ سے۔"

وہ نم آنکھوں سے مسکراتی ماں کے ساتھ بیٹھ گئی۔اب جانے اُس کی باتیں کب ختم ہونی تھیں۔

"اماں! میں کہہ تو رہا ہوں شام تک نکلوں گا۔آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے میرے پاس۔"

شاہ میر کب سے باہر لان میں بیٹھا اماں بیگم کو اپنے دیر سے آنے کے لیے رضامند کر رہا تھا۔

"ارے پراں کرو اُس سرپرائز کو۔ مجھے تم دوپہر کھانے پر یہاں ملو۔"

وہ بضد تھیں۔

اتنے میں مصطفیٰ صاحب وہاں آئے اور شاہ میر کو موبائل دینے کا اشارہ کیا۔ وہ خود بات کرنا چاہتے تھے اماں بیگم سے۔

"سلام، خالہ اماں!!"

اُن کی آواز سُن اماں بیگم یک دم خاموش ہوئیں۔

"وعلیکم السلام!"

"کیسی ہیں آپ؟"

وہ بات کرتے ہوئے وہیں شاہ میر کے ساتھ بیٹھ گئے۔

"ٹھیک ہوں۔ آج تمہیں کیسے یاد آگئی اپنی خالہ اماں کی؟"

"آپ تو ہمیشہ ہی یاد رہتی ہیں ہمیں۔"

"بس کردو میاں۔ تم یاد کرتے تو کبھی یہاں کا چکر ہی لگا جاتے۔ کتنے سالوں سے میں ہی تمہاری فکر میں آدھی گھوم رہی ہوں۔ تم نے تو اپنی مری ماں کے رشتوں کا لحاظ تک نہ کیا کبھی۔"

جواباً مصطفیٰ صاحب جی بھر کے شرمندہ ہوئے۔

"ایسی باتیں نہ کریں۔ اسی لیے تو بات کر رہا ہوں میں یہ بتانے کے لیے کہ شاہ میر کو ٹھہرنے کی اجازت دے دیں۔ شام میں نکلیں گے۔ میں ساتھ آرہا ہوں اور فکر نہ کریں دو دن ٹھہر کر جاؤں گا۔"

اب خاموش ہونے کی باری اُن کی تھی۔

"سچ میں آرہا ہے؟"

"بالکل سچ اور آپ کی نواسی کو بھی ساتھ لا رہا ہوں۔ حسن بھائی کا بیٹا بھی آئے گا۔ تیاریاں کرلیں، بہت باتیں کرنی ہیں مجھے آپ سے۔"

"اب میں بوڑھی راہ تکتی رہوں گی۔ تم بھی آجانا، وعدہ وفا کرو گے تو دل سے دعائیں نکلیں گی۔ میں تیاریاں کروالوں۔ فی امان اللہ۔"

"فی امان اللہ۔"

اور لائن کاٹ دی۔

"مان گئیں ہیں؟"

شاہ میر ابھی تک وہیں تھا۔

"ہاں۔۔۔!"

اُسے واپس موبائل پکڑا کر اندر کا رخ کیا۔

اماں بیگم برآمدے میں اپنے معمول کے مطابق رکھے جھولے پر بیٹھیں تھیں۔جوں ہی فون بند کر کے پاس بیٹھیں خالدہ بیگم کو واپس تھمایا، وہ بول اُٹھیں:

"کون تھا اماں؟اور شاہ میر آرہا ہے کہ نہیں؟"

"نہیں، شام میں نکلے گا۔ مصطفیٰ اور بچے ساتھ آئیں گے۔ تیاری کر لو۔"

حکم سُنتے ہی وہ اُٹھ کر اندر کو چل دیں لیکن اُنہیں راستے میں آواز دے کر روکا گیا۔

"بشیر اآئے تو بھیجنا اُسے۔ پتہ نہیں کہاں رہ گئی ہے آج وہ۔۔۔۔دوپہر ہونے کو آئی ہے۔ کوئی اتا پتہ ہی نہیں سیانی کا۔"

"جی اماں! بھیج دوں گی۔ آپ کہتی ہیں تو ظفر کو بھجوا کر معلوم کروا لیتی ہوں کہ اب

تک حاضری کیوں نہیں لگوائی۔۔۔"

"رہنے دے، نہ آئی تو کوئی مجبوری ہی رہی ہو گی۔ اتنے سالوں میں قدم قدم ساتھ نبھاتی آوے ہے۔ہاں، اگر کچھ دیر تک نہ آوے تو بھجوا دینا اور ظفر سے کہیو کہ اُسے جس چیز کی لور ہو دے آئے۔"

"بہتر۔"

خالدہ بیگم کہتے ہی اندر چلیں گئیں۔ اب تیاریاں کرنے کا وقت آیا تھا۔ کتنے سالوں بعد وہ آرہا تھا حویلی میں۔ آخر کو بھانجے بھی سگی اولاد سے ہی ہوتے ہیں اور تو اور نواسی، نواسا، پہلی بار قدم رکھنا تھا حویلی میں۔ جب تک اماں بیگم زندہ تھیں، ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنی بہن کے خون سے بے وفائی کر جاتیں اور محبت میں خیانت۔ آرز۔۔۔۔ہاں آرز، وہ نہیں آرہا تھا۔ اُس کا انتظار تو سب سے بڑھ کر تھا۔ تمام لوگ آجاتے تو اماں کے دل کو اطمینان اور خوشی مل جاتی لیکن وہ جو آجاتا تو سمجھو حویلی جی اُٹھتی۔ اس حویلی میں تو پہلی مرتبہ چلنا سیکھا تھا اُس نے۔ کچھ یادیں، کچھ باتیں، کچھ لوگ ہوتے ہیں نا جن سے یہ بڑی بڑی پُرانی عمارتوں کو بھی اُنسیت ہوتی ہے اور وہ تو پھر کوئی عمارت نہ تھی، حویلی تھی۔ حویلی جہاں محبت کی کئی بنیادیں رکھی گئیں اور بہت سی ٹوٹیں بھی۔ کسی کے ہاتھ بہاریں آگئیں تو کسی کے ہاتھ خسارے۔ لیکن آنے والے وقت کا فیصلہ ابھی

ہونا تھا یا شاید ہو چکا تھا۔ اگر تو ہو چکا تھا تو بہت دھندلا تھا۔ ہر ایک نے اپنی زندگیوں کی ڈوریں وقت کے ہاتھ دے دیں تھیں اور قسمت کا پہیہ کہاں، کس موڑ پر مڑنا تھا وہ کسے معلوم تھا؟ کسی کو بھی نہیں۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھیں کہ اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس پا کر واپس حال میں لوٹیں۔ سامنے کرن چادر اوڑھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اُسے دیکھ فوراً مسکراہٹ نے اپنے پر پھیلائے۔

"آ جا میری گڑیا، آ میرے پاس۔۔"

اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جیسے کہ اُس کا ہاتھ تھامنا چاہتی ہوں۔ اُس نے بھی فوراً اپنا ہاتھ اُن کی ہتھیلی پر پھیلایا۔

"اماں! سلام۔۔۔۔"

ساتھ ہی اُن کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہے میری گڑیا؟؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ بتائیں؟"

"تجھے دیکھ لیا ہے تو بالکل سوکھی (اچھی) ہو گئی ہوں۔"

وہ برابر مسکرا رہیں تھیں۔

"ایک بات پوچھوں۔۔۔۔؟"

"پوچھ۔۔۔"

"آپ مجھ سے ایسے برتاؤ کیوں کرتی ہیں اماں جیسے کہ میں بچی ہوں کوئی؟ بھلی چنگی جوان ہو گئی ہوں۔"

اُس کی بات پر وہ ہنس دیں۔

"تو جوان ہو یا بڑھاپے میں آجائے، میرے لیے بچی ہی رہے گی۔ پوری حویلی میں سب سے پیاری ہے تو مجھے۔"

"جھوٹ نہیں بولتے اماں! آپ کو سب سے پیارے شاہ میر بھائی ہیں۔"

شاہ میر کا نام سُنتے ہی اماں کی آنکھوں میں چمک سی آگئی۔

"ہاں، وہ تو بہت سوہنا ہے مجھ بوڑھی کو لیکن تو تو شہزادی ہے اس حویلی کی اور شہزادیوں کا شہزادوں سے کیا مقابلہ۔۔؟"

"پھر بھی ہار جاؤں گی۔ میرے مقابلے پر منال اور مناہل بھی تو ہیں۔"

"مناہل تو ابھی بالڑی ہے، بہت کچھ سیکھنا ہے اُسے اور منال، وہ، وہ تو تیری اماں کو دیکھ منہ موڑ لیتی ہے۔ بولتی ہی نہیں مجھ بوڑھی سے۔"

منال کا نام لیتے ہی آنکھوں میں اداسی چھا گئی۔

"نہیں، وہ بس تھوڑا سا ناراض ہے آپ سے۔ آپ منائیں گی نا اماں تو مان جائے گی۔ میں جانتی ہوں اُسے۔"

اماں کا ہاتھ تھپتھپاتی وہ اُنہیں سمجھا رہی تھی۔

"وہ ماننے کی بہت بڑی قیمت مانگے ہے کملی اور میں اُسے وہ قیمت نہ دے سکوں۔"

خلا میں گھورتیں وہ جانے کون سی قیمت کا حوالہ دے رہیں تھیں۔

"کون سی قیمت اماں؟ اُس نے مجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔ اُسے کسی قیمت کی کیا ضرورت ہے؟ پاگل ہے وہ، میں بات کروں گی وہ مان جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔"

وہ بھی کہاں اپنی اماں کو اداس دیکھ سکتی تھی۔ فوراً انجانے کتنی دلیلیں، تسلیاں، اُن کو اوڑھتی بے فکر کرنے لگی۔

"بے بے تُو ٹھیک نہیں ہے تو میں حویلی سے کسی کو بلا لاتی ہوں۔"

سعدیہ کب سے بشیرا کے پاس بیٹھی منانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں، کملیے میں ٹھیک ہوں۔ بس تھوڑا جیا بخار ای اے۔ تیرے ساتھ رات باہر جو بیٹھی رہی آں۔ تو فکر نہ کر صبح تک بھلی چنگی ہو جاؤں گی۔"

نقاہت زدہ آواز میں بولتیں وہ پہلے سے مزید کمزور لگ رہیں تھیں۔ سعدیہ وہاں سے اُٹھ کر باہر آئی اور پانی کا نل کھولا۔ ہاتھ پانی کے نیچے کر کے معلوم کیا، پانی سچ میں ٹھنڈا برف تھا۔ شاید سردی کا اثر تھا۔ برتنوں کو ادھر اُدھر کر ایک سٹیل کا پیالہ نکال کر پانی لیا۔ ساتھ ہی اپنا دوپٹہ ایک طرف سے پھاڑ کر پانی میں بھگو دیا۔ ساتھ ساتھ وہ چولہے پر دودھ چڑھائے اُسے پکار رہی تھی۔ جب دودھ پک پک کر آدھا رہ گیا تو اُسے گلاس میں اُنڈیلا اور دونوں چیزیں لے کر اندر کمرے میں واپس آ گئی۔

"چل بے بے اُٹھ ہمت کر۔ گرم دودھ پی لے، پھر دوا دوں گی میں تجھے۔ ٹھیک ہو جائے گی تو۔ چل اُٹھ جا نا پھر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بھی رکھنی ہیں۔"

وہ اُنہیں اُٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"نی پاگل ہو گئی ہے؟ ایک طرف ماں کو گرم دودھ پلا رہی اور دوسری طرف ٹھنڈی پٹیاں۔۔۔ گرم سرد کروا دے گی تو۔ تیرے ہاتھوں ہی مروں گی میں۔"

اپنی ماں کو سُن اُسے ہنسی آنے لگی۔

"بس کر دے بے بے۔ یہ وہم نکال دے، اُٹھ جا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

مصنوعی غصہ دکھاتی وہ اُنہیں بولنے لگی۔

"جا کملیے پیچھے ہٹ۔ تجھ سے برا ویسے وی کوئی نہیں۔"

مجبوراً اُنہیں اُٹھنا پڑا اور گرم دودھ بھی پینا پڑا۔ دودھ آدھا پیتے ہی چھوڑ دیا۔ سعدیہ نے گھورا۔

"میں ہن وی تیری ماں ہی ہوں، تو میری ماں نہ بن۔"

کہتے ہی وہ لیٹ گئیں۔

"آخری مرتبہ تجھے معافی دے رہی ہوں بے بے۔"

وہ ساتھ ساتھ ٹھنڈے پانی میں بھگوئے کپڑے کو نچوڑ کر اُس کی تاثیر اپنی ماں کے ماتھے پر رکھ وجود میں اُتارنے لگی۔

مشعل اپنے کمرے میں بیٹھی مسلسل رو رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتی تھیں۔ پھر اُن کے رشتوں میں یہ دوریاں کیسے آ گئیں؟ وہ سمجھنا چاہتی

تھی۔ مشعل تو صرف اتنا چاہتی تھی کہ حیام اپنے چُنے ہوئے راستے پر چلتی کسی اندیکھی کھائی میں نہ گر جائے اور زندگی بھر کے پچھتاوے نہ رہ جائیں۔ وہ مان رہی تھی کہ اُس نے حیام کو بہت برا کہا لیکن وہ تمام باتیں سچ تھیں۔ یہ گھر جہاں کبھی خوشیوں کا بسیرا ہوا کرتا تھا، آج میدانِ جنگ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

مشعل نے روتے ہوئے اپنا موبائل پکڑا اور پری کو کال کی۔ شاید دوسری جانب سے پہلی ہی گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"پری۔۔۔۔"

مشعل اب بھی رو رہی تھی۔ پری کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔

"کیا ہوا ہے مشعل؟ گھر میں سب ٹھیک ہیں؟ بتاؤ مجھے؟"

اُس کے کسی سوال پر بھی مشعل نے جواب نہ دیا، بس روتی رہی۔

"مشعل! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ تم ٹھیک ہو نا؟"

"پری، وہ، وہ جا رہی ہے۔"

آنسوؤں کے درمیان بامشکل بولتی وہ اُسے اطلاع دے رہی تھی۔

"کون جا رہی ہے؟"

پری نے سمجھنے کی کوشش کی۔

"حیام۔۔۔۔"

روتے ہوئے ایک مرتبہ پھر جواب دیا گیا۔

"حیام؟ وہ کہاں جارہی ہے؟"

"گاؤں، کہتی ہے اب وہیں رہے گی۔"

پری کو حیرت ہوئی۔

"ہمیشہ کے لیے؟؟ کیوں مشعل؟"

"مجھے نہیں پتہ، بس تم آجاؤ۔ پری اُسے روک لو۔ وہ مجھ سے بہت ناراض ہے۔ میری کوئی بات نہیں سُن رہی۔ تم آرہی ہونا؟"

مشعل اُس سے التجا کر رہی تھی۔

"میں آرہی ہوں۔ تم فکر نہ کرو، وہ نہیں جائے گی۔"

ساتھ ہی پری نے فون بند کر دیا۔

مشعل نے روتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اپنی اور حیام کی فریم شدہ تصویر کو

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیکھا۔ایک مرتبہ پھر رونے میں شدت آئی۔ایک کام وہ کرچکی تھی،اب ایک اور کام رہتا تھا جسے کرنا بہت ضروری تھا۔

وہ سست قدم اُٹھاتی اپنے کمرے سے نکلی اور آرز کے کمرے کی جانب چلنے لگی۔ دروازے پر پہنچ کر اپنا ہاتھ دستک کے لیے بڑھایا مگر پھر رک گئی۔اُس نے اپنے بھائی کو بھی تو کتنا کچھ کہا تھا۔کیسے سامنا کرتی وہ اُس کا؟ آنسو لگاتار اُس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔ بہت ہمت کر کے اُس نے دروازے پر دستک دی اور ناب گھما کر اندر گئی۔کمرے میں آرز کے ساتھ شاہ میر بھی موجود تھا۔مشعل کی بکھری حالت دونوں کو حیران کر گئی۔ مشعل نے آرز کو التجائی نظروں سے دیکھا۔وہ فوراً سے پہلے اُٹھ کر مشعل کے قریب گیا اور اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔اپنے بھائی کو اپنے پاس پا کر وہ ہچکیوں سمیت رو دی۔آرز نے آنکھیں موندے گہری سانس بھری۔کتنی اذیت تھی اُس کے رونے میں،وہ کیا کچھ کر گیا تھا۔اُس کی ایک غلطی کی سزا اُس کے تمام رشتے بھگت رہے تھے۔آرز اُسے بیڈ تک لایا اور اُسے اپنے ساتھ بٹھایا۔جبکہ شاہ میر نے کھلا دروازہ ہلکا سا بند کیا اور کمرے کے وسط میں رکھی میز پر سے پانی کا گلاس اُٹھا کر آرز کو تھمایا۔آرز نے مشعل کی جانب پانی سے بھرا گلاس بڑھایا لیکن اُس نے انکار کر دیا اور مسلسل روتی گئی۔

"کیا ہوا ہے گڑیا؟ کیوں رو رہی ہو ایسے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مشعل کے ہاتھ تھامے وہ اُس سے سوال کر رہا تھا۔

"بھائی، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ وہ، وہ حیام، وہ میری وجہ سے جا رہی ہے۔"

تمہاری وجہ سے؟ تم مذاق کر رہی ہو؟ وہ تم سے ناراض نہیں ہے۔ وہ مجھ سے ناراض "

"ہے اور میری وجہ سے جا رہی ہے۔

آرزکو ایک مرتبہ پھر اپنا دکھ یاد آ گیا۔

"نہیں، اب کی بار آپ نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے کیا ہے۔"

آرزکو ایک دم پریشانی نے آگھیرا۔

"کیا کیا ہے تم نے؟"

اُس کی آواز میں بے چینی واضح تھی۔

"میں نے اُسے بہت برا بھلا کہا۔ میں نے اُسے چھوڑ دیا یہ کہہ کر کہ وہ غلطی پر ہے۔ یہ بھی کہا کہ وہ مطلبی ہے لیکن دیکھیں نا میں نے اُسے مکمل نہیں چھوڑا تھا۔ پر اب وہ مجھے مکمل چھوڑ رہی ہے۔ اُسے معلوم ہے میں اُس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

وہ روتے ہوئے ایک مرتبہ پھر آرز کے گلے لگ گئی۔

"تم تو جانتی تھی مشعل کہ وہ، بس وہ ہی تو مطلبی نہیں تھی ہم سب میں۔ تم نے یہ کیا کر

دیا؟ بازل ٹھیک کہتا ہے کہ ہم نے اُسے اپنا سمجھا ہی نہیں۔اُس کی ذات پر لگنے والی ہر ٹھوکر ہماری دی گئی ہے۔"

آرز کی آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔شاہ میر بس تماشائی بنے سب دیکھ رہا تھا۔

"دیکھا آپ نے؟آپ کی بے بنیاد جنگ میں آپ ہار گئے ہیں آج اور آپ کے ساتھ ساتھ میں بھی ہار گئی ہوں۔اور بازل بھائی،اُن کو تو آپ جانتے ہیں نا کہ۔۔۔۔۔"

آرز نے مشعل کی بات درمیان سے اُچک لی۔

"وہ پاگل ہے حیام کے لیے۔اُس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی مزید بہا تو کچھ بھی کر گزرے گا وہ۔"

"بھائی!میں نے آپ کو چھوڑا تھا نا؟آپ کو چھوڑ کر دیکھیں میرے ہاتھ خالی رہ گئے ہیں۔میں بازل بھائی کو نہیں کھونا چاہتی۔"

"تو یہ طے ہوا کہ آرز حسن کی ذات سے جڑا ہر رشتہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔اور اب۔۔۔۔۔"

آرز نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بازل بھائی کی باری ہے۔پری،پری تو آرہی ہے۔اُسے سب معلوم ہو جائے گا۔یہ کیا

کر دیا آپ نے اپنے رشتوں کے ساتھ؟ ایک مرتبہ آپ نے کوشش تو کی ہوتی۔ اگر آپ اُس سے محبت نہیں کرتے تھے تو کیوں اُسے محبت کرنے پر اکسایا۔"

مشعل چیختی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی اُنہیں کھینچ رہی تھی۔ آرزکی آنکھوں میں موجود آنسو بہہ گئے۔ اُس کی بہن ایک مرتبہ پھر اُس سے دور جا رہی تھی۔ ایک مرتبہ وہ کچھ نہ کر سکا تھا لیکن اس مرتبہ وہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اُسے بتانا چاہتا تھا لیکن اُس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔

"ایک بات یاد رکھیے گا میری بھائی!! مکافاتِ عمل کے لیے تیار رہیے گا۔ آج وہ آپ کی وجہ سے جل رہی ہے، ایک دن مجھے بھی اُسی آگ میں جلتے دیکھنے کے لیے تیار رہیے گا۔"

آرز نے اُس کے منہ سے اگلتا زہر آنکھیں موندے نگلنا چاہا۔ اُس کی تمام ہمت جواب دے گئی تھی۔ مشعل مڑ کر کمرے سے نکلنے لگی جب شاہ میر بول پڑا۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو آرز سے؟ جواب دینا پسند کرو گی؟"

آرز نے آنکھیں کھولیں جبکہ مشعل واپس چل کر شاہ میر کے برابر کھڑی ہوئی۔

"میں آپ کو جوابدہ نہیں ہوں مسٹر شاہ میر!!"

اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بے خوفی کے سارے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

"لیکن تمہیں جواب دینا پڑے گا۔"

وہ مشعل کو باقاعدہ گھور رہا تھا۔

"یہ آپ کی حویلی نہیں ہے جہاں ہر کوئی آپ کو جواب دینے کا پابند ہے۔ یہ شہر ہے اور یہ میرا گھر ہے۔ یہاں آپ کو آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں ملے گا۔"

وہ چلا رہی تھی۔

"کیا تم جانتی بھی ہو کہ جس کو مکافاتِ عمل سے ڈرا کر جا رہی ہو، اُس نے اتنی بڑی قربانی کیوں دی ہے؟ کچھ بھی نہیں جانتی تم۔"

"شاہ میر۔۔۔۔۔"

آرز نے اُسے تنبیہ کی لیکن اُس نے ان سنی کر دی۔

"تو چپ رہ، اسے کچھ نہیں معلوم تب ہی اتنا سر چڑھ رہی ہے۔ اگر یہ میری بہن ہوتی نا تو اس وقت اپنے پاؤں پر سلامت نہ کھڑی ہوتی۔"

شاہ میر کی آنکھوں سے غصہ چھلک رہا تھا۔

"ترس آ رہا ہے مجھے اس وقت آپ کی بہن پر کہ اُسے آپ جیسا بھائی ملا ہے اور آپ یہ

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باتیں تو ہر گزمت کریں کہ میں کچھ جانتی نہیں، سب جانتی ہوں میں۔ یہاں یہ شاید آپ بھول رہے ہیں کہ آپ غیر ہیں اور میں سگی ہوں ان کی۔"

وہ بھی کہاں پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ غصے کے مارے اُس کی آنکھوں میں لالی اُترنے لگی۔

"اچھا! سب جانتی ہو پھر یہ بھی جانتی ہو گی کہ آرز نے یہ سب تمہارے لیے کیا ہے؟ جانتی ہو نا؟"

شاہ میر کی اس بات پر مشعل کی سماعتوں پر ایک بوجھ آکر گرا۔ وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔ اُس کی وجہ سے؟ نہیں، اُس کی وجہ سے تو کچھ نہیں ہوا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ تو آرز حسن نے خود کیا تھا۔ اب غصے کی جگہ بے بسی نے مشعل کی آنکھوں میں جگہ بنائی۔ آنسو ایک مرتبہ پھر بہنے لگے۔

"جھوٹ۔۔ جھوٹ بول رہے ہیں آپ، ہے نا؟ بس مجھ سے بدلہ لے رہے ہیں۔"

کتنی بے بسی تھی اُس کے لہجے میں۔ کتنے خدشات تھے۔

"اوہو!! تم تو کچھ جانتی ہی نہیں۔ تم تو سگی ہو نا؟ تمہیں نہیں بتایا اس نے؟"

مشعل کی حالت شاہ میر کو گیر کرتی رہی لیکن وہ کٹھور ہو گیا۔ جبکہ آرز حسن نظریں جھکائے آنسو بہا رہا تھا۔

کون کہتا ہے کہ مرد نہیں روتا یا جو مرد رو لے وہ کمزور ہوتا ہے؟ آج وہ مرد ہو کر رو رہا تھا۔ اُس نے اپنے رشتوں کے لیے اپنی خوشیوں کی قربانی دے ڈالی تھی۔ اپنوں کا دل رکھتے ہوئے اپنا دل نکال پھینکا تھا اور بدلے میں اُسے کیا ملا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ اُس کی آنکھوں سے لے کر اُس کا دل، اُس کے ہاتھ اور سب سے بڑھ کر اُس کی روح سب خالی تھا۔

"بھائی!! بھائی بتائیں نا نہیں کہ آپ نے میرے لیے کچھ نہیں کیا۔"

وہ وہیں کھڑی سوالی تھی۔ چہرہ موڑ کر بھی آرز کو نہ دیکھا تھا۔ مشعل کو تمام خدشات صحیح ہونے کے امکانات نظر آئے۔

"وہ کیا بتائے گا؟ میں بتاتا ہوں۔ ٹھیک کہتی ہو تم کہ مکافاتِ عمل تو ہونا ہی ہے۔ آج حیام ہے تو کل تم ہو گی۔ ایک مکافاتِ عمل سے تمہیں بچانے کے لیے اُس نے تمہیں دوسرے مکافاتِ عمل میں دھکیل دیا تو یقیناً غلط ہی ہو گا، پر تمہاری نظر میں۔ لیکن میری ایک بات یاد رکھنا کہ تمہیں بچاتے بچاتے وہ خود جہنم میں گر گیا ہے۔ دھیان سے دیکھو نا تمہارا بھائی جل رہا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

وہ شدت سے رو رہی تھی۔

"اگر یہ پری کے رشتے کے لیے انکار کرتا تو اُس کی عزت کا تماشا لگتا۔ چچی تو پہلے ہی بات کر چکیں تھیں۔ پری کی بات تو گھر میں رہ جاتی لیکن جب تمہاری بات آتی نا تو بات گھر میں کہاں رہنی تھی۔ تمہاری عزت کا خیال کیا اس نے۔ یہ چاہتا تو تمہیں نہ چنتا، چچا چچی کی عزت کو بھی جانے دیتا اور حیام کا ہاتھ تھام لیتا۔ لیکن جب وقت آتا تو تم تکلیف میں ہوتی اور تمہارے بھائی کو یہ گوارا نہ تھا۔ ہاں، اس طرح کر کے وہ حیام کو مار رہا تھا لیکن غور سے دیکھو اسے، یہ خود بھی مر گیا ہے۔ اس نے تمہیں اکیلا نہیں جلنے دیا۔"

وہ مشعل کو کھینچتے آرز کے سامنے لا کھڑا ہوا۔

"اس طرح شاید تمہاری تکلیف کم ہو جائے۔"

وہ گھٹنوں کے بل وہیں آرز کے سامنے، اُس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"بھائی!! آپ۔۔۔۔"

ابھی اس سے پہلے وہ کچھ کہتی بازل دروازہ کھولے اندر داخل ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

آپ لوگوں کی آوازیں باہر تک آرہیں ہیں۔ذرا نیچا بولیں،کوئی بڑا سن لے گا تو مسئلہ "

ہو جائے گا۔"

سب نے چہرہ موڑے اُسے دیکھا۔

وہ جانے کے لیے مڑا لیکن واپس چلتا ہوا آرز تک آیا۔وہاں سب کی ہی آنکھیں نم تھیں سوائے شاہ میر کے۔وہ رونا نہیں چاہتا تھا۔

"آرز یہ،یہ لے لے۔"

بازل نے جھک کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر انگوٹھی رکھی۔آرز نے دیکھتے ہی حیران نظروں سے بازل کو دیکھا۔

"یہ انگوٹھی وہی ہے جو میں نے اُسے پہنائی تھی۔اُس نے واپس کر دی ہے۔چچا نے کہا ہے مجھ سے یہ شادی اب نہیں ہو گی۔میں سننا نہیں چاہتا تھا یہاں ہونے والی کوئی بھی بات لیکن تم سب کی آوازیں باہر آرہیں تھیں تو سن لیا۔سن کے لگا کہ یہ تیری امانت ہے میرے پاس تو بس دینے آگیا۔"

وہ ایک مرتبہ پھر صفائی پیش کر رہا تھا۔

"بازل۔۔۔۔۔!!تو محبت کرتا ہے اُس سے؟"

آرز کے چہرے پر درد تھا جسے دیکھ بازل مسکرایا۔

"نہیں، پاگل وہ تو تجھے تکلیف دینے کے لیے کہا تھا۔ بھائی ہوں میں اُس کا۔"

وہ آرز کے سامنے بیٹھا بالکل مشعل کے ساتھ۔ اُس کے ہاتھوں کو تھامے کہنے لگا۔

"تو فکر نہیں کر، تو نے مجھے کچھ نہیں بتایا میں پھر بھی ناراض نہیں ہوں۔ لیکن یہ منگنی ٹوٹنے کی بات کسی کو نہیں معلوم۔ میں گاؤں جاؤں گا تو خالہ اماں سے کہہ کر آؤں گا کسی کی باتوں میں نہ آیئے گا۔ ضرورت پڑی تو تیرا حوالہ بھی دے دوں گا۔

لیکن۔۔۔۔"

"لیکن؟"

اب کی بار مشعل بولی۔

"لیکن میرے جانے کے بعد تم دونوں امی ابو سے کچھ مت کہنا۔ میں خود آکر بتا دوں گا اُنہیں۔ ابھی بتا دیا تو وہ حیام کو کبھی جانے نہیں دیں گے۔ اُس کے لیے کوئی مشکل مت کھڑی کرنا۔"

وہ التجا کر رہا تھا۔

"میں یہی تو چاہتی ہوں کہ وہ نہ جائے۔"

مشعل نے اپنی رائے دی۔

اُسے جانے دو۔ آگے ہی بہت تکلیفیں ہم سب دے چکے ہیں اُسے۔ وہ چلی جائے گی تو" "کچھ دن سکون سے رہ لے گی۔

آرز کے الفاظ اُس کے دل، اُس کے چہرے کے ساتھ انصاف نہ کر رہے تھے۔ وہ چاہتا کچھ تھا اور بول کچھ رہا تھا۔

"شاہ میر بھائی!"

بازل نے کچھ کہنا چاہا لیکن شاہ میر نے اُس کے کاندھے تھپتھپاتے تسلی دی۔

"میں اُس کا خیال رکھوں گا۔ اُسے کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

آرز کو دیکھتا وہ وہاں موجود اُن تینوں کو تسلی دے رہا تھا۔ شاہ میر نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھا تو بول پڑا۔

"چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

باہر دور کہیں عصر کی اذان ہوتی سنائی دے رہی تھی۔ چونکہ سردیوں کے دن تھے جلد ہی اندھیرا ہونے لگا تھا۔ آرز کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ کیسے اُسے جانے دیتا؟ باہر گیٹ پر گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی جسے سن کر مشعل ہوش میں آئی۔

"پری، پری آئی ہے۔ میں نے بلایا تھا اُسے کہ وہ حیام کو روک لے۔"

اُس کی آواز میں گھبراہٹ مقید تھی۔

"فکر مت کرو، وہ نہیں رکے گی۔"

آرز نے ایک مرتبہ پھر خود کو مضبوط کرنا چاہا لیکن اُس کے دل سے رِستا خون صرف وہی محسوس کر رہا تھا۔

☫☫☫☫☫☫☫☫☫☫☫☫☫☫☫☫

سب لوگ ہال میں موجود تھے سوائے آرز حسن کے۔ گھر کا داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حیام کا رخ باہر کی جانب تھا لیکن اُس کے قدم انکاری تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی تو ہو جو روک لے۔ اب تک وہ جہاں جیتی آئی تھی کیسے چلی جاتی؟ اُس کا کمرہ، اُس کے کمرے سے وابستہ ایک ایک چیز اُسے پیاری تھی۔ آج وہ جو جا رہی تھی تو اُس کا کمرہ رو رہا تھا۔ اُس کے کمرے کو اُس کے بغیر رہنے کی عادت کہاں تھی۔ اب جب حیام کی خوشبو نہ رہے گی تو کیا ہو گا؟؟

وہ اپنی ماں سے لپٹی کتنی دیر یوں ہی کھڑی رہی۔ اپنی ماں کی خوشبو، اُن کا لمس خود میں قید کرنا چاہتی تھی جیسے۔ نائلہ بیگم رو رہیں تھیں، رو تو سب ہی رہے تھے۔ شاید اُس

پورے گھر کو اُس کے بناء جینے اور رہنے کی عادت نہ تھی۔ لیکن عادتوں کا کیا ہے؟ کبھی نہ کبھی تو بدلنی ہی پڑتیں ہیں نا۔

"اماں! بس کر دیں۔ ایسے کریں گی تو کیسے جاؤں گی میں؟"

وہ مسکرائی مگر زیادہ دیر مسکرا بھی نہ سکی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی دو آنسو کے موتی ٹوٹ کر اُس کے رخسار پر بکھرے۔

"میں جلد آ جاؤں گی، وعدہ!!"

اپنی ماں کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھامتی وہ عہد و پیماں باندھ رہی تھی۔ جو نجانے پورے ہونے بھی تھے یا نہیں۔

نائلہ بیگم نے اُس کا ماتھا چوما تو وہ ایک مرتبہ پھر مسکرائی۔ ندا بیگم سے ملی، اور مشعل۔۔۔ اُس سے ملنا تو مجبوری تھا یا شاید محبت۔ ہاں، ضرور محبت میں ہی کوئی مجبوری رہی ہو گی۔ ورنہ اُس کے بغیر وہ کیسے جی سکتی تھی۔ حسن صاحب نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ اُن کے سینے سے جا لگی۔ یکدم ایک خوف سا اُٹھا تھا کہ نجانے دوبارہ کبھی اُنہیں دیکھ سکے گی یا نہیں؟ بعض خوف ایسے ہوتے ہیں جو حقیقت کا لبادہ اوڑھے قدم جماتے ہیں۔

اُس کے جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ بہت ہمت کر کے وہ باہر کی جانب چلنے لگی۔ سب باہر نکل چکے تھے جب پری نے اُس کا ہاتھ تھامے اُسے روکا۔ حیام نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔ مشعل بھی وہیں موجود تھی، آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھری۔

"حیام! تم کیوں جا رہی ہو؟ اور تم دونوں میں کیا ناراضگی ہے؟ خدارا اُسے ختم کر کے جاؤ۔"

حیام کی نگاہیں اپنے ہاتھ پر دھرے پری کے ہاتھ میں سجی آرز کے نام کی انگوٹھی پر ٹکی تھیں۔ وہ مسکرائی اور نظریں اُٹھا کر پری کو دیکھا۔

"ہاتھ چھوڑ دو میرا۔ مجھ سے ہمدردی تمہیں بہت مہنگی پڑ گئی ہے۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

پری نے ہاتھ نہ چھوڑا تو نتیجتاً حیام نے ہی اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر سے ہٹایا۔

"کس چیز کی معافی مانگ رہی ہو تم؟"

"مجھ سے مت پوچھو، میں بتا نہیں سکوں گی اور اگر تم جان لو تو میں آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکوں گی۔ میں چلی جاؤں تو جھٹ سے مشعل کا ہاتھ تھام کر اُسے قسم دے دینا۔ سب کچھ کھول کر تمہارے سامنے رکھ دے گی۔"

حیام جانے کے لیے واپس مڑی لیکن قدم نہیں بڑھائے۔ چہرہ موڑ کر ایک مرتبہ پھر پری کو دیکھا۔

"مجھ سے نفرت مت کرنا پریشے!!"

ایک نگاہ مشعل کو دیکھ وہ باہر نکلتی چلی گئی۔

سب کو ایک نگاہ دیکھ اُسکی نگاہیں ایک مرتبہ پھر سے اپنی ماں پر ٹکیں جو مسلسل رو رہی تھیں، وہ مسکرائی۔ بازل نے اُس کے لیے گاڑی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ دروازے کو تھام نجانے اُس کے دل میں کیا آیا تھا، نظر اُٹھا کر سامنے اُس سنگدل کے کمرے سے منسلک بالکونی کو دیکھا تو وہ دشمنِ جاں وہیں ریلنگ پر ہاتھ جمائے جھکا کھڑا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کچھ لمحے دونوں ایک دوسرے کو تکتے رہے۔ آج پھر دونوں کی نگاہوں میں رقم کہانی ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ ہاں، تکلیف ایک سی تھی لیکن ایک کا دل خالی تھا جبکہ دوسرے کا بھر چکا تھا۔ آج پھر حیام بخاری نے چہرہ موڑ لیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اُس کے ساتھ مصطفیٰ صاحب بیٹھے تھے۔ بازل، شاہ میر کے ساتھ آگے فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ گاڑی چل پڑی تھی۔ جوں ہی گاڑی گیٹ سے باہر نکلتی گھر کی دیوار پار کر گئی حیام نے چہرہ موڑ کر ایک مرتبہ پھر دیکھنا چاہا لیکن منظر

آہستہ آہستہ نظروں سے دور جا رہا تھا۔حیام بخاری کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہونے کو تھا جو کہ بہت ظالم ثابت ہونا تھا۔

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

یک لفظی بہانہ ہے

تباہی کا ٹھکانہ ہے

جسے تم موج کہتی ہو

سراسر موت ہے پگلی

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

فقط حرفی مجموعہ ہے

اصل میں کھوٹ ہے یکسر

نہ اظہار ہوتا ہے

اور نہ اقرار ہوتا ہے

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

محض یہ جھوٹ ہوتا ہے

ابھی نادان جو ہو تم

مگر جب جان جاؤ گی

فقط آنسو ہی پاؤ گی

محبت کیا ہے؟

اک لمبی کہانی ہے

محبت کی زبانی ہے

ہوئی برباد جو ہے

خود کے ہاتھوں ہی

ابھی تو بین باقی ہے

ناکافی یہ آہیں ہیں

محبت کیا ہے؟

سراسر جھول ہے اس میں

کہ تم نے تو سُنی کب ہیں

روح کی سسکیاں پاگل !!

کہ جب یہ دل سسکتا ہے

فسوں چھاتا ہے ماتم کا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

محبت کیا ہے؟

رقم اک داستاں ہے یہ

یادوں کے کورے کاغذ پر

نصیبوں کی سیاہی ہے

جو تم کو خاک کرتی ہے

دردر پر رول دیتی ہے

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

سترنگی نین کٹوروں کو

لہو سے لیس کرتی ہے

آخر میں یہ تنہائی کو

سزا کا نام دیتی ہے

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

محبت کیا ہے؟

آؤ تم کو بتاتی ہوں

(از قلم سیدہ انعم بخاری)

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نجانے حیام بخاری کی محبت کے سفر کا اختتام ہوا تھا یا ابھی ہونا باقی تھا؟ تو طے ہوا محبت کا یہ سفر ادھورا ہی رہ جانے کے لیے بنا تھا۔

وہ تینوں اس وقت حویلی کی اوپری سیڑھیوں پر بیٹھی تھیں۔ساتھ ساتھ پاس رکھی مونگ پھلی کے دانے چُنتی کھا رہی تھیں۔

"یہ بھائی کب تک آئیں گے؟"

سوال مناہل نے کیا تھا۔

"آنے والے ہوں گے۔"

جواب منال کی طرف سے آیا۔

"اماں کتنی خوش ہیں نا؟ وہ حویلی جو عشاء ہوتے ہی اندھیرے میں ڈوب جاتی ہے، آج رات گئے روشنی میں جگمگا رہی ہے۔"

کرن نے مونگ پھلی کا دانہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں! خوش تو بہت ہیں۔ قسم سے آپی مجھے بہت شوق تھا آرز بھائی سے ملنے کا، آج ملاقات ہو ہی جائے گی۔"

مناہل کے چہرے پر ایک دم سے خوشی کے تاثرات ظاہر ہوئے۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ وہ آرہے ہیں؟؟ اور تھم کر رہو بی بی!! اس حویلی کی عورتیں مردوں کے سامنے نہیں جایا کرتیں۔ چاہے سے کوئی بھی رشتہ نکلتا ہو۔"

منال نے ایک لمحے میں ہی اُس کی خوشی غارت کر دی۔

"جی، آپی!"

جواباً وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

ابھی اُن تینوں میں سے کوئی کچھ کہتا، اس سے پہلے ہی گاڑی کا ہارن حویلی کے بیرونی دروازے پر سے سنائی دیا۔ صاف اشارہ تھا کہ گاڑی حویلی کی سرحد پار کر چکی تھی۔ وہ تینوں بھاگتی ہوئیں سیڑھیاں اُترنے لگیں۔ آخر کو اُنہیں کہاں معلوم تھا کہ کوئی وہاں بسنے کے لیے آیا ہے جس نے وہاں کی در و دیوار ہلا کر رکھ دینی تھی۔

جوں ہی گاڑی نے حویلی کا بیرونی دروازہ پار کر کے اندر کا رخ کیا وہاں کی دنیا ہی الگ تھی۔ حیام نے بند کھڑکی کے شیشے میں سے حویلی کو گہری نظروں سے دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں مرعوبیت سمائی لیکن گاڑی حویلی کے دروازے سے دور جا رہی تھی۔ چند سیکنڈز بعد ہی سواری حویلی کے پچھلے دروازے پر جا کر رُکی۔ حیام کو یہ سب عجیب لگا لیکن اُسے بھلا کیا؟ جو مرضی کریں یہ حویلی اور اُس میں بسنے والے لوگ۔ وہ گاڑی سے اُتر کر کھڑی ہوئی، گھوم کر ارد گرد کا منظر دیکھا۔

(کیا ایسی ہوتی ہیں حویلیاں؟) لمحہ بھر کو یہ سوچ اُس کے ذہن پر سوار ہوئی لیکن جلد ہی اُس کی تمام سوچیں اپنا سامان باندھ کر چل نکلیں۔

"چلیں بیٹا۔۔۔۔"

مصطفی صاحب نے اُس کے کاندھوں پر بانہیں پھیلائے ہوئے کہا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سیاہ لباس اوڑھے، ہم رنگ ڈوپٹہ پھیلائے جو ہمیشہ کی طرح نام کا ہی سر ڈھک رہا تھا، کالے گھنے بال کھلے ہوئے تھے۔ بالوں کی کچھ لٹیں چہرے کا طواف کر رہیں تھیں۔ وہ اس حلیے میں کہیں سے بھی حویلی میں بسنے والی سیدزادیوں کے موافق تو نہ تھی۔ ہاں، یقیناً وہ شہر کی سیدزادی معلوم ہوتی تھی۔ کیا سچ میں یہ گاؤں، شہر اور بستیاں ہماری تہذیبوں کو اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہیں؟ یا یہ سب فتور ہمارے اندر موجود ہوتا ہے۔

"جی۔۔۔"

شاہ میر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا جو کہ سیدھا برآمدے میں کھلتا تھا۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی اماں بیگم وہاں انتظار میں کھڑی ہوئیں تھیں۔ اُن کی نظریں تو بس اپنے بھانجے کو پہچانتی تھیں۔ مصطفیٰ صاحب اُنہیں دیکھ مسکرائے اور سیدھا چلتے ہوئے اماں کے ساتھ لپٹ گئے۔ اماں بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"سلام، خالہ اماں!!"

اتنے عرصے بعد تو اُنہیں اپنی ماں کی پرچھائی دِکھی تھی۔ کیوں اتنی دیر کر دی تھی اُنہوں نے اپنی ماں کو تکنے میں؟ وہ ہو بہو اُن کی ماں جیسی ہی تھیں۔

"وعلیکم السلام! چپ کر جا۔ مجھے اپنی ماں جائی کی خوشبو تو آپ میں وسا لینے دے۔"

آواز رُندھی ہوئی تھی۔اس سب میل جول میں بازل اور حیام خاموش کھڑے تھے جبکہ شاہ میر مسکرا رہا تھا۔

"سلام اماں!! اب مجھ سے بھی مل لیں، یا واپس چلا جاؤں میں؟"

شاہ میر نے اماں کی توجہ خود پر دلائی۔

"وعلیکم السلام! تُو تو میرا لال سب سے پیارا ہے۔دیکھ، تیری راہ تکتی پہلے سے بھی بوڑھی ہو گئی آں۔آ میرے پاس۔۔۔"

وہ مصطفیٰ صاحب سے الگ ہوتیں شاہ میر کے ساتھ لپٹ گئیں۔گنتی کے کچھ رشتے ہی تو تھے جو اُن کو خود سے بھی پیارے تھے۔

"خالہ اماں!! میری بیٹی سے ملیں۔"

مصطفیٰ صاحب کے کہنے پر اماں بیگم نے شاہ میر سے الگ ہوتے سر سے پاؤں تک حیام کو دیکھا۔ایک لمحے اُن کی آنکھوں میں ناگواریت اُبھری تھی جو کہ بہت جلد چھپا لی گئی۔شاید کہ اُس کا گمان وہاں موجود کسی فرد کو نہ ہوا تھا لیکن شاہ میر۔۔۔ہاں شاہ میر، وہ تو اُن کو اُن سے بھی بہتر جانتا تھا۔وہ محسوس کر گیا تھا۔

"اسلام وعلیکم!!"

حیام نے آگے بڑھ کر خالہ اماں کے سامنے اپنا سر جھکایا جو بس گہری نظروں سے اُسے تکنے میں مصروف تھیں۔

"اماں! وہ آپ کی دعاؤں کی منتظر ہے۔"

شاہ میر نے اُن کی کُہنی جُھلائی تو وہ ہوش میں آئیں اور مجبوراً حیام کے سر پر ہاتھ رکھتیں دعائیں دینے لگیں۔

"جیتی رہو۔"

اُن کا سرد لہجہ اب کی بار حیام نے بھی محسوس کیا۔اتنی تو لہجوں کی پہچان اُسے اب تک ہو چکی تھی۔

"سلام، خالہ اماں!"

بازل نے مسکرا کر اپنا سر اُن کے آگے جھکایا تو اُن کے لبوں پر پہلی سی مسکراہٹ لوٹ آئی جو نا محسوس انداز میں حیام کو دیکھ کہیں کھو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام!!"

مسکرا کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ارے مصطفیٰ! دیکھ نا، یہ تو بالکل میرے حسن کا پرتو ہے۔"

ایک مرتبہ پھر آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔ بازل کے چہرے کو تھامتیں وہ اُس کے نقوش ذہن نشین کر رہی تھیں۔ جواباً وہ صرف مسکرایا۔

" چلیں بس کردیں خالہ اماں! میرا آپ سے زیادہ گہرا تعلق ہے۔ یہ دونوں کے لیے آپ سب کو بھول جائیں۔"

دونوں مسکرانے لگے۔

"ہاں! یہ وقار بھائی اور عمران بھائی کدھر ہیں؟"

"وے!!! تو حویلی سے گیا تھا ساتھ ہی یہاں کے اصولوں سے بھی گیا اے۔ وہ مردان خانے میں تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ یہاں رات گئے تک نہ آئیں گے۔ حویلی کی عورتوں کا گزر رہتا ہے یہاں دن دہاڑے سے لے کر رات کے اس پہر تک۔"

اماں بیگم اُنہیں آگاہ کرتیں طعنہ دینا نہ بھولیں۔

" چلیں میں مل لیتا ہوں۔"

"رُک جا، سب سے مل کر جا۔"

اماں بیگم اُنہیں ساتھ لیے اپنے مخصوص جھولے پر آبیٹھیں۔ نجانے آج کیا نیا تھا جو حویلی کی عورتوں کا پردہ اُنہیں بھول گیا تھا۔ اتنے میں سر منہ ڈھانپتیں خالدہ بیگم، نفیسہ

بیگم کے ہمراہ برآمدے میں آئیں۔اُنہیں دیکھ سب ایک مرتبہ پھر کھڑے ہوئے، سوائے اماں بیگم کے۔

سلام دعا،حال احوال پوچھنے کے بعد خالدہ بیگم نے حیام کے سر پر ہاتھ رکھا،جو عجیب انداز میں اُن کے سراپوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

"یقیناً یہ حیام ہو گی۔"

"جی بھابھی !میری بیٹی ہے یہ۔"

مصطفیٰ صاحب مسکرا رہے تھے۔

"اس سے بھی ملیں۔حسن بھائی کا چھوٹا بیٹا ہے،بازل۔۔۔۔"

بازل نے نتیجتاً دونوں خواتین کے آگے سر جھکایا۔نفیسہ بیگم اُسے دعائیں دیتی بولیں۔

"یقیناً بازل ہی ہے۔آرز میاں کو کون نہیں جانتا اور وہ تو یہاں آنے سے رہے۔۔۔"

اور بس اُسی لمحے حیام کو معلوم ہو گیا تھا کہ اُس کا اس حویلی میں آنے کا فیصلہ غلط تھا۔ ایک مرتبہ پھر اُس کے بابا نے غلط فیصلہ کر ڈالا تھا۔وہ جس شخص سے بھاگتی یہاں تک آئی تھی،وہ تو اس حویلی میں رہنے والے ہر فرد کے دل و دماغ میں نقش تھا،ہمیشہ سے ہی۔۔۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Social|Poetry|Interviews

"بھابھی! بچیوں کو تو بلائیں۔"

مصطفیٰ صاحب نے استفسار کیا۔

"جاشاہ میر!! بازل کو لے جا مردان خانے، یہ آتا ہے مل کر سب سے۔"

یک دم عجیب بے سکونی پھیلی تھی ماحول میں۔ بازل الگ شش و پنج میں مبتلا ہوا۔

"نہیں اماں، بلادیں لڑکیوں کو۔ بازل بھی مجھ جیسا ہی ہے، گھر کا فرد ہے۔"

اماں بیگم نے اُسے گھوریوں سے نوازا لیکن انکار نہ کیا۔ اُس کی کہی کب ٹالا کرتی تھیں وہ۔ البتہ بازل اس سب معاملے میں بے چین سا ہو گیا تھا۔ اپنی آمد کا سُن سب لڑکیاں ڈھکے پردوں کی اوٹ سے نکل کر منظر پر آئیں۔ سب نے خود کو لمبی پاؤں تک آتی چادروں میں چھپایا ہوا تھا۔ مشکل سے اُن کا چہرہ دکھائی دیتا یا شاید وہ بھی نہیں۔ اُنہیں دیکھ بازل نے اپنا سر مزید جھکایا۔

(لو اس سے بھی زیادہ کیا پردہ کرنا تھا، حد ہے خالہ اماں کی بھی۔) وہ محض یہ سوچ ہی سکا تھا۔

"ماشاءاللہ!!! وقت کتنی جلدی گزر گیا ہے نا خالہ اماں!! سب بچے جوان ہو گئے اور ہم بوڑھے۔"

خالہ اماں کو دیکھتے مصطفیٰ صاحب نے اداسی کا اظہار کیا۔

"ہاں، وقت تو گزر گیا ہے میاں! تم ہی وقت سے بھی آہستہ چلے ہو بس۔"

"چلیں چچا جان! آئیں آپ کو مردان خانے لے چلوں۔"

شاہ میر منظر سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔

"ہاں، چلو۔"

جوں ہی مصطفیٰ صاحب اور بازل کھڑے ہوئے حیام نے فوراً سے پیشتر اپنے باپ کی بازو سختی سے جکڑی۔ آنکھوں میں اکیلے رہ جانے کا خوف لہرایا۔

"بابا!"

وہ بس اتنا ہی بول سکی تھی۔

"ارے، بیٹھ جاؤ بی بی! آجائے گا تمہارا باپ واپس۔"

اماں بیگم نے اُسے دیکھ شاید پھر سے کوئی طنز کیا تھا یا شاید صرف اُسے ہی ایسا لگا تھا۔

"گڑیا میں آرہا ہوں۔"

حیام کا ماتھا چومتے وہ چلے گئے۔ حیام نے چہرہ اُٹھا کر سب کو دیکھا۔ سب مردوں کے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جاتے ہی عورتوں نے اپنے چہرے اوڑھی چادروں سے باہر نکالے۔

"جاؤ مناہل ! ! پانی لے کر آؤ اپنی باجی کے لیے اور کسی سے کہنا مردان خانے تک بھی پانی لے جائے۔"

خالدہ بیگم کہتی ہوئیں حیام کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

"جی، امی !"

"گھر میں سب کیسے ہیں بیٹا؟"

"جی، ٹھیک۔۔۔۔"

اُس نے انجان نظروں سے اُنہیں دیکھا۔

"میں خالدہ ہوں، شاہ میر کی امی اور تمہاری تائی۔"

شاید وہ اُس کے ان کہے سوالوں کو سمجھ گئیں تھیں۔

"اور یہ نفیسہ ہے، تمہاری چھوٹی تائی۔ چلو لڑکیوں اپنا تعارف کرواؤ۔"

"میں کرن ہوں۔"

کرن نے کہتے ہی اُس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا جو کہ نہ چاہتے ہوئے بھی تھام لیا گیا۔

"اور یہ میری جڑواں بہن، منال ہے۔"

حیام نے چہرہ اُٹھائے منال کو دیکھا جو کہ خاموش نظروں سے اُسے تکے جا رہی تھی۔

"اور میں مناہل ہوں، شاہ میر بھائی کی بہن۔۔۔"

مناہل نے مسکراتے ہوئے پانی سے بھرا گلاس اُس کے سامنے کیا جو کہ اُس نے مسکرا کر تھام لیا اور مناہل کا گال کھینچا۔

"بہت شکریہ، پیاری لڑکی!!!"

وہاں سب مسکرا رہے تھے، سوائے اماں بیگم اور منال کے۔

"چلو تم تھک گئی ہو گی، آجاؤ تمہیں تمہارا کمرہ دِکھا دوں۔"

یہ کرن نے کہا تھا۔

"ہمم۔۔۔"

اُس کے ہاتھ میں موجود گلاس خالدہ بیگم نے تھام لیا۔

"وہ بابا۔۔۔۔۔"

"وہ آئیں گے تو اپنے کمرے میں چلے جائیں گے۔"

خالدہ بیگم نے ایک مرتبہ پھر اُس کی پریشانی ختم کرنا چاہی۔

"میں بابا کے کمرے میں ہی رہوں گی۔"

"بی بی! اس حویلی میں لڑکیاں اپنے باپ، بھائیوں کے کمروں میں نہیں رہا کرتیں۔"

اماں بیگم نے طنز کا ایک اور تیر چلایا۔

"لیکن میں رہوں گی۔۔۔"

جواباً حیام نے بھی اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سارے حساب برابر کیے۔ چند لمحوں کے لیے خاموشی کا راج ہوا۔ پہلے کبھی تو کسی نے یوں اماں بیگم کو جواب نہ دیا تھا۔

"اچھا رہ لینا، آجاؤ۔ اماں کچھ دنوں کی مہمان ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے؟ شہر سے آئی ہے، وہاں کے اصول اس حویلی سے زرا الگ ہیں۔"

نفیسہ بیگم نے ماحول میں جمی برف کو پتھرایا۔

"آؤ تمہیں چھوڑ دیتی ہوں۔"

"امی! ہم لے جاتے ہیں۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کرن نے اُسے چلنے کا اشارہ کیا۔وہ کرن کے ساتھ چلی گئی تھی۔مناہل بھی ساتھ ہولی لیکن منال وہ اب تک اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔

"منال!!تم بھی چلی جاؤ بچے۔۔۔۔"

خالدہ بیگم نے اُسے جانے کا کہا۔

"جی۔۔۔"

وہ کہتی ہوئی چل دی۔برآمدے سے نکلتے ہی اُس کی آنکھوں میں خوف نے سر اُٹھایا۔ اُس کے قدموں کی رفتار بڑھ گئی۔وہ بھاگتے ہوئے سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔وہاں حیام ایک مرتبہ پھر اُسے دِکھی،حیام نے بھی شاید اسے دیکھا تھا۔چہرہ موڑ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگتی چلی گئی۔کمرے میں پہنچ کر دروازہ بند کیا۔خود کے گرد لپٹی چادر زمین بوس ہو چکی تھی۔وہ دروازے کے ساتھ لگتی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

(وہ یہاں کیوں آئی ہے؟)بس ایک یہی سوال اُس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

ایک کمرے کا دروازہ کھولتی کرن اُسے اندر لے آئی۔

"یہ رہا چچا جان کا کمرہ۔"

کمرے میں جابجا اُس کے بابا کی تصویریں لگیں تھیں۔ وہ یقیناً اُنہی کا کمرہ تھا۔ ہاں، اُس کے بابا کا ہی تھا۔ وہاں اُس کے بابا کی خوشبو بسی تھی یا شاید اُسے ہی ایسا محسوس ہوا تھا۔

"تم آرام کرلو، فریش ہو جاؤ۔ میں کھانا لاتی ہوں۔ چچا جان لوگ تو مردان خانے میں کھالیں گے۔"

کرن کہہ کر پلٹی لیکن حیام نے روک لیا۔

"نہیں، رہنے دو۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"بہتر! چلتی ہوں۔ آجاؤ مناہل! آرام کرنے دو انہیں۔"

"آتی ہوں آپ جائیں۔"

مناہل نے کرن کو جواب دیا جسے سُن کر وہ چلی گئی۔

"کیا میں کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھ سکتی ہوں؟؟"

آنکھوں میں اشتیاق لیے وہ حیام سے اجازت مانگنے لگی۔

"ہاں، بیٹھ جاؤ۔"

حیام نے اُسے اجازت دی۔ وہ بیٹھ گئی البتہ حیام کھڑی رہی۔

"آپ کی منگنی تھی نا؟اُنہی کے ساتھ ناجو آئے ہیں؟"

وہ شوق شوق میں وہ سب کچھ جاننا چاہتی تھی جن سوالوں سے حیام بچنا چاہتی تھی۔

"ہمم!!لگتا تو یہی ہے یا شاید آنکھوں کا دھوکا ہے۔"

دھیمے لہجے میں وہ جواب دے رہی تھی۔

"آپ منال آپی کی طرح ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

حیام نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔

وہ بھی بالکل آپ کی طرح مشکل مشکل باتیں کرتیں ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

حیام کو وہ لڑکی یاد آگئی جو کچھ دیر پہلے عجیب نظروں سے اُس کا جائزہ لے رہی تھی۔

تمہاری مشکل میں آسان کردیتی ہوں۔ہاں،وہی ہے جس سے میری منگنی ہوئی تھی۔"

مناہل مسکرا کر اپنے اگلے سوال پر آگئی۔

"آرز بھائی نہیں آئے؟ مجھے بہت شوق ہے اُن سے ملنے کا۔میں تو سمجھی تھی کہ وہ آئیں گے آپ کے ساتھ لیکن یہ تو کوئی اور ہی آگئے۔ارے کیا نام ہے اُن کا؟ بازل بھائی ہیں نا یہ؟"

وہ خود سے سوال کرتی خود ہی جواب دیتی حیام کا سکون ایک مرتبہ پھر تباہ کر گئی۔حیام نے بے بسی سے آنکھیں موندیں۔

"چلی جاؤ تم یہاں سے۔مجھے آرام کرنا ہے۔"

لہجہ کاٹ دار تھا جسے سامنے بیٹھی مناہل نے بھی محسوس کیا۔وہ ان لہجوں کی عادی نہ تھی۔کوئی اُس سے اس لہجے میں بات نہ کرتا تھا۔آنسو آنکھوں میں آگئے جن کی پرواہ حیام کو تو ہرگز نہ تھی۔

"جی بہتر!!"

رُندھی ہوئی آواز میں کہتی وہ کمرے کا دروازہ بند کرتی چلی گئی جس کے بعد حیام ڈوپٹہ اُتارے بیڈ پر سیدھی لیٹ گئی۔یہاں موجود سب لوگ صرف حیام سے اُس ایک شخص کا ذکر چاہتے تھے اور حیام اُسی ایک شخص سے جان بخشی۔

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشان ہوں میں

روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

(پروین شاکر)

وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی جب کرن دروازہ کھول داخل ہوئی۔اُسے دیکھ پوچھ بیٹھی۔

"کیا ہوا ہے منال؟"

"وہ،وہ لڑکی۔۔۔۔۔"

رُک کر اُس نے کرن سے کچھ کہنا چاہا۔

"حیام نام ہے اُس کا۔"

"ہاں،وہی۔۔وہ کیوں آئی ہے؟"

کرن کو شاید ایسے غیر متوقع سوال کا اندازہ نہ تھا تو حیران ہوئی۔

"کیا مطلب کیوں آئی ہے؟یہ حویلی اُس کی بھی ہے۔چچا جان کی بیٹی ہے وہ۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"نہیں، تم نہیں سمجھو گی میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔"

بکھرے ہوئے حلیے میں وہ بیڈ کے کنارے پر جا بیٹھی۔

"کرن!! تم نے اُس کی آنکھیں دیکھی ہیں؟"

"ہاں، دیکھی ہیں۔ بالکل نارمل ہیں۔"

کرن کو وہ ٹھیک نہیں لگی تھی۔

نہیں تم نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا ہی نہیں ورنہ تمہیں دِکھ جاتا جو میں نے دیکھا "ہے۔"

"کیا دیکھا ہے تم نے؟"

"میں نے، میں نے اُس کی آنکھوں میں۔۔۔۔۔۔۔بغاوت دیکھی ہے۔"

وقفے وقفے سے کہتی وہ بے بنیاد باتیں بولے جا رہی تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو تم؟"

کرن نے سوال کیا۔

"نہیں، میں نے سچ میں۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ بولنا چاہتی تھی مگر کرن نے روک دیا۔

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے منال۔ سو جاؤ، رات بہت ہو گئی ہے۔"

تم نے دیکھا نہیں اُس نے تمہاری اماں کے سامنے جواب دینے کی غلطی بھی کی "

"ہے؟

کرن جو واپس جا رہی تھی ٹھہر گئی۔

"اب سوچو کہ میں ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔"

وہ چل کر اُس کے پاس آئی۔

"وہ بغاوت چاہتی ہے اور میں نے اُس کے آتے ہی بغاوت کی بو سونگھ لی ہے۔"

"وہ ایک دو دن میں کیا کر لے گی؟ کچھ بھی نہیں۔"

کرن نے جواب دیا۔

"بغاوت کے لیے ایک لمحہ کافی ہوتا ہے۔"

اُس کی بات سُن کرن مختلف سوچوں میں گھری کمرے سے نکل گئی جبکہ وہ وہیں کھڑی حیام بخاری کی آنکھوں میں دفن قصوں، کہانیوں کی تلاش لینا چاہتی تھی۔

پوری حویلی سوچکی تھی۔آج پھر چاند کی روشنی میں ایک وجود سر تا پاؤں چادر میں سموئے چلتا اُسی ایک کھڑکی کے پاس آیا اور ہمیشہ کی طرح وہیں زمین پر ڈھے گیا۔

"تم پھر آگئی ہو؟ کتنی مرتبہ کہا ہے کہ مت آیا کرو، کوئی دیکھ لے گا۔"

کھڑکی کے دوسری طرف بیٹھے لڑکے نے ہمیشہ کی طرح کہی بات دہرائی۔

"مجھے میرا جواب دے دیں گے تو چلی جاؤں گی۔بشرطیکہ کہ جواب میرا من چاہا ہو۔"

وہ بھی بضد تھی۔

"تمہارا بچہ تم تک جلد آجائے گا۔میرے آدمیوں نے اُسے ڈھونڈ لیا ہے۔"

"سچ؟؟سچ کہہ رہے ہیں ناآپ؟"

آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔آج پھر ایک ماں اپنی اولاد کے لیے رو رہی تھی۔

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔کچھ دن اور بس، پھر لے آؤں گا اُسے میں۔"

اب کی بار اُس نے وعدہ نہیں لیا تھا۔اب شاید ضرورت نہ رہی تھی۔وہ وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی، سکون کی نیند سونے۔ نہیں، نہیں اُسے نیند کہاں آنی تھی اب۔۔۔اُس کی منزل قریب تھی۔اس حویلی کے لوگ چاہتے یا نہ چاہتے،اُس کا بچہ اس حویلی میں آکر

رہے گا اب۔اب اُسے بغاوت نہیں کرنی تھی۔حویلی میں بغاوت کرنے اور بہت لوگ جو آچکے تھے۔اُسے تو بس اپنا بچہ چاہیے تھا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

اُسے گئے ہوئے نجانے کتنے گھنٹے گزر چکے تھے۔رات کا جانے کون سا پہر ہو گیا تھا،وہ زمین پر بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھا دور کسی نقطے کو تکنے میں مصروف تھا۔سامنے رکھی میز کھلی ہوئی تھی،وہی جس میں اُس کے راز دفن تھے۔ہاتھ میں حیام کے بچپن کی تصویر تھی جس میں وہ مسکراتی کہیں سے بھی اب کی حیام نہ لگ رہی تھی۔ایک مرتبہ پھر اُس نے اپنے ہاتھ میں موجود اُس تصویر کو دیکھا۔نیلے رنگ کا باربی گاؤن پہنے،بال کھولے جو کہ اُس وقت کاندھوں تک آتے تھے۔۔۔اُسے ہمیشہ سے ہی شاید بال کھول کر رکھنے کی عادت تھی،سر پر تاج سجائے مسکرا رہی تھی۔وہ اُس کی نویں سالگرہ کی تصویر تھی۔آرز کو یاد آیا کہ اُسے ہمیشہ سے شوق ہوا کرتا تھا پرنسز بننے کا اور تصویر میں پہنا وہ باربی گاؤن،وہ بھی تو آرز کی ہی پسند کا تھا۔آرز حسن سوچتا ماضی میں کھو گیا۔

نو سال کی حیام اپنے کمرے میں رو رہی تھی،وجہ یہ تھی کہ اُسے گلابی رنگ کا باربی گاؤن چاہیے تھا جو کہ مل ہی نہیں رہا تھا اور اُسے تو بس اپنی سالگرہ منانی تھی تو اپنی پسند کا رنگ پہن کر۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آرز جس کی عمر پندرہ سال تھی، دروازہ کھولے اندر داخل ہوا۔

"کدھر ہے حیام؟؟ میری جان کدھر ہو؟"

شاید وہ آرز کو پہلی نظر میں نہ دِکھی تھی، چہرہ گھما کر دیکھا تو بیڈ کی دوسری سائیڈ پر زمین پر بیٹھی اب چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُسے چھپتا دیکھ آرز مسکرایا۔

"ارے میری ڈول تو مجھے مل ہی نہیں رہی، اب کیا کروں میں؟"

اُس کے ڈول کہنے پر حیام نے منہ کے زاویے بگاڑ اُس کی نقل اُتاری۔

"اوفو!!!! اب مجھے نئی ڈول ڈھونڈنا پڑے گی۔"

وہ افسوس سے کہتا وہیں بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اُس کی پشت حیام کے جانب تھی۔ حیام نے آہستہ سے اپنا سر اُٹھا کر اُسے دیکھا، وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا وہ یہی سمجھی تھی جبکہ سامنے آئینے میں اُس کو یوں باہر نکلتا دیکھ کر آرز کو ہنسی آئی۔

"ایک کام کرتا ہوں کہ میں مشعل کو اپنی ڈول بنا لیتا ہوں۔"

آرز نے کہتے ہی جھوٹ موٹ کا اُٹھنے کا ناٹک کیا جو کہ کار آمد ثابت ہوا۔ حیام فوراً نکل کر باہر آئی۔

"نو۔۔۔۔!"

اُس کے یوں کہنے پر آرز نے حیران ہونے کی بھرپور کوشش کی۔

"ارے میری ڈول تو یہیں تھی، مجھے دِکھی ہی نہیں۔"

"ارے آرز بھائی!!!!!!!!میں آپ کی ڈول نہیں ہوں۔"

منہ کے زاویے ایک مرتبہ پھر بگاڑے۔

"اچھا تو پھر کیا ہو؟؟"

وہ واپس بیٹھتا اُس کے ہاتھ تھام گیا۔

"میں آپ کی جان ہوں۔ڈول تو میں اپنے بابا کی ہوں نا۔"

اور جان لفظ پر تو آرز حسن قربان جاتا تھا۔وہ سچ میں اُس کی جان تھی۔

"چلو ٹھیک ہے آج سے تم میری جان ہو۔پھر میری جان میری ایک بات مانے گی؟؟"

"وہ کیا؟"

ساتھ ہی اثبات میں سر بھی ہلایا۔

"مجھے نا یہ گلابی رنگ بالکل نہیں پسند، نیلا رنگ پسند ہے مجھے۔اور میں چاہتا ہوں کہ تم

سالگرہ پر نیلے رنگ کی باربی بنو میری۔"

اُس کا چہرہ دل میں اُتارتے وہ اُسے راضی کر رہا تھا۔

"اوفو یہ آپ کو نیلا رنگ کیوں پسند ہے؟؟ مجھے نہیں پسند۔۔۔۔۔۔"

وہ منہ پھلائے اپنے ہر لفظ کو لمبا کھینچے بول رہی تھی۔ کیا انداز تھے؟ لیکن پھر ساتھ ہی بول پڑی۔

"آپ کو جو پسند ہے آپ کی جان وہی پہنے گی۔"

وہ مسکرا کر کہتی اُس کی بازو سے چپک گئی، اور بھی نجانے وہ کیا کیا بولے جارہی تھی لیکن آرزِ حسن واپس حال میں لوٹ چکا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی لیکن آنکھوں میں آنسو۔ وہ جس کو افسردہ نہیں دیکھ سکتا تھا، آج کیسے وہ اُس سے ناراض ہو کر دور جا بیٹھی تھی۔ کیا معلوم وہ ٹھیک ہو گی بھی یا نہیں؟ گردن گھما کر باہر آسمان پر موجود چاند کو دیکھا، تو کچھ یاد کر کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔ فوراً موبائل اُٹھا کر شاہ میر کو کال کی۔ کافی دیر کے بعد کال اُٹھائی گئی۔

"کہاں تھا؟ فون کیوں نہیں اُٹھا رہا تھا تو میرا؟؟"

"یار سو رہا تھا میں۔ کیا ہو گیا ہے؟ رات دیکھ کتنی ہو گئی ہے۔"

شاہ میر کی آواز اُس کی نیند کی چغلی کھا رہی تھی۔

"تو نیند کو دفع کر، یہ بتا وہ ٹھیک ہے نا؟"

آواز میں بے قراری تھی۔

"ہاں، ٹھیک ہے وہ۔ بس یہ پوچھنے کے لیے کال کیا تھا؟؟"

شاہ میر کُہنی کے بل بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

"نہیں، یہ پوچھنا تھا کہ اُس کے کمرے میں کھڑکی موجود ہے؟"

اُس کا سوال سُنتے ہی شاہ میر تیزی سے اُٹھ بیٹھا۔

"آرزیار تو پاگل تو نہیں ہے؟؟ یہ پوچھنے کے لیے تو نے مجھے اُٹھایا ہے کہ اُس کے کمرے میں کھڑکی ہے کہ نہیں؟ کیوں تو نے وہاں سے کُود کر جان دینی ہے؟"

شاہ میر کو اپنی نیند میں خلل بُرا لگا تھا۔

"یہ غصہ اپنا سنبھال کر رکھ۔ میں تیرا منہ توڑ دوں گا، جو پوچھا ہے وہ بتا؟"

جواباً وہ خاموش رہا۔

"شاہ میر۔۔۔۔۔۔!!"

آرز کی آواز میں تنبیہ تھی۔

مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ٹھہری ہے۔رات مردان خانے سے آتے دیر ہوگئی تھی۔"

"صبح معلوم کر کے بتادوں گا تجھے۔

"نہیں،تو ایک کام کر ابھی اُٹھ جا کر دیکھ۔"

حکم سُنایا گیا۔

"تو پاگل ہوگیا ہے آرز؟"

شاہ میر کو کوفت ہوئی۔

"میں کہہ رہا ہوں نا جا کر دیکھ اور اگر اُس کے کمرے میں کھڑکی نہیں تو کمرہ بدلوادے۔

اُسے رات میں چاند کو تکنے کی عادت ہے۔نہ نظر آیا چاند تو ساری رات جاگتی رہے

گی۔"

آرز کا کہنا تھا کہ شاہ میر نے ٹھنڈی آہ بھری اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے نظر آتے

چاند کو ملامتی نظروں سے دیکھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔خدا حافظ۔۔۔!"

کہتا ہوا فون بند کر گیا۔بیٹھے بیٹھے ایک مرتبہ پھر چاند کو دیکھا۔

"لعنت ہے یہ محبت پر۔۔۔حد ہو گئی بھئی، اتنی چھچھوری حرکتیں؟اب اس وقت لڑکیوں کے کمرے جھانکتا اچھا لگوں گا کیا؟اسی وجہ سے میں محبت وحبت کے چکر میں نہیں پڑتا چاند میاں!!"

چاند کو تکتے وہ اُس سے بات کر رہا تھا۔نظروں کے سامنے ایک پری چہرہ اُبھرا جو کہ جیسے آیا تھا ویسے ہی اپنی جھلک دکھائے غائب ہو چکا تھا۔

"آہ!!یہ محبت۔۔"

کہتے ساتھ ہی واپس سونے کے لیے لیٹ گیا۔ہاں،البتہ اس مرتبہ اپنا موبائل آف کرنا نہ بھولا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جبکہ دوسرے منظر میں حیام سچ مچ نہ سو سکی تھی۔اُس کمرے میں کہیں کوئی کھڑکی موجود نہ تھی جہاں وہ چاند کو دیکھ سکتی۔اگر یہ بات آرز حسن جان لیتا تو شاہ میر کو اپنے ہاتھوں مار دیتا۔

وہ اپنے کمرے میں موجود صوفے پر بیٹھی سوچ میں گم تھی اور اُس کی سوچ کے تمام سرے حیام سے جا ملتے تھے۔اُس کے جانے کے بعد مشعل نے اسے سب باتوں سے

آگاہ کر دیا تھا۔ کتنا کچھ چھپایا گیا تھا اس سے۔۔۔۔

حیام مجبور ضرور تھی لیکن وہ بتا تو سکتی تھی؟ کوئی اشارہ تو دیا ہوتا۔ کاش کہ حیام نے اس سے دوستی نبھائی ہوتی۔ اگر وہ دوستی نہیں نبھا سکتی تھی تو پری کا بڑھایا ہاتھ تھاما ہی کیوں تھا؟ دوست ایسے تو نہیں ہوتے جو آپ کو جانتے بوجھتے اندھی کھائی میں دھکا دے دیں۔ چاہے وہ کتنی ہی دلیلیں دے، اُس نے طے کر لیا تھا کہ وہ حیام کو معاف نہیں کرے گی۔ مشعل ٹھیک کہتی تھی اُس نے پری کو جھوٹی یقین کی ڈوریں تھمائیں تھیں۔

ٹھیک ہے وہ آرز کو پسند نہیں کرتی تھی، اُس رشتے سے خوش بھی نہ تھی لیکن سچائی جاننے کا اسے حق تھا۔ بھلا خوش گمانیوں پر بھی کبھی کسی کا بس ہوتا ہے۔ خوش گمانیاں تو نہ چاہتے ہوئے بھی چپ کر کے آپ کے دامن سے آلپٹتی ہیں۔

کوئی جو بھی کہے کہ اُس کے لیے معاف کرنا آسان تھا، اُس کا دل کون سا آرز کے نام کی تسبیح پڑھتا تھا۔۔۔۔۔ وہ کہہ سکتے تھے۔ جس پر گزرتی ہے وہ جانتا ہے کہ بات عزت اور ریجیکشن پر آجائے تو دل دل کہاں رہتا ہے۔

لیکن وہ مجبور بھی تھی۔ ہزار فیصلے کر لینے کے بعد اُس کا دل وہی نرم تھا۔ رہ رہ کر حیام کی کہی باتیں ذہن کے پردے پر رقص کرتی تھیں۔

(مجھ سے ہمدردی تمہیں بہت مہنگی پڑ گئی ہے۔)

حیام کے کہے الفاظ کان میں گونجنے لگے۔

(ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔)

ایک مرتبہ پھر۔۔۔۔۔پری نے آنکھیں بند کر کے اُن الفاظوں، حیام کی آواز سے جان چھڑانا چاہی۔

(اگر تم جان لو تو میں آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکوں گی۔)

لیکن وہ آواز جا ہی نہیں رہی تھی۔اب کی بار کانوں پر ہتھیلیاں جمائے کوشش کی گئی۔

(مجھ سے نفرت مت کرنا پریشے!)

ہر کوشش بے کار گئی تھی۔اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں تم سے نفرت نہیں کر سکتی حیام!!!تم میں کچھ ایسا جادو ہے جو مجھے تم سے کبھی نفرت نہیں کرنے دے گا۔"

آنسوؤں کو روکتی اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور اپنی اُنگلی میں موجود آرز کے نام کی انگوٹھی ایک نظر دیکھ اُتار دی۔

"حیام!!!تم تو چلی گئی ہو،اپنی امانت میرے پاس چھوڑ گئی ہو۔یہ تو لیتی جاتی۔۔۔۔"

اُٹھ کر وہ انگوٹھی ڈبیہ میں ڈال بند کر دی۔ جانے اب وہ ڈبیہ کب کُھلنی تھی؟ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ جب تک اُس انگوٹھی کو پھر سے روشنی کی لو نصیب ہوتی، تب تک اُس کی چمک وقت کی دھول کے نظر ہو چکی ہوتی۔

سورج کی پہلی کرن منظر پر چمکتے ہی حویلی کی زندگی معمول پر آ گئی۔ جہاں شہر کی دنیا ابھی تک سونے میں مشغول تھی، وہیں گاؤں میں بسنے والے اپنے شاید آدھے کام نپٹا چکے تھے۔

شاید رات کے کسی پہر حیام کی آنکھ لگ گئی تھی جو کہ اب کسی آواز پر کُھلی تھی۔ آواز کی سمت جاننا چاہی تو معلوم ہوا کہ آواز دروازے کے دوسری جانب سے متوقع تھی، ضرور کوئی اُسے جگانے آیا تھا۔

کسلمندی سے اُٹھتی دوپٹہ اوڑھا اور کھلے بالوں کو جوڑے میں لپیٹا۔

"آجائیں، دروازہ کھلا ہے۔"

یقیناً دروازہ کھلا ہی تھا۔ اُس کے بابا جو وہاں موجود نہ تھے۔ ضرور یہاں کی زندگی کی ڈگر پر چل نکلے ہوں گے۔ اُس کے اجازت دیتے ہی کرن اندر داخل ہوئی۔

"سلام! وہ میں آپ کو اُٹھانے آئی تھی۔"

"وعلیکم السلام!! اُٹھ گئی ہوں میں۔"

کہتے ساتھ ہی منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے باتھ روم کا رخ کیا۔ جبکہ کرن باہر اُس کی منتظر کھڑی رہی۔ حیام جوں ہی باہر نکلی، وہ ایک مرتبہ پھر شروع ہو گئی۔

"آجائیں، ناشتہ تیار ہے۔ حویلی میں تو سب کر چکے، چچا جان بھی مردان خانے چلے گئے ہیں۔ جانے سے پہلے آپ کے خیال کا کہہ کر گئے تھے۔"

حیام نے ایک نظر اُسے دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بازل؟؟ وہ کدھر ہیں؟"

وہ باہر جانے کے لیے تیار تھی۔ کپڑے البتہ اب بھی کل والے ہی تھے۔

"وہ بھی شاید مردان خانے ہی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم۔۔۔۔۔۔۔"

کرن اُسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی جسے حیام نے محسوس کر لیا تھا۔

"کیا ہوا؟؟ کچھ مسئلہ ہے کیا؟"

"نہیں، وہ اگر کپڑے تبدیل کرنا چاہو تو میں انتظار کر لوں گی۔"

"نہیں، میں بعد میں کرلوں گی۔ مجھے کچھ ضروری بات کرنا ہے بازل سے۔"

وہ کہتے ہوئے باہر کو نکل گئی۔ کرن اُس کے ساتھ ساتھ ہی چل رہی تھی۔ وہ اب بھی خود کو چادر میں چھپائے ہوئے تھی، ہاں چہرہ واضح تھا۔

اُس کے برعکس حیام کا ڈوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا۔ سیڑھیاں اُترتے ہی حیام نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کہاں جانا ہے؟"

"آجاؤ، اس طرف کیچن ہے۔"

بائیں جانب وہ اُسے لیے چل دی۔ وہاں داخل ہوئی تو چار پانچ ملازمائیں جو کہ اپنے کاموں میں مصروف تھیں، سب کام چھوڑ سر جھکائے کھڑی ہو گئیں۔

"سلام، بی بی جی!!"

ہم آواز سلام کرتیں چادر سے خود کو ڈھکے سب کی سب جواب کی منتظر تھیں۔ حیام کے لیے یہ سب نیا تھا۔ یہ کون سی دنیا تھی جہاں وہ آگئی تھی۔

"وعلیکم السلام!"

"آجاؤ، حیام یہاں بیٹھو۔۔۔۔"

کرن نے باورچی خانے کے وسط میں موجود ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ناچاہتے ہوئے بھی وہ بیٹھ گئی۔

"بشیر ابی! ناشتہ دیں۔"

کرن کے ایک مرتبہ کہنے پر ہی ایک ملازمہ جو عمر میں باقی تمام ملازماؤں سے بزرگ معلوم ہوتیں تھیں،آگے ہوکر ایک ایک کر میز پر سجے ناشتے کے ڈھکن اُٹھاتیں حیام کے حکم،اُس کی پسند سے آگاہی چاہتی تھیں۔

"آپ رہنے دیں،میں کرلوں گی۔"

حیام نے اُنہیں منع کرنا چاہا لیکن کرن نے ٹوک دیا۔

"یہ ان کا کام ہے،انہیں کرنے دو۔"

باہر برآمدے سے اماں بیگم کی آوازیں آنے لگیں،وہ بشیر ابی کو بلارہی تھیں۔ایک جوان عمر لڑکی فوراً آگے بڑھی۔

"بے بے!! تو جا میں دیکھ لیتی ہوں۔"

حیام نے غور سے اُس لڑکی کو سرتا پاؤں دیکھا۔وہ شاید حیام کی ہم عمر تھی یا اُس سے بھی چھوٹی۔

"کیا لیں گی آپ؟؟"

"کافی۔۔۔۔۔"

حیام کے کہنے کی دیر تھی وہ سوالیہ نظروں سے کرن کو تکنے لگی۔

"حیام معذرت خواہ ہوں۔یہاں کی ملازمائیں کافی بنانا نہیں جانتی ہیں۔حویلی کے تمام لوگ چائے ہی پیتے ہیں۔ہاں، شاہ میر بھائی کافی لیتے ہیں لیکن تمام سامان اُن کے کمرے میں ہی موجود ہوتا ہے اُن کی آسانی کے لیے۔"

حیام نے آنکھیں بند کیں۔

"کوئی بات نہیں، میں چائے پی لوں گی۔"

حیام کے کہتے ہی اُسی لڑکی نے ایک مرتبہ پھر چائے سے بھرا کپ اُس کے سامنے رکھا۔اس سے پہلے کہ وہ اُسے پیتی، مناہل وہاں آپہنچی۔

سلام، حیام باجی!! وہ اماں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔شاہ میر بھائی آپ کے لیے کافی لا رہے ہیں۔"

"وعلیکم السلام!!اُنہیں کس نے؟"

ابھی وہ جملہ بھی مکمل نہ کر پائی تھی، مناہل پھر بول پڑی۔

"بازل بھائی نے بتایا ہے اُنہیں کہ آپ چائے نہیں پیتی۔"

"اُن کو منع کر دو۔ میں چائے پی لوں گی۔"

وہ کہہ تو رہی تھی لیکن ہاتھ بڑھایا تک نہ تھا۔ چہرہ اُٹھا کر کرن کو دیکھا۔ وہ اسے ہی تک رہی تھی۔

"کہاں ہیں تمہاری اماں بیگم؟"

کھڑے ہوتے وہ عجیب لہجے میں پوچھنے لگی۔

میں لے چلتی ہوں آپ کو۔ اُن کے پاس بازل بھائی ہیں نا تو کرن آپی سامنے نہیں "جائیں گی۔"

حیام مناہل کے ساتھ چلی گئی جب کہ کرن وہیں کھڑی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔

(منال ٹھیک کہہ رہی تھی۔ شاید یہ لڑکی بغاوت چاہتی ہے۔)

حیام کے ہر انداز میں باغی پن تھا۔

وہ مناہل کے ساتھ چلتے ہوئے باورچی خانے سے باہر نکلی۔ آج مناہل نے بولنے میں پہل نہ کی تھی۔ شاید وہ رات والے انداز سے ڈر گئی تھی۔

"معاف کردو مجھے۔۔۔"

حیام کی بات پر مناہل نے گردن موڑ کر دیکھا۔

"کس چیز کے لیے؟؟"

"کل ڈانٹ دیا تھا میں نے تمہیں۔ طبیعت ٹھیک نہیں تھی میری، سوری۔"

وہ دوزانو وہیں اُس کے سامنے بیٹھ گئی،اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے۔

"اب بالکل نہیں ڈانٹیں گی نا آپ مجھے؟؟"

مسکراہٹ ایک مرتبہ پھر نمودار ہوئی۔

"بالکل بھی نہیں۔آؤ دوستی کر لیتے ہیں۔"

حیام نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جسے وہ فوراً سے بھی پہلے تھام گئی تھی۔

"تم جاؤ میں چلی جاؤں گی۔ یہاں سے برآمدے تک مجھے راستہ معلوم ہے۔"

حیام کے مسکرا کر کہنے پر وہ ہاں میں سر ہلائے واپس چلی گئی۔

حیام واپس اُٹھتی چلنے لگی۔اطراف کا جائزہ لیتی وہ برآمدے سے آنے والی آوازوں کے قریب جا رہی تھی۔ برآمدے اور اُس کے درمیان پردوں کا ایک طویل سلسلہ تھا اور

پردے کے اُس پار ہونے والی گفتگو وہ بآسانی سُن سکتی تھی لیکن آوازوں کو دھیمار کھا گیا تھا۔

برآمدے میں اماں بیگم کے ہمراہ اُس کے بابا موجود تھے۔ نجانے وہ کیا بات کر رہے تھے جس پر اماں بیگم غصے کا اظہار کر رہیں تھیں۔ حیام نے آگے ہو کر اُن کی باتیں واضح طور سننا چاہیں۔

"کیا کہہ رہا ہے مصطفیٰ؟؟ منگنی توڑ دی ہے۔ ارے تو باؤلا ہو گیا ہے؟ ایک تو پہلاں یہ منگنی کرنے کی سوجھی، تو کیا سوجھی تھی تجھے؟ جب تو جانتا تھا کہ سیدوں میں منگنیاں نہیں ہوتی ہیں، سیدھے نکاح ہوا کرتے ہیں، رخصتیاں ہوا کرتیں ہیں؟؟"

خالہ اماں!! آپ میری بات سمجھیں۔ غلطی ہو گئی لیکن خیر اچھا ہی ہوا۔ میری بیٹی "خوش نہیں تھی۔ میں کیسے کوئی سخت قدم اُٹھاتا؟"

"بس کر وے میاں، یہ شہر نہیں اے جہاں تو اپنی چار باتیں سنائے گا تو میں مان جاؤں گی۔ یہ حویلی اے، یہاں کڑیوں سے اُن کی مرضیاں نہیں پُچھی جاندیاں۔ حکم سُنائے جاندے نیں۔۔۔۔ اور بُرا مت مانیو تیری اس بیٹی کو دیکھ ہی پتہ چلے اے کہ کیا تربیت ہوئی ہے اُس کی؟"

حیام سے مزید نہ سُنا گیا، پردہ اُٹھاتی وہ برآمدے میں داخل ہوئی تو سامنے بیٹھے مصطفی صاحب نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ حیام کی آنکھوں میں جھانکتے وہ چہرہ موڑ گئے۔ کیا کیا نہ تھا اُن کی بیٹی کی آنکھوں میں، شکوہ، شکایت، گلا۔۔۔۔۔۔

وہاں اُن کے علاوہ بشیر ابی بھی موجود تھیں اور بازل بھی جو پیچھے کو کھڑا سر جھکائے کھڑا تھا۔ حیام کو دیکھ اُس نے مسکرانے کی سعی کی۔ حیام چلتے ہوئے اُس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی، اُس کا بازو پکڑے اُس کے ساتھ لگ گئی۔ یہ عمل اماں بیگم نے تیوری چڑھائے دیکھا۔

نجانے حیام کو اُنہیں چھیڑنے، تنگ کرنے میں کیا سکون مل رہا تھا؟ مسکرا کر اماں بیگم کو دیکھا اور پھر سر اُٹھا کر بازل کو دیکھا۔ جواباً بازل نے بھی اُس کے کاندھوں پر اپنا بازو پھیلایا۔

مصطفی صاحب آہستہ آواز میں اماں بیگم کو حیام کے ٹھہرنے سے متعلق آگاہ کرنے لگے۔ اماں بیگم لگاتار حیام کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ڈوپٹہ اوڑھے، بالوں کا جوڑا بنائے وہ نامحرم مرد کے ساتھ چپک کر کھڑی تھی۔ کیا سیدزادیاں ایسی ہوتی ہیں؟؟ نہیں، وہ ایسی تو نہیں ہوتی ہیں۔ بازل حیام سے آہستہ آواز میں ہی کچھ کہہ رہا تھا، جس کا مسکرا کر وہ جواب دیتی اپنے ارد گرد تمام لوگوں کی موجودگی بھول گئی۔

"حیام!! یہ لو کافی۔۔۔۔"

شاہ میر کافی کا کپ ٹرے پر سجائے منظر پر نمودار ہوا۔اُس کے آتے ہی حیام نے اپنا دوپٹہ مزید پھیلایا۔جو بھی تھا،وہ اماں بیگم سے اپنی جنگ میں ابھی اتنا نہیں گری تھی۔بازل اُس کا بھائی تھا۔وہ اُس کے سامنے بھی ڈوپٹہ لیتی تھی لیکن وہ اوڑھنا اس حویلی کی اماں بیگم کے مطابق گلے میں لٹکا پھندا تھا بس اور کچھ بھی نہیں۔

"بہت شکریہ!"

حیام نے کہتے وہ کپ تھام لیا۔

"شاہ میر!! جامر دان خانے اپنے چاچا کو لے جا۔حویلی کی عورتوں کو مزید چار کام بھی ہوتے ہیں،کمروں میں بند نہیں رہ سکیں۔یہ چاکری کوئی اور کر لے گا۔"

ساتھ ہی اُس کا یوں حیام کو کافی لا کر دینے پر بھی چوٹ کی۔بشیر ابی نے آگے بڑھ کر شاہ میر کے ہاتھوں میں موجود ٹرے تھام لی۔ مصطفیٰ صاحب حیام کو اشارہ کر چلے گئے۔شاہ میر اُن کے پیچھے ہی چلنے لگا۔بازل کو بھی آنے کا اشارہ کیا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

شاہ میر نے ایک مرتبہ پھر اُسے دیکھا۔

"میں خالہ اماں سے بات کر کے آتا ہوں۔"

بازل کے جواب پر وہ سر ہلاتا چلا گیا۔

حیام کو ایک طرف کر وہ چلتا ہوا خالہ اماں کے قدموں میں بیٹھا اور سر گوشی نما آواز میں اُن کے ہاتھ تھام بولنے لگا۔

"یہ منگنی ہو جانا اور پھر اگلے دن ہی ٹوٹ جانا، آپ کہتی ہیں تو معیوب ہی ہو گا۔ آپ بڑی ہیں ہم سب سے، دنیا دیکھی ہے۔ جو اصول و قواعد بنائے ہیں بالکل ٹھیک ہوں گے۔ خالہ اماں میں آپ کو زیادہ تو نہیں جانتا بس رسمی سا سلام دعا کا تعلق ہے۔ بس اتنا کہنا ہے کہ نا سمجھ ہے یہ۔ آج تک شہر کی زندگی جیتی آئی ہے، یہاں کی دنیا اسے سمجھ نہیں آئے گی۔ آپ سکھائیں گی تو سب سیکھ لے گی۔ ضدی بہت ہے، پیار کی بات مان جاتی ہے۔ جانتا ہوں آپ اس کی ہٹ دھرمی برداشت نہیں کریں گی، اس لیے سوچ رہا ہوں کہ پورا سچ جاننا آپ کے لیے ضروری ہے۔۔۔۔۔۔۔"

"کون سا پورا سچ؟"

خالہ اماں نے نظروں کا رخ حیام سے بازل کی جانب موڑا۔

"اب جب دوبارہ اسے دیکھیں گی نا تو دل کی نظروں سے دیکھیے گا۔ غور کریں گی تو معلوم ہو جائے گا آپ کو کہ آپ کے پاس اُس کی امانت چھوڑ کر جائیں گے ہم۔"

"اُس کی؟ کس کی؟"

آواز میں موجود سختی اب نہ تھی۔شاید وہ جان گئیں تھیں۔

"وہی جو بے.جی کہتا ہے آپ کو۔۔۔۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

آواز میں حیرانی رقم تھی۔

"وہ ڈر گیا تھا۔۔اس لیے نہیں کہ بزدل ہے،اُس کے پاس ہزار وجوہات ہیں۔کوئی سُنے گا تو ہنسے گا یہ بھی کوئی دلائل ہیں لیکن اُس کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سچ میں وہ تمام وجوہات جو سُننے کو گھسی پٹی معلوم ہوتیں ہیں،بہت ظالم ہیں۔۔۔۔۔۔مار دیا ہے اُنھوں نے اُس کو۔اپنا دل نکال کر میرے ہاتھوں میں دے دیا اور۔۔۔"

"اور وہ دل تیرا تھا ہی نہیں۔"

اماں بیگم نے اُس کی بات درمیان سے کاٹ پوری کی۔

"ہممم!!وہ دل میرا تھا ہی نہیں۔ابھی شہر میں ایک اور جنگ لڑنی ہے اُسے،میرا منتظر ہے وہ۔مجھے لگا کہ اُس کے دل کو خطرہ ہے تو سوچا کیسے واپس کروں؟دنیا بہت ظالم ہے مار دے گی،پھر سوچا آپ واحد ہیں جو اُس تک اُس کی امانت باحفاظت پہنچا دیں گی۔"

"اور تجھے ایسا کیوں لاگے ہے کہ میں اپنے اصولوں کو آگ میں جھونک دوں گی؟"

"نہیں، مجھے ایسا کچھ بھی نہیں لگتا۔ مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ اُس کا دل آپ کے اصولوں کی لپیٹ میں قید بھی رہے گا تو محفوظ رہے گا۔ ایک نا ایک دن آپ مجبور ہو جائیں گی اور اُسے اُس کی امانت سونپ دیں گی۔ وہ بس آ جائے گا تو آپ پگھل جائیں گی۔ دیکھ لیجیے گا۔۔۔۔۔۔"

خالہ اماں کے ہاتھ تھپتھپاتے وہ کھڑا ہوا، حیام تک چل کر آیا۔ وہ کافی کا کپ لیے اب تک وہیں کھڑی اُن کی باتیں سُننے کی کوشش کر رہی تھی۔ کپ میں موجود کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ مسکرا کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"جیسا یہ کہیں کر لینا۔ ہم آج ہی چلے جائیں گے۔ جانا ضروری ہے لیکن تمہارا بھائی تم سے غافل نہیں رہے گا۔"

کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ حیام کی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے۔ جانے کی بات پر دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ یہاں اس ویران حویلی میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔

"بشیرا، اپنی بیٹی کو بلا۔"

حیام کو دیکھتیں اماں بیگم نے بشیرا کو حکم دیا۔اب کی بار حیام نے اُن سے نظریں نہ ملائیں تھیں۔بشیرا اماں بیگم کے حکم پر اپنی بیٹی کو بلا لائیں جو شاید آج پہلی مرتبہ ہی حویلی آئی تھی۔حیام نے اُسے دیکھا۔وہ وہی تھی جو باورچی خانے میں اُسے چائے دے رہی تھی۔

"کیا نام ہے تیرا لڑکی؟"

"سعدیہ۔۔۔۔۔"

"آج سے تو پل پل سیدہ بی بی کے ساتھ رہے گی۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"جی بہتر۔۔۔۔!!"

حیام وہاں سے نکلتی چلی گئی۔سعدیہ نامی لڑکی کسی ڈور کی مانند اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔اماں بیگم نے اُسے دور تک پردوں کی اوٹ سے دیکھا تھا۔

حویلی کی درو دیوار پر سرما کی دھوپ چھک رہی تھی۔آج اتنے دنوں کے بعد سورج نے اپنا دیدار کروایا تھا۔بادلوں کی آنکھ مچولی وقفے وقفے کے ساتھ جاری تھی۔ایسے میں حویلی کے مرد مردان خانے میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔

"کچھ دن اور رُک جاتے تو اچھا ہوتا۔"

وقار شاہ نے مصطفیٰ صاحب کو روکنے کی ایک کوشش مزید کی۔وہ کب سے دونوں بھائی اُنہیں روکنے کی کوششیں کر رہے تھے،آخر کو خون کا تعلق تھا اور یہ رشتے تو ہوتے ہی ایسے ہیں۔صدیوں بعد بھی ملاقات ہو تو خون جوش کے سمندر میں غوطے کھاتا رہتا ہے۔

وقار شاہ حویلی کے بڑے تھے،ایک رعب ودبدبہ تھا اُن کا لیکن اپنے رشتوں اور سب سے بڑھ کر اپنی تہذیبوں،روایتوں سے پیار اُن کی گھٹّی میں ہی بے تحاشہ بھرا پڑا تھا۔

"بھائی!یوں مجھے مجبور مت کریں۔میرا جانا ضروری ہے۔"

مصطفیٰ صاحب نے ہر بار کی طرح ایک ہی جواب پھر سے دہرایا۔

تمہیں آخر اتنی جلدی کیوں ہے؟اماں کو تو دو دن کا کہہ کر آئے تھے،وہی دو دن تو "پورے کرتے جاؤ۔"

اب کی بار عمران بخاری نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

"تایا جان!!ہم ضرور رُک جاتے لیکن جانا واقعی بہت ضروری ہے۔آفس کے کچھ معاملات ہیں،جن کا نمٹانا بے حد اہم ہے اور آرز تنہا سب نہیں سنبھال سکتا۔"

مصطفٰی صاحب کو یوں مجبور ہوتے دیکھ بازل نے بولنا شروع کیا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ آئے ہو تم حویلی اور دیکھو ذرا، مصروفیات کی ڈور اپنے قدموں"

"سے باندھ لے آئے ہو۔

وقار شاہ بازل سے متوجہ ہوئے۔

"آپ فکر کیوں کرتے ہیں تایا جان؟ اب جب یہاں کا راستہ طے کر منزل تک آ ہی گیا ہوں تو اب آتا رہوں گا۔ اور یہاں آنے کی سب سے بڑی وجہ تو چھوڑے جا رہے ہیں ہم۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels, Afsanay, Articles, Books, Poetry, Interviews

اُن کا ہاتھ تھام وہ اُن سے وعدے وعید کر رہا تھا۔ یہ شہری لوگوں کا بھی ایک مسئلہ رہا ہے، وہ بھی صدا سے۔ نجانے کون کون سے وعدوں کی ڈوریں خود سے وابستہ کر اوروں کو تھما دیتے ہیں اور پھر خود تو وہ سب بھول جاتے ہیں لیکن یہ گاؤں، دیہات میں رہنے والے لوگوں کے دل بہت ضدی ہوتے ہیں، معصوم ہوتے ہیں یا وہ شاید سب کو خود سا دیکھتے ہیں۔ اس لیے ہی تو شاید ان جھوٹے وعدوں اور جھوٹی قسموں پر ایمان لے آتے ہیں۔

"تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں لیکن یہ شہری لوگوں کی قسموں سے بہت ڈرتا ہوں میں۔ اُن کی زبان کچھ بولتی ہے اور آنکھیں کوئی اور ہی داستان سُناتی ہیں۔"

لیکن شاید وہ بھی وقت کی مار ایک مرتبہ کھا چکے تھے اور بار بار وہی ایک غلطی دہرانا نہ جانتے تھے۔

اس سب منظر میں اگر کوئی خاموش تھا تو وہ شاہ میر بخاری تھا۔ وہ اُس منظر میں موجود ہو کر بھی وہاں نہ تھا۔ وہ دو مختلف کشتیوں کی مسافت طے کرتے ہوئے نڈھال ہو رہا تھا۔ دو منزلوں کو جاتی راہوں کے شکار راہی جب بٹتے چلے جاتے ہیں تو بارہا گرنے کا خطرہ تو رہتا ہی ہے۔

ایک طرف آرز تھا، جو اُسے جان سے بڑھ کر عزیز تھا، شاید اس حویلی کے مکینوں سے بھی بڑھ کر اور دوسری جانب اس حویلی میں بسنے والے، جو اُس کی زندگی تھے۔ اب تو خیر آرز حسن کی بھی منزل کو جاتا راستہ اس حویلی تک ہی آ کر رُکتا تھا لیکن اب یہ حویلی پہلے سے بڑھ کر ظالم ہو گئی تھی۔

"شاہ میر بھائی!!"

اپنا نام سُن وہ خیالوں کی دنیا سے واپس لوٹا۔ اُس کا نام پکارنے والا بازل تھا۔ باقی تمام بڑے اپنی باتوں میں مشغول ہو چکے تھے۔

"ہاں، بولو------"

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"میں سُن رہا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ آرز آپ کو بہت عزیز ہے۔ لیکن اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں چاہوں گا کہ آپ یہاں ہونے والی کسی بھی روداد سے اُسے واقفیت فراہم نہ کریں تو بہتر ہو گا۔"

"مطلب، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہاں کچھ بھی ہو جائے، چاہے سے حیام کے خلاف محاذ ہی کیوں نہ کھل جائے۔۔ آپ آرز کو کسی معاملے سے آگاہ مت کیجیے گا۔ وہ سُنے گا تو تڑپ کر ادھر کو آ نکلے گا اور میں نہیں چاہتا کہ وہ ادھر آئے۔ وہ آ گیا تو حیام۔۔۔۔۔۔۔اُس کی قربانیاں کسی کام کی نہ رہیں گی۔ بلکہ اُس کی تکالیف مزید بڑھ جائیں گی۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات؟؟"

"ہمممم!!! سمجھ رہا ہوں۔ لیکن وہ؟ اُس کی قربانیاں؟"

"اُس نے اپنی کہی ابھی سُنائی ہی کہاں ہے؟ لیکن اُس کی ان کہی سب سُن گیا ہوں میں۔
یہ مشعل کا نام لے لینا تو محض ایک طرفہ قصّہ ہے، اصل قربانی جو دی ہے اُس نے وہ
یہاں آگیا تو قربانی نہ رہے گی بلکہ حیام کے گلے میں پھانسی کا پھندا بن جائے گی۔"

"میں جانتا ہوں تم کیا بات کر رہے ہو۔"

بازل نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔

"سچ میں؟ سب جانتے ہیں آپ؟؟ اُس نے بتایا ہے؟"

"ہاں، سب جانتا ہوں۔ شاید کہ تم سے بھی بڑھ کر معلوم ہے مجھے۔ میں بتانا بھی
چاہوں تو میری زبان بند کروادی ہے اُس نے۔ میرے منہ کو تالا ڈال دیا گیا ہے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے، دھیمے لہجے میں بات کرتے، کتنے بے بس
تھے۔ یہ اکثر ہم سے وابستہ رشتے، لوگ، ہمیں کس قدر بے بس کر دیتے ہیں۔ ہمیں
معذور بنا دیتے ہیں، ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوتا۔

"چچا جان!! ہمیں نکلنا ہے اب۔"

بازل نے اپنا رُخ مصطفیٰ صاحب کی جانب کیا۔

"ہاں، میں ایک مرتبہ حیام سے ملنا چاہتا ہوں۔ شاہ میر-----"

ایک دم سے اُن کا دل خالی ہو گیا۔ آخر کو وہ باپ تھے، اکلوتی اولاد سے جدائی کا تصور ہی اتنا جان لیوا تھا کہ الفاظوں میں پرونے کو خزانہ لُٹ چکا تھا۔

"چلیں۔۔۔۔"

شاہ میر کھڑا ہوتا اُنہیں اپنے ساتھ اندر حویلی کی جانب لے گیا اور بازل؟ ہاں، بازل وہ بھی حیام کو ایک آخری نظر دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ دیکھنے میں پورا مرد اندر سے کس قدر کمزور اور ڈرا، سہما ہوا بھائی تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔ جان ہی نہیں سکتا تھا۔

حیام اپنے بابا کے کمرے میں ہی موجود تھی۔ اپنے چہرے پر ڈوپٹہ پھیلائے، آنکھیں موندے، وہ خاموش آنسو بہا رہی تھی۔ کیا ضبط تھا کہ ایک سسکی تک نہ اُبھری تھی، ایک آہ نے بھی کمرے کی خاموشی میں انتشار برپا نہ کیا تھا۔ سعدیہ۔۔۔ہاں، وہ بھی وہاں موجود تھی۔ دروازے کے قریب نجانے کب سے کھڑی تھی۔ اگر یوں کھڑے رہنا بھی ضبط کی انتہا میں شمار ہوتا ہے، تو کیا ضبط تھا اس حویلی کے ملازموں کا؟

دروازے پر ہونے والی دستک نے ہی آخر کو ماحول میں چھائی خاموشی کو توڑا۔ دروازہ کھول مصطفیٰ صاحب اندر داخل ہوئے تو سعدیہ فوراً مڑی۔ اُس کا چہرہ اب کے چادر کی اوٹ میں پوشیدہ تھا۔

"بیٹا، آپ جائیں۔ مجھے اپنی بیٹی سے بات کرنا ہے۔"

وہ سر ہلاتی کمرے سے نکل گئی۔ مصطفی صاحب چلتے ہوئے حیام کے پاس آکر بیٹھے، وہ اب بھی جوں کی توں لیٹی رہی۔ مصطفی صاحب یوں ڈوپٹے کی جھڑی سے اُسے نہ دیکھ سکتے تھے۔ ہاں البتہ حیام، وہ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے اُنہیں تک رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں میری بیٹی مجھے سُن رہی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم گریہ سمجھتی ہو میرا تمہیں یہاں لے آنا ایک غلطی ہے، تو جلد اپنے بابا کے اس فیصلے میں چھپی مصلحت کو جان جاؤ گی۔ اور ایک دن آکر کہو گی، بابا آپ کا کیا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا۔ میں جانتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہاں کی زندگی ہمارے شہر کی زندگی سے بہت مختلف ہے، بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ بھی معلوم ہے مجھے میری حیام ہر طرح کے حالات کا سامنا کر سکتی ہے، بہت بہادر ہے۔ خالہ اماں دیکھنے میں جتنی سخت معلوم ہوتی ہیں، اُن کے اندر جھانکو تو بہت نرم دل ہیں۔ دیکھنا ایک دن اس حویلی میں بسنے والوں میں پہلے نمبر پر وہ ہوں گی جو تمہاری سب سے بڑھ کر طرفدار ہوں گی۔"

مزید آنسو حیام کی آنکھوں سے بہے لیکن اُسے فکر نہ تھی۔ اُس کی نگاہیں تو بس اپنے بابا کی روتی آنکھوں سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ وہ چاہتی تھی کہ ہاتھ بڑھا کر وہ تمام آنسو پونچھ

ڈالے لیکن وہ نہ کر سکی۔اُس کے بابا اپنی بیٹی کی آنکھوں میں نمی دیکھ لیتے تو کیسے جا پاتے؟

"چلتا ہوں میں، اپنا بہت دھیان رکھنا۔میں اپنی بیٹی سے رابطے میں رہوں گا۔ہاں، بس ایسا نہ ہو کہ میری بیٹی اس حویلی میں کھو جائے اور اپنے باپ کو بھول جائے۔"

حیام کے آنسوؤں میں روانی آئی۔وہ کیسے بھول سکتی تھی اپنے بابا کو؟ وہ ہی تو اُسے سب سے بڑھ کر عزیز تھے۔وہ جا رہے تھے۔کاش کہ وہ رُک جاتے یا کاش وہ اُنہیں روک سکتی۔لیکن دونوں اپنے اپنے حالات سے مجبور تھے۔مصطفیٰ صاحب دروازے پر پہنچ کر رُکے، چہرہ موڑ کر اپنی بیٹی کو ایک مرتبہ پھر دیکھا۔اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھنے کی خواہش جو تھی، وہ ادھوری رہ گئی تھی۔وہ آنکھیں خشک کرتے چلے گئے۔اُن کے جاتے ہی سعدیہ اندر داخل ہوئی۔حیام کو کسی کی پرواہ نہ تھی، اُس کا ضبط بس یہیں تک تھا۔ڈوپٹہ خود پر سے ہٹاتی وہ اُٹھ بیٹھی۔اُس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"سیدہ بی بی۔۔۔۔"

حیام ہچکیوں سمیت رو دی۔

"سیدہ بی بی!! کیا ہوا ہے؟ میں کسی کو بُلا کر لاتی ہوں۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"رہنے دو، کسی کو مت بُلانا۔ یہاں اب میرا کوئی نہیں ہے۔"

وہ حیام، وہ تو یوں اتنی کمزور نہ تھی۔ وہ تو کبھی کسی کے سامنے نہ رونے کا دعویٰ کر کے آئی تھی لیکن آج بکھر گئی تھی۔ وہ سب سے جدائی برداشت کر سکتی تھی لیکن اپنے باپ سے نہیں۔

منال ادھ کھلا دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی۔ یوں حیام کو روتا دیکھ اُس کے قدم تھم گئے۔ حیام نے نہ دیکھا تھا کہ کون آیا ہے۔ منال پہلی مرتبہ یوں خود چل کر اُس تک آئی تھی۔ وہ جو سمجھی تھی کہ حیام کتنی سخت دل معلوم ہوتی ہے، جو دیکھنے میں پتھر تھی، وہ اصل میں تو بالکل اُس جیسی ہی تھی۔

"حیام۔۔۔۔۔۔"

منال کی آواز سُن حیام چونکی۔ چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ یوں پہلی مرتبہ منال اُس سے ہمکلام تھی۔ حیام نہیں چاہتی تھی کہ اس حویلی کے کسی فرد پر بھی اُس کی کمزوری عیاں ہو۔ جلدی سے اُٹھ کر آنسو پونچھے اور بولی۔

"تم؟"

اب منال بھی کہاں چاہتی تھی کہ وہ جتائے، بتائے کہ تم حیام، تم تو بہت کمزور ہو۔ کس

حق سے جتاتی؟کوئی حق نہ تھااور اگر حق مل جاتااور پھر اُس حق کی بناءپر اگر جو منال یہ جتاجاتی تو اُس کے مطابق تھوں ہوتاایسے ہزاروں حقوقوں پر۔

"تمہیں جانا ہے یہاں سے،اپنا ضروری سامان سمیٹو۔۔۔"

اب کے منال کے ہر عمل میں جلد بازی تھی۔وہ ادھر اُدھر سے حیام کی چیزیں یکجا کرنے لگی جبکہ حیام،وہ تو بُت بنے کھڑی تمام صورتحال جاننے کی کوشش کررہی تھی۔

"کہاں؟کہاں جانا ہے مجھے؟"

آنسو تھم چکے تھے۔ہاں،لیکن اُن کے نشانات اپنی چھاپ چھوڑ گئے تھے۔

اس حویلی سے۔جلدی کرو،اس سے پہلے کہ چچاجان چلے جائیں۔تمہیں اُن کے " "ساتھ واپس جانا ہے۔

حیام کا ڈوپٹہ اُٹھائے اُس نے حیام کی جانب دیناچاہالیکن نظریں ایک طرف رکھے موبائل فون سے چپک گئیں۔

"کیوں جاؤں میں؟میں یہیں رہوں گی اب۔۔۔"

حیام کی بات پر منال کی توجہ ایک مرتبہ پھر اُس کی طرف لوٹی۔

"حیام!! خدارا یہاں سے چلی جاؤ۔یہ حویلی بہت ظالم ہے۔تمہارا دم گھٹ جائے گا یہاں۔"

لیکن حیام کچھ نہ بولی۔ایک آخری وار،ایک آخری سچ حیام کو بتانا لازم ہو گیا تھا۔

"اس حویلی کے دروازے تمہاری واپسی کے لیے کبھی نہیں کھلیں گے۔"

منال کا کہنا تھا کہ حیام نے جھٹ سے اُس کی جانب دیکھا۔وہ اُس کی بات سمجھ گئی تھی لیکن شاید دل نا سمجھ بننے کا ڈھونگ رچا رہا تھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

ایک کمزور مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اس حویلی کے دروازے کبھی کسی عورت کے لیے نہیں کُھلے ہیں اور نہ کھلیں گے۔یہاں صرف عورتیں آیا کرتی ہیں اور واپسی کا در ہمیشہ کے لیے بند کر آتی ہیں۔تم نے دیکھا نہیں وہ دروازہ؟وہ جو حویلی کا دروازہ ہے،وہ صدیوں سے بند کسی اپنے کے گزر سے محروم ہے۔اُس پر پڑا تالا جانے کتنے سالوں کی دھول خود میں سمیٹے جامد پڑا ہے۔نہ کبھی اُسے کھولا گیا اور نہ کبھی کُھلے گا۔"

حیام کی آنکھوں میں خوف لہرایا۔جو آنسو تھم چکے تھے،ایک مرتبہ پھر قطرہ قطرہ بہنے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لگے۔

"میرے بابا، بابا نے وعدہ کیا تھا۔ وہ مجھے، مجھے۔۔ مجھے لے جائیں گے تم دیکھنا۔۔"

شاید اب اُسے خود بھی اپنے کہے الفاظوں میں سچائی کا کوئی عنصر موجود نہ ملا۔ سعدیہ ایک جانب سر جھکائے کھڑی تمام باتیں سُن رہی تھی۔

"حیام!! چلو دیر ہو جائے گی ورنہ۔۔۔۔"

حیام نے ڈوپٹہ پھیلا کر باہر کو بھاگنا شروع کیا۔ منال اور سعدیہ اُس کے پیچھے پیچھے ہی تھیں۔ منال نے دل میں شدت سے دعا مانگی کہ

(کاش وقت تھم جائے، اُنہیں دیر نہ ہو۔)

ابھی وہ لوگ سیڑھیاں مکمل عبور بھی نہ کر پائیں تھیں کہ باہر سے گاڑی کے چلنے کی آواز سُنائی دی۔ ایک لمحہ لگا تھا، ایک لمحے کی ردوبدل اور حیام کے قدم تھم گئے۔ اُس کے قدموں کے ساتھ اُس کے بہتے آنسوؤں کا دریا بھی سکوت اختیار کر گیا۔

اُس کے بابا، اُس کا بھائی دونوں جا چکے تھے۔ حیام سکون سے دو لمحے بسر کرنا چاہتی تھی۔ دل میں آیا کہ دو لمحوں کو ہی سہی سب بھول کر وہیں سیڑھیوں میں تھم کر بیٹھ جائے لیکن دل بھی کبھی اپنے کہے پر قائم رہا ہے؟ پل بھر میں فیصلہ بدل ڈالا۔

بغاوت کے قیدی نے سر اُٹھایا اور دل کے کسی کونے میں سجی عدالت میں بیٹھے حکمران نے آزادی کا پروانہ سُنادیا۔ بغاوت کی بُو رفتہ رفتہ پھیلنے لگی، ایک پُراسرار مسکراہٹ نے قیدی کے لبوں پر بسیرا کیا۔ حکم سُنتے ہی آزادی کی ڈور ڈھیلی چھوڑ دی گئی اور باغی نے اپنے پر پھیلائے۔ اُن پروں کے سائے میں حیام کا پورا وجود جُھلسنے لگا۔

حیام یکدم دیوانہ وار راہداری میں بھاگتی حویلی کے داخلی دروازے کی جانب چلی آئی۔ وہاں پہنچ زور زور سے دروازے کو کھولنے کی تگ و دو کرنے لگی۔ منال جانتی تھی کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ اپنی چادر کو مزید خود کے گرد لپیٹا، چہرے کو ڈھانپ مضبوطی سے ایک چادر کا کنارہ جکڑ لیا۔

وہ اس حویلی کو برسوں سے جانتی تھی۔ حیام چلا رہی تھی۔

"کھولو اس دروازے کو۔۔۔"

آہستہ آہستہ وہاں حویلی میں موجود ملازماؤں نے اکٹھا ہونا شروع کردیا۔ حویلی کی عورتیں وہاں آ پہنچیں۔ خالدہ بیگم نے آگے بڑھ کر حیام کو روکنا چاہا لیکن وہ دیوانی ہو گئی تھی، کسی کے بس میں آنے ہی نہ پا رہی تھی۔ جُوڑے میں بندھے سیاہ بال کھل کر کمر پر بکھر گئے۔

اماں بیگم کی ایک گرجدار آواز نے حیام کے پورے وجود میں سنسناہٹ پھیلادی، جو

نجانے کب برآمدے سے نکل وہاں آ گئیں تھیں۔

"بند کرو یہ شور۔۔۔۔"

حیام اب بھی پیٹھ کیے وہیں کھڑی رہی۔

"کیا کرنا چاہ رہی ہو بی بی؟"

حیام نے مڑ کر اماں بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔بغاوت جو ایک لمحے کے لیے ڈر گئی تھی شاید،ایک مرتبہ پھر پروان چڑھی۔

"یہ دروازہ کُھلوائیں۔"

حکم سُنایا گیا۔

"نہیں کُھلے گا۔"

سامنے بھی کوئی عام انسان موجود نہ تھا۔وہ اماں بیگم تھیں،نجانے کتنے سالوں سے اُس حویلی میں حکومت کرتی آئیں تھیں۔

اب کُھلے گا کیونکہ اب اس کے مقابل اس حویلی میں بسنے والی کوئی کمزور عورت نہیں "ہے بلکہ میں ہوں،حیام بخاری۔

آنکھوں میں کچھ کر گزرنے کی دھمکی صاف واضح تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تو کھول کر دکھاؤ بی بی! میں بھی یہیں ہوں اور تم بھی۔"

آنکھ کے ایک اشارے سے تمام ملازماؤں کو منظر سے ہٹ جانے کا حکم سُنایا۔ شاہ میر پردے کی اوٹ سے نکل راہداری میں آیا۔ شاید وہ یہاں ہونے والی تمام روداد سُن چکا تھا۔

"اماں!!!"

اُس نے کچھ کہنا چاہا۔

رُک جا میرے لال!! میں اچھے سے جانوں ہوں کہ کس کو کب اور کہاں، کون سی "لگام ڈالنی ہے۔"

"میں کہتی ہوں یہ دروازہ کُھلوائیں ابھی اور اسی وقت۔۔۔"

بی بی!! کتنی مرتبہ تجھے بتاؤں کہ کُھلوا سکتی تو کُھلوا۔ میں بھی دیکھوں کتنی ہمت ہے "تجھ میں؟"

حیام بے بس ہو رہی تھی۔ وہ شاید جان گئی تھی کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ مضبوط قدم اُٹھاتی وہ اماں بیگم کے بالکل سامنے کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گویا ہوئی۔

"دیکھ لیجیے گا، یہ دروازہ اب کھل کر رہے گا۔آپ مجھے کوئی عام لڑکی مت سمجھیے گا جو طوفان کی ایک زد میں ڈھے جاؤں گی۔اب چاہے تو آنے والے ہزاروں طوفانوں کی شدت پہلے سے ہزار گنا بڑھ کر ہو، میں حیام بخاری آپ کو اپنی زبان دیتی ہوں یہ دروازہ کھل کر رہے گا۔"

ابھی حیام اُنہیں کہہ دو قدم ہی چل واپسی کے لیے نکلی تھی کہ اماں بیگم کی آواز ایک مرتبہ پھر گونجی۔

"بشیرا۔۔۔۔!!"

ایک مرتبہ بلانے پر ہی وہ بوتل سے نکلے جن کی طرح نمودار ہوئیں، شاید کہ وہ جانتی تھیں کہ اُن کی آمد متوقع ہے۔

جا اس کے کمرے میں اور ہر وہ شے جس سے یہ اپنے باپ یا شہر میں رابطہ کر سکے، اُٹھا کر لے آ۔"

جواباً وہ کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن منال نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیے مضبوطی سے دبایا۔ شاید وہ چُپ رہنے کا کوئی اشارہ تھا یا پھر کوئی پیغام، وہ سمجھ نہ سکی۔ سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا جو چُپ کر اُس کا ہاتھ جوں کا توں تھامے اُسے وہاں سے لیے چل دی۔

راہداری سے گزرتے ہوئے نجانے کب سعدیہ کسی کونے سے نکل اُن دونوں کے پیچھے سائے کی مانند چلنے لگی۔ خدا جانے اس حویلی کے ملازم یوں کیسے یک دم منظر پر نمودار ہو جاتے تھے، جیسے کہ کوئی الحامی قوت ہو اُن کے پاس۔ وہ ڈر رہی تھی لیکن منال کی موجودگی اُس کے تمام ڈروں کو زائل کرتی جا رہی تھی، جانے کیوں؟

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

بشیراں بی حیام کے کمرے میں موجود سامان چھانٹ رہیں تھیں۔ اُنہیں وہاں کچھ نہ ملا، آخر کو چھانٹ کر تھک گئیں تو چل دیں۔ جتنی دیر تک وہ کمرے میں موجود رہیں، حیام، منال اور سعدیہ تینوں ایک طرف کھڑی رہیں۔ اُن کے جاتے ہی منال نے چادر میں سے اپنا ہاتھ باہر نکال حیام کا موبائل اُس کے سامنے کیا۔

"یہ تمہارے پاس؟"

حیام کے لہجے میں حیرانی مقید تھی۔

میں جانتی تھی وہ ایسا ہی کریں گی۔ تمہاری اجازت کے بغیر اُٹھانا پڑا، معافی چاہتی"

ہوں۔"

موبائل کو پکڑ حیام کو یکدم سعدیہ کی موجودگی کا خیال آیا اور اچانک اُسے دیکھنے لگی۔

"تم۔۔۔۔۔"

"بے فکر رہیں سیدہ بی بی! یہ راز اس کمرے کی دیواروں سے باہر نہیں جائے گا۔"

جانے اس حویلی میں آئی نئی سیدہ بی بی میں کیا تھا، جو وہ حویلی کے خلاف تمام بغض بھول بیٹھی تھی؟ جانے اُس میں ایسا کیا تھا جو تمام لوگ اُس کی جانب کھینچے چلے آتے تھے؟

"تم آرام کرلو، میں کچھ دیر تک آتی ہوں۔ پھر بات کرتے ہیں۔"

منال کہتی ہوئی چلی گئی جبکہ حیام محض اُس کی بات پر سر ہلاتی رہ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsane|Articles|Books|Poetry|Interviews

اماں بیگم تمام تماشے کے بعد واپس اپنی مخصوص نشست پر موجود تھیں۔ شاہ میر پچھلے آدھے گھنٹے سے وہاں بیٹھا زمین کو گھورنے میں مصروف تھا۔

"اب بولتا کیوں نہیں ہے تو؟"

اماں بیگم نے ایک مرتبہ پھر وہی سوال دہرایا جس کا جواب وہ کب سے سُننا چاہ رہی تھیں۔ لیکن وہ تھا کہ کچھ بولتا ہی نہ تھا۔

"آپ جان کر کیا کریں گی؟"

"تجھ سے مطلب؟ تو بس بتا دے مجھے کہ وہ سچ بتا کر گیا ہے کہ نہیں؟"

"سچ بتایا ہے بازل نے آپ کو۔ خدارا اب بھول جائیں اماں کہ کچھ سُنا ہے آپ نے۔ وہ بہت اچھی ہے اور آج جو کچھ ہوا ہے نا؟ اگر اُس کو معلوم ہو گیا تو وہ آپ سے تمام تعلق ختم کر لے گا۔"

اماں بیگم کی آنکھوں میں درد نے اپنی جھلک دکھائی۔

"اُس کے لیے مجھ بوڑھی کو چھوڑ دے گا؟"

"میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔ ابھی کوئی ناراضگی نہیں ہے تو آتا نہیں ہے، مہینوں مہینوں بات نہیں کرتا وہ آپ سے۔ وہ تو خود حیام سے اونچی آواز میں بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ جب آپ اپنی محبت کو خیر آباد کہہ رہا تھا تو آواز تک نہ نکلی تھی۔ سر جھکائے مجرموں کی طرح اُس کے سامنے کھڑا رہا اور اگر وہ جان لے کہ آپ نے پوری حویلی کے سامنے اُس پر آواز سخت کی ہے، تو نکال کر لے جائے گا اُسے اور پھر آپ بھول جائیں کبھی مڑ کر دیکھے گا آپ کو۔"

وہ آج کا نیا جوان خون ہے، جو کر سکتا ہے کر گزرے۔ اس حویلی کے اصول میں کسی "لے لیے نہیں بدلوں گی۔"

وہ کٹھور ہو گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے پھر،اس کے بعد آنے والی ہر صورتحال کے لیے خود کو تیار رکھیے گا۔بشیرا بی! حیام کا کمرہ تبدیل کروادیں۔ایسا کریں کہ آرز کا کمرہ اُسے دے دیں۔"

"جی، چھوٹے شاہ!"

وہ اپنی کہہ کر چلا گیا۔پیچھے اماں بیگم نے اپنے پوروں سے آنکھوں میں موجود نمی کو صاف کیا۔

"اماں بیگم!!میرے لیے کیا حکم ہے؟ چھوٹے شاہ جو کہہ کر گئے ہیں۔۔۔"

اماں بیگم نے بشیرا بی کی بات درمیان میں کاٹ پوری کی۔

"دے دے میرے شہزادے کا کمرہ اُس کو۔میرے بچے وِگڑ گئے نے۔دیکھتی نہیں تو،یہ دو دن شہر سے ہو کر آیا ہے تاں آنکھیں ماتھے پر سجا گھوم رہا اے۔وہ تو رہتا ہی شہر چے آ،اب کوئی آس،کوئی اُمید باقی نہ رہے ہے۔"

بشیرا بی کچھ دیر اُنہیں تکتی رہیں پھر اُن کے حکم کی تکمیل کے لیے وہاں سے چلی گئیں۔

نائلہ بیگم مغرب کی نماز ادا کر بیڈ پر آبیٹھیں۔ہاتھ میں تسبیح کے دانے مسلسل گردش میں تھے۔آنکھیں موندے وہ نجانے کس رُو میں تھیں کہ اپنے پاس کسی کی موجودگی کا

احساس تک نہ ہوا۔ آرز کب سے اُنہیں تکے جارہا تھا، آخر کو تنگ آ کر خود ہی اُن کی گود میں سر رکھ لیٹ گیا۔ اُس کے یوں کرتے ہی نائلہ بیگم نے آنکھیں وا کیں۔ آرز کو دیکھ مسکراہٹ در آئی۔ تسبیح مکمل کر کچھ پڑھ کر آرز پر پھونکا۔

"آج اپنی چچی کی یاد کیسے آگئی تمہیں میرے شیر؟"

"آپ کو بھول سکتا ہوں کیا؟ کیسی باتیں کرتی ہیں؟"

آرز کے چہرے پر تھکاوٹ عیاں تھی، نجانے وہ دن بھر کام کی بدولت تھی یا جس زندگی کے راستے پر وہ چل نکلا تھا اُس کی بدولت تھی۔

"تم جسے ڈھونڈنے یہاں آئے ہو، وہ یہاں موجود نہیں۔"

"کس کی بات کر رہیں ہیں آپ؟"

وہ جانتا تھا لیکن شاید اُس کا نام سُننا چاہتا تھا۔

"وہی جس کی خوشبو کے سوا اب اس گھر میں کچھ رہا ہی نہیں۔"

آرز نے آنکھیں بند کر لیں۔ نائلہ بیگم اُس کے بالوں میں اُنگلیاں چلا رہی تھیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم وہ ایک غلطی پھر کبھی نہ دہراؤ۔ وہ تو پاگل ہے، کہتی ہے کہ تمام خواہشات کو جلا کر بکسے میں بند تالا ڈال دیا ہے۔ ارے اُسے کوئی بتاؤ کہ کیا کبھی

NEW ERA MAGAZINE .com

خواہشات بھی مرتی ہیں؟ یہ جو خواہشات ہوتی ہیں، یہ اپنی آہوں اور سسکیوں کا ماتم سجا کر ڈھونگ رچاتی ہیں کہ جام لگاتالا ٹوٹے۔اور ایک مرتبہ گروہ بکسا کھل جائے نا تو کبھی بند نہیں ہوتا۔ایک دفعہ کی قید، خواہشات کو منہ زور بنا دیتی ہے۔اب کی بار طوفان کی زد میں سب سے پہلے وہ خود آئے گی۔اُسے بربادیوں کی عادت ہو چکی ہے، لیکن تم ۔۔۔۔ایک گہری خاموشی۔۔۔۔۔تم بھی تو برباد ہونے کے عادی ہو۔"

آرز کے بالوں میں اُن کی چلتی اُنگلیاں تھم گئیں۔آرز نے اُن کے ہاتھ تھام چومے اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے، مجھے ایک۔۔۔۔۔اجازت چاہیے چچی جان!"

وہ ہچکچا رہا تھا۔

"تم یوں ڈر رہے ہو تو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

کھوکھلی ہنسی ہنسی گئی۔آرز اُنہیں دیکھتا رہ گیا۔

"چلتا ہوں، آپ آرام کریں۔"

اُن کا ہاتھ تھپتھپاتا وہ اُٹھ کر دروازے تک ہی گیا تھا جب نائلہ بیگم بول پڑیں۔

"تم اُس کے کمرے میں جا سکتے ہو۔"

www.neweramagazine.com

اُن کی اس بات پر آرز نے چہرہ موڑ کر اُنہیں دیکھا۔ایک کرب زدہ مسکراہٹ اُن کی جانب اُچھالتا وہ چلا گیا۔ باہر گھر کے بیرونی دروازے پر گاڑی کے ہارن کی آواز سُنائی دی۔ شہر کے پرندے واپس اپنے گھونسلے تک آ پہنچے تھے۔ہاں، لیکن اپنی آغوش میں جو ننھا سا بچہ چُھپا کر لیے پھرتے تھے کسی اور کو سونپ آئے تھے۔

عشاء کی نماز ادا کر اُس نے ابھی جائے نماز پر بیٹھے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے ہی تھے جب بازل اور مشعل اُس کے کمرے میں داخل ہوئے۔اُس نے ہاتھ آسمان کی جانب یوں اُٹھا رکھے تھے جیسے کہ اللہؐ کے بہت قریب ہو کر اپنی باتیں منوانا چاہتا ہو۔ لیکن اُس کی زبان کوئی حرف ادا کرنے سے قاصر تھی۔دعا کے لیے ایک لفظ، ایک جملہ تک ادا نہ ہوا۔وہ کیا مانگتا اپنے خدا سے ؟ وہ کیا مانگنے بیٹھا تھا، بھول چکا تھا۔اُس کے چہرے پر بے یقینی اور تکلیف کے اثرات نمودار ہوئے۔ بازل بہت احتیاط سے اُس کے ہر عمل کو جانچ رہا تھا۔ آخر کو آرز نے دعا کے لیے اُٹھائے ہاتھ بناء کچھ مانگے، بناء کچھ کہے واپس اپنی جھولی میں گرا دیئے۔ چہرہ موڑ کر بازل اور مشعل کو دیکھا۔وہ دونوں اُسے ہی تک رہے تھے۔وہ چہرہ جھکائے وہیں اُسی جائے نماز پر بیٹھا رہا۔

"اتنی مایوسی؟"

سوال بازل نے کیا تھا۔

"تجھ سے کس نے ایسا کہا؟"

"تجھے دیکھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ تو کس قدر خدا سے مایوس ہو رہا ہے؟"

"نہیں، میں مایوس تو نہیں ہوں، بس۔۔۔۔"

لیکن اب اُس کے الفاظ بھی اُس کا ساتھ نہ دے رہے تھے۔

"بس؟؟"

اب کے مشعل نے بھی مزید جاننا چاہا۔

"بس اب میرے دل میں کوئی خواہش ایسی ہے ہی نہیں جسے پانے کی جستجو کروں۔"

آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ کو بہت سی دوسری چیزوں کی ضرورت ہے۔ ہے نا،"

"بازل بھائی؟

"ہاں، اسے تو بہت ضرورت ہے، حد سے بھی زیادہ۔"

آرزیک ٹک اُن دونوں کو دیکھے جا رہا تھا جو اُس کی طرح مشکل مشکل باتیں کرنا سیکھ گئے تھے۔ ہاں، لیکن آرز کو اُن باتوں کے مفہوم سمجھ میں نہ آرہے تھے۔ شاید کہ اُن کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہو۔

"کن چیزوں کی؟"

"صبر، توکل اور۔۔۔۔"

آرز نے بازل کو درمیان میں ٹوکا۔

"مجھے ان کی کیا ضرورت؟"

ابھی بہت سی جنگیں مزید لڑنا ہیں تجھے۔ایک محاذ تو سمجھ کبھی بھی تیرے خلاف تیار"

"کر اپنی فوجیں لیے تجھ تک پہنچ جائے گا۔

"تو امی ابو کی بات کر رہا ہے نا؟"

وہ ہنسا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے، بھائی!"

مشعل ایک مرتبہ پھر بولی۔آواز رُندھی ہوئی تھی۔آرز نے اُس کا ہاتھ تھام اُسے اپنے

پاس جائے نماز پر ہی بٹھا لیا۔

"نماز پڑھ لی ہے؟"

جس کے جواب میں مشعل نے نہ میں سر ہلایا۔وہ جانتا تھا کہ وہ یہی جواب دے گی۔

اُس نے اُس گھر میں سب کو نماز پڑھتے دیکھا تھا لیکن مشعل اور حیام، اُنہیں تو بس

موسمی مسلمانوں کی صف میں کھڑے پایا۔ کبھی جو رمضان آجاتے تو نمازوں پر نمازیں ادا کی جاتیں لیکن رمضان جو رخصت ہوتا، ساتھ ہی اُن کی نمازیں بھی خداحافظ کہہ جاتیں۔

"تو کیوں نہیں پڑھی؟ نماز پڑھو گی تو تمام ڈر، وسوسے آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گے۔ ایک سکون سا روح میں گھل جائے گا۔ پھر یہ صبر اور توکل مانگنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وہ خدا ہے نا، وہ خود ہی اپنے بندوں کو خود سے جوڑے رکھتا ہے۔"

"ہمم!! میں پڑھ کر آتی ہوں۔"

دروازے تک پہنچ کر وہ رُکی اور مڑ کر اپنے بھائیوں کو دیکھا۔

"آج سے وعدہ کوئی نماز قضاء نہیں ہوگی میری۔ اور ہاں، آپ کو پورا یقین ہے نا اللہ پاک پر کہ وہ خود ہی آپ کو صبر، توکل اور سکون سب دے دے گا؟ وہ بیشک دے دیں گے لیکن میں اللہ پاک سے آپ کے لیے مانگوں گی۔ آپ کو ان تمام چیزوں کے سوا اپنے ارد گرد کچھ مٹی کے بنے انسانوں کی بھی ضرورت ہے۔"

وہ کہتی ہوئی چلی گئی اور اُس کی آخری بات پر جہاں آرزا اور بازل اُس کی باتوں پر مسکرا رہے تھے، وہ مسکراہٹ ماند پڑ گئی۔

میں چلتا ہوں، کل پریشے سے ملنے جاؤں گا۔اُس سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔وہ کر لوں گا"

"تو بابا کو بتادوں گا سب کچھ۔

جواب میں آرز نے محض اُسے دیکھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

حیام اپنے بابا کے کمرے میں موجود تھی۔اُس کا تمام سامان آرز کے کمرے میں رکھوا دیا گیا تھا۔وہ نہیں جانتی تھی،اگر جان لیتی تو حویلی میں ایک اور تماشا لگنے میں دیر نہ لگتی اور اماں بیگم ؟اُنہوں نے کتنا سخت دل کر کے وہ کمرہ اُس کو دیا تھا،صرف وہ جانتیں تھیں۔

"چلیں،سیدہ بی بی !! یہ کمرہ بند کرنا ہے۔"

بشیرا بی نے اُسے اطلاع دی۔

نہیں، یہ کمرہ بند مت کیجئے گا۔یہ میرے بابا کا کمرہ ہے،میں آتی رہوں گی۔وہ نہ سہی "اُن کا کمرہ،اُن کی خوشبو ہی سہی۔

"جو حکم آپ کا۔"

وہ سر جھکائے ہوئے تھیں۔

حیام کمرے سے نکل باہر آئی تو سعدیہ وہی موجود تھی۔

"آئیں، آپ کو لے چلتی ہوں۔"

"ہمم!! تم کب سے ہو یہاں؟ میرا مطلب کب سے کام کرتی ہو؟"

"آج ہی آئی ہوں، میری بے بے تو عرصہ ہو چکا نجانے کتنے سالوں سے یہیں سر جھکائے ملازمت کر رہی ہیں۔ اماں بیگم کی خاص ہیں وہ۔"

"ہاں، جانتی ہوں۔ تم یہاں اس جہنم میں کیونکر آگئی ہو؟"

اگر تو وہ کچھ دیر پہلے ہونے والا تماشا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ چکی ہوتی تو ضرور حیرانی کا مظاہرہ کرتی کہ

(واہ!! کیا حویلی میں بھی حویلی کے مخالف رہا کرتے ہیں؟ وہ اکیلی نہ تھی؟)

"معلوم نہیں، شاید میری قسمت میں آپ سے ملنا لکھا تھا۔"

وہ مسکرا کر جواب دے رہی تھی۔ سر اب بھی جھکا ہوا تھا۔ حیام کو بعض اوقات حیرت ہوتی تھی کہ یہ حویلی کے ملازم کیسے سر جھکائے کسی کی غلامی خوشی خوشی سرانجام دینے پر تیار تھے۔ اُسے کہاں معلوم تھا کہ سب کی کوئی نہ کوئی مجبوری ہی رہا کرتی ہے، ورنہ کون خوشی سے غلام بننا پسند کرتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"یہ رہا کمرہ۔۔۔"

ایک طرف کا دروازہ کھول وہ اُسے لیے اندر داخل ہو گئی۔اندر کا منظر انتہائی خوبصورت تھا۔جا بجا پُرانے طرز کا فرنیچر جو اُسے پہلی نظر ہی بھلا معلوم ہوا۔بیڈ کے چاروں کونوں سے لکڑی کے نوشہ جات خوبصورتی سے ڈھال اوپر کو جا چھت نما ساخت بناتے تھے جس کے سہارے کالے پردوں کو بیڈ کے چاروں جانب ڈال چھپایا گیا تھا،ہاں لیکن چھت کا حصہ کسی قسم کے جز سے پاک تھا۔اوپر سے کمرے کی چھت دکھتی تھی۔

حیام کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"یہ کتنا خوبصورت ہے۔۔۔"

یہاں تمہارے مطلب کی اور بہت چیزیں ہیں۔ایک ہی چیز کو تکتی رہو گی تو ٹھہر جاؤ"

"گی اور ٹھہراؤ اچھے نہیں ہوا کرتے۔

اپنی پُشت پر سے منال کی آواز سُن وہ مڑی اور اُسے دیکھ مسکرائے بناء نہ رہ سکی۔

"آ جاؤ،وہاں کیوں کھڑی ہو؟"

وہ بھی مسکرا کر اندر کو آ گئی۔اگر اُن دونوں کو ایک ساتھ مسکراتے ہوئے کرن دیکھ لیتی تو یقیناً بے ہوش ہو جاتی۔حیام نے آگے بڑھ کر اُس کی جانب اپنا ہاتھ دوستی کے لیے

بڑھایا۔ہاں، یہ پہلی مرتبہ تھا کہ حیام بخاری خود کسی سے دوستی کرنا چاہتی تھی اور یہ عام بات تو نہ تھی۔ مناہل، ہاں مناہل اُس کی بات الگ تھی۔ وہ اُس کے لیے بچوں سی تھی۔ منال نے مسکرا کر اُس کا بڑھایا ہاتھ تھام لیا۔

"اس حویلی میں خوش آمدید۔ میں منال ہوں!"

حیام کھل کر ہنسی۔

"اور میں حیام۔۔۔!"

جبکہ پاس کھڑی سعدیہ نے اب کے سچ میں حیرت سے اُنہیں دیکھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک وہ ایک دوسرے کے نام لے ایک دوسرے سے مخاطب ہوا کرتی تھیں، پھر یہ کیا تھا؟ اس حویلی کے لوگ بہت عجیب تھے، بہت زیادہ عجیب۔

"میں نے اس کمرے کا فرنیچر بدلوا دیا ہے۔ مجھے لگا یہ تمہیں زیادہ اچھا لگے گا۔"

"بہت پیارا ہے یہ لیکن دیکھ لینا تمہاری اماں بیگم کو بُرا نہ لگ جائے۔"

اُن کے ذکر پر دونوں کے حلق میں کڑواہٹ گھلی۔

"وہ میری اماں بیگم نہیں ہیں۔"

حیام نے تعجب سے اُسے دیکھا۔

"پھر کبھی بتاؤں گی، فلحال کے لیے یہ ادھر آ کر دیکھو۔"

وہ اُس کا ہاتھ تھام اُسے کمرے میں ایک طرف رکھی ڈریسنگ ٹیبل تک لے آئی۔

"کیا دیکھو؟ اس میں ایسا کیا ہے؟"

یہ تمہیں خود دیکھنا پڑے گا۔ہاں، شاید تمہیں جلد اس کی ضرورت پڑ جائے۔پھر مجھے "
"داد دیئے بناء نہیں رہ سکو گی۔

"چلو پھر دیکھتی ہوں۔"

"نہیں، ابھی نہیں۔ابھی تو تمہیں صرف یہاں تک لے آئی ہوں تاکہ تمہیں یہ حفظ ہو جائے۔میں نہ بھی ہوں تو مجھے آواز دے پکارنا نہ پڑے۔"

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

حیام کے چہرے پر پریشانی عیاں ہوئی۔

"کہیں نہیں، ابھی تک تو یہیں ہوں لیکن مستقبل قریب میں ہو سکتا ہے کہ یہ حویلی مجھے کسی گمنام تاریکی میں پھینک دے۔خیر یہ دیکھو، بالکونی۔۔۔۔شاہ میر بھائی نے خاص کر تمہیں یہ کمرہ دینے کو کہا ہے یہاں کی اماں بیگم سے۔مجھے تو حیرت کی مار کھاتے مزید حیرانی ہو رہی ہے۔"

وہ اپنی کہی بات پر خود ہی ہنس دی۔

"کیوں؟"

"شاہ میر بھاااائی اور کبھی اپنی اماں کے کہے سے انکاری ہو جائیں؟ ہر گز نہیں ہو سکتا۔ لیکن تمہاری خاطر اماں کا سب سے قیمتی کمرہ تمہیں دے دیا ہے تو سوچو تمہاری خاطر کیا کر جائیں گے؟؟"

"ایسا اس کمرے میں کیا ہے؟"

حیام کو اشتیاق پیدا ہوا۔

"آرز بھائی کا کمرہ ہے یہ۔"

جوں ہی منال نے اُسے حقیقت بتائی اُس کا دل ڈوب کر اُبھرا۔ آخر اس حویلی کے لوگ کیوں اُس پر زندگی تنگ کرنے کے قائل تھے۔ کیوں چاہتے تھے کہ وہ سانس نہ لے سکے، آخر کیوں؟؟؟

"میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

حیام تیزی سے باہر نکلنا چاہتی تھی لیکن منال نے اُسے کاندھوں سے پکڑ روک لیا اور اُس کے قریب ہو مدھم آواز میں سرگوشیاں کرنے لگی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میری بات دھیان سے سنو، فلحال کے لیے یہ بھول جاؤ کہ تم کس کے کمرے میں ہو۔ یادرکھو کہ تمہارا مقصد کیا ہے۔ اگر تم اپنا مقصد پورا کرنا چاہتی ہو تو شاہ میر بخاری تمہارے لیے سب سے آسان ہدف ہے۔ آج اُن کی باتیں، اُن کے ہر عمل سے میں نے یہ جان لیا ہے کہ وہ تمہارے ایک اشارے پر حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔ اب فیصلہ تمہارا ہے کہ تم نے عقلمندی کا مظاہرہ کرنا ہے یا بے وقوفی کرا اپنے مقصد سے دور جانا ہے۔"

"تم میرے متعلق اتنا سب کیسے اور کیونکر جانتی ہو منال؟؟"

بتادوں گی، بس اتنا یادرکھو کہ میرا سب کچھ جان لینا تمہارے حق میں ہر مرتبہ بالکل درست ثابت ہوگا۔"

حیام نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم فیصلہ کرلو۔"

"میں فیصلہ کرچکی ہوں۔"

"کیا؟"

منال کے لہجے میں بے قراری تھی۔

"اماں بیگم کی حکمرانی پر زوال کے دن حاوی ہونے کا وقت آ چکا ہے۔"

حیام کو دیکھ منال مُسکرائی۔ حیام مسکرا بھی نہ سکی۔ دونوں کی نظروں میں ایک عزم تھا، ایک جنون تھا جو وہاں موجود کسی تیسرے کی آنکھوں میں بھی تھا

۔۔۔۔۔۔سعدیہ، ہاں وہی۔۔۔۔۔

منال جا چکی تھی، وہ تنہا اپنے کمرے میں موجود تھی۔ وہ کمرہ جو کبھی آرز حسن کا ہوا کرتا تھا، اب نہ رہا تھا۔ اُس کی زندگی کے بہت سے فیصلے آرز نے خود کیے تھے اُس کی مرضی کے بغیر، تو اب حیام کو بھی حق تھا جو چاہے کرتی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب سے یہ کمرہ حیام بخاری کی ملکیت ہے۔ لیکن بھول گئی تھی کمروں اور گھروں کے باہر چاہے سے نام کی تختیاں لگا لو، وہ گھر، وہ کمرے، وہ عمارتیں کب کسی کی ہوا کرتی ہیں۔

آہ!! سچ تو یہ ہے کہ وہ تو ہو جاتیں ہیں، فقط یہ انسان اُن کے نہ ہوتے ہیں۔ کوئی نئی چیز بھلی لگ جائے تو پُرانی شے چھوڑ اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ حیام بھول گئی تھی کہ ایک کمرہ تو شہر میں بھی ایسا تھا جس پر اَن دیکھی ایک تختی اُس کے نام کی لگی تھی، جو کمرہ اُس کے ایک قدم پڑنے کو بے قرار تھا وہ بھول گئی تھی۔ کیا انسان اتنی جلدی اُنسیت کھو دیتے ہیں؟ کیا واقعی؟؟

وہ بالکونی میں کھڑی چاند کو دیکھ رہی تھی۔رات کے تین بج رہے تھے،پوری حویلی یقیناًسو چکی تھی۔دل میں گھبراہٹ سی ہونے لگی۔یوں لگنے لگا جیسے سانس لینا اُس کے لیے مشکل ہو رہا ہے۔اندر آتی وہ بیڈ کے گرد ڈھکے پردے ایک طرف کو کرتی بیڈ پر چِت لیٹ گئی۔

وہاں شہر میں ٹھیک اُسی وقت آرز حسن کے قدم حیام کے کمرے میں پڑے تھے۔

ہائے!!!!وہ قدم جن کی آمد کا حیام کو انتظار رہا کرتا تھا،لیکن وہ کبھی نہ آئے تھے۔

شاید وہ پُرانا کمرہ چاہتا تھا کہ کسی طرح وہ حیام کو اُس کے محبوب کی آمد کی خبر دے سکے، لیکن کاش!!!!!!ایسا بھی ہوا کرتا۔

آرز حسن کمرے میں داخل ہوتے ٹھہر گیا۔وہاں ہر سُو حیام کی مہک بسی تھی۔اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے وہ وہی بیڈ سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ گیا۔وہ وہیں اُسی رُخ بیٹھا تھا جس رُخ حیام چاند کی جانب منہ کیے بیٹھا کرتی تھی۔

دونوں الگ الگ جگہوں پر موجود تھے،ایک دوسرے سے کتنا دور تھے لیکن گھبراہٹ بڑھ رہی تھی۔تنگ آکر آرز نے اپنا موبائل آن کر پروین شاکر کی ایک غزل چلادی جو آہستہ آہستہ ماحول کو اپنی لپیٹ میں لیے مزید غمزدہ کرنے لگی۔

دعا کا ٹوٹا ہوا حرف، سرد آہ میں ہے

تیری جدائی کا منظر ابھی نگاہ میں ہے

آرزکو وہ لمحہ یاد آیا جب جاتے ہوئے حیام نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا تھا۔ اتنی خالی نظریں، اتنا خالی دل۔۔۔۔۔

تیرے بدلنے کے باوصف تجھ کو چاہا ہے

یہ اعتراف بھی شامل مرے گناہ میں ہے

شہر سے میلوں دور حیام بخاری وہ غزل نہ سُن سکتی تھی لیکن اُس کی سوچ کے تمام سرے آرز حسن پر ہی آبند ھتے تھے۔ وہ اُسے ہی سوچ رہی تھی۔

عذاب دیگا تو پھر مجھ کو خواب بھی دے گا

میں مطمئن ہوں مرا دل، تیری پناہ میں ہے

آرز جانتا تھا وہ چاہے تو محبت سے انکاری تھی لیکن وہ اب بھی آرز حسن کو دل میں سجائے ہوئے تھی۔اُس کا دل چاہے کتنا ہی خالی دِکھنے کا ڈھونگ رچاتا، آرز حسن کی نظریں اُس کی روح میں اُتر سب جان لیتی تھیں۔

بکھر چکا ہے مگر، مسکرا کے ملتا ہے

وہ رکھ رکھاؤ ابھی میرے کج کلاہ میں ہے

وہ دونوں ایسے ہی تو تھے، اُن کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ صرف وہ دونوں جانتے تھے، کوئی تیسرا نہیں۔چہرے پر مسکراہٹ سجا لینے سے کوئی خوش ہو، ایسا ہوتا تو نہیں۔وہ دونوں تو ابھی سوگ میں تھے۔

جسے بہار کے مہمان، خالی چھوڑ گئے

وہ اِک مکان ابھی تک مکیں کی چاہ میں ہے

ہاں، یہ کمرہ، یہ کمرہ جہاں آرز حسن موجود تھا، یہاں جس کے ہونے سے بہار اُترتی تھی چاہے تو پھر باہر خزاں کا موسم ہی کیوں نہ ہو، وہ چلی گئی تھی اور اپنے ساتھ ساتھ بہار بھی لیتی چلی گئی۔

یہی وہ دن تھے جب اِک دوسرے کو پایا تھا

ہماری سالگرہ ٹھیک، اگلے ماہ میں ہے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novel|Afsana|Article|Books|Poetry|Interviews

حیام، حیام کو دل میں بسائے دنیا کی نظروں سے دیکھو تو کچھ ماہ ہوئے تھے لیکن آرز حسن کی آنکھوں سے دیکھو تو زمانہ بیت چکا تھا۔ خیر چھوڑو ان محبتوں کی عمر گننا، یہ تو اُن دونوں کے نصیب میں شاید نہ تھی۔ ہماری کا کوئی لفظ اُن کے درمیان نہ تھا، لیکن آرز کی سالگرہ ہاں، وہ تھی اگلے ماہ۔ جنوری کب گزر گیا معلوم ہی نہ ہوا تھا۔

میں بچ بھی جاؤں تو تنہائی مار ڈالے گی

مرے قبیلے کا ہر فرد، قتل گاہ میں ہے

ہائے وہ حویلی اور اس گھر کے تمام لوگ اُن کے دشمن تھے، سب لوگ اپنی روایتوں میں جکڑ ان دونوں کو مارنے پر تُلے تھے۔ کس قدر بے رحم اور بے دل لوگ تھے،

آہ!! آرز کی آنکھوں سے آنسوؤں کا پلندہ بہہ نکلا تھا اور اُدھر حیام، وہ سوچکی تھی نجانے کب۔ہاں لیکن اُس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات اُس کے رونے کی چغلی کھا رہے تھے۔

کاش کہ اس معاشرے میں محبت کرنا گناہ تصور نہ ہوتا، کاش!!!!!

یہاں گاؤں کی زندگی سچ میں بہت مشکل تھی۔ جہاں وہ مشکل سے کہیں گیارہ یا بارہ بجے سو کر اُٹھا کرتی تھی وہ بھی اپنی اماں کے زبردستی کرنے پر، یہاں اُسے صبح پانچ بجے اُٹھا دیا جاتا۔ منال نے اُس کا اب تک خوب ساتھ دیا تھا۔ وہ جہاں تک ہوتا اُس کو اُس نئ

زندگی میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ یہاں حویلی میں سب بہت اچھے تھے، سوائے اماں بیگم کے۔

اُسے یہاں رہتے ایک ہفتے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ حویلی کے مرد کبھی اُس کے سامنے تک نہ آئے تھے۔ پردے کا خاصا اہتمام کیا جاتا۔ لیکن وہ بھی اپنے نام کی شاید ایک ہی تھی، ویسے تو وہ اماں بیگم کے حکم پر بھی اپنا کمرہ نہ چھوڑتی لیکن اگر کبھی باہر کی دنیا دیکھنے نکل ہی آتی تو ڈوپٹہ ہمیشہ کی طرح ایک طرف کو جھول رہا ہوتا۔ وہ اماں بیگم کو زچ کرنے میں کہاں پیچھے رہنا چاہتی تھی۔

آج بھی دن ڈھلنے کو آگیا تھا۔ سردی شاید اپنے اختتام کو آچکی تھی لیکن گاؤں میں رات ڈھلتے ہی زور پکڑ لیتی، نجانے گاؤں والوں سے کیا بیر تھا اُسے۔

بالوں کو چٹیا میں باندھے، لٹیں معمول کے مطابق چہرے کا طواف کر رہیں تھیں، سفید رنگ کا سادہ لباس اوڑھے جس کا ڈوپٹہ ہمیشہ کی طرح گلے میں پھانس کی صورت جھول رہا تھا، بازوؤں کے گرد براؤن رنگی چادر پھیلائے وہ اماں بیگم کے سامنے اُن کے کمرے میں کھڑی اُن کے بولنے کی منتظر تھی۔

"بی بی!! اس حویلی میں آہی گئی اے تو یہاں کی بیبیوں کے پردے کی عزت کرنا سیکھ۔ تو بھی اُن سی ہے لیکن تجھے سیدزادی آکھنا گناہ لاگے اے۔"

حیام کا سرتاپاؤں جائزہ لیتیں وہ اُسے کہہ تو سچ ہی رہیں تھیں۔

تو اپنی بیبیوں سے کہیں مجھ سے دور رہا کریں۔مجھے کوئی شوق نہیں میل جول"

"بڑھانے کا۔

اُس کے لاپرواہی سے دیئے اس جواب پر باہر سعدیہ کے ہمراہ کھڑی منال نے اپنا ماتھا

پیٹ لیا۔

"یہ تمہارا شہر نہیں ہے بی بی۔۔۔۔۔!"

"حیام نام ہے میرا۔۔۔"

اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ پاگل، جھلی غصہ دکھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

تو ہو گا، میں نے کب انکار کیا ہے لیکن یہ گاؤں ہے، مرالہ۔۔۔۔اس حویلی میں جو"

"میں چاہوں وہ نام ہو گا تیرا۔

وہ کتنا کچھ باور کروا گئیں تھیں اُسے۔

"میں آپ کا کھلونا نہیں ہوں اور آج سے یہ حویلی آپ کی نہیں رہی۔دیکھتی جائیں

سب کچھ اُلٹ جائے گا۔حکمرانی کے دور چلے سکون کی نیند سونے۔"

اُن کی جانب جُھکتی، اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھورتی وہ سیٹی کی دُھن بجاتی کمرے سے نکل گئی۔اماں بیگم بس آنکھوں میں وحشت سمیٹے اُس کی پشت کو گھورتے رہ گئیں۔

باہر نکلتے ہی منال نے اُسے غصے سے دیکھا لیکن وہ بس اُس کی بانہوں میں بانہیں ڈالے لیے چل دی۔

ہم اپنے تیور وقت آنے پر آزمائیں گے
شہر تم خرید لو حکومت ہم چلائیں گے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اب کے وہ کوئی شعر بلند آواز گنگنا رہی تھی۔حویلی کی دیواریں، حویلی کی بنیادیں کانپ اُٹھی تھیں۔بغاوت کی جنگ شروع ہونے کو تھی۔باغی اپنی فوج لیے سرحد کنارے پہنچ رہا تھا اور نقصان؟ وہ تو صرف اس حویلی کا ہونا تھا۔کسی نے مر جانا تھا اور کسی نے جی لینا تھا۔جو مر جاتا وہ اپنے ساتھ صدیوں کے راز لیے جاتا اور جو جی لینے کو زندہ رہ جاتا، وہ

نجانے آنے والی کتنی صدیوں کو حکومت کرتا اور حویلی، وہ تو بس غلامی کی چکی میں پسنے کو رہ گئی تھی۔آخر کب تک؟؟

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

پریشے لان میں بیٹھی آسمان تکنے میں مصروف تھی۔وہ حال میں موجود ہو کر بھی ماضی میں کھوئی ہوئی تھی۔کچھ روز پہلے بازل اُس سے ملنے آیا تھا۔کتنا کچھ کہہ کر گیا تھا۔ایک فیصلہ۔۔۔فیصلہ ہی تو کرنا تھا اُسے۔ہر مرتبہ فیصلے کی تمام ڈوریں اُسے ہی کیوں تھما دی جاتیں تھیں؟ایک مرتبہ تب جب آرز کے لیے اُس کی ماں نے اُس سے پہلے دفعہ بات کی تھی اور ایک مرتبہ اب۔

"پریشے!!میں جانتا ہوں تمہارے ساتھ جو بھی ہوا،غلط ہوا۔میں چاہتا تھا تمہیں سب بتا دوں لیکن نہیں بتا سکتا تھا۔رشتوں سے محبت کے کئی قرض چکانا تھے مجھے لیکن اب۔۔۔میرے پاؤں ہر قسم کی زنجیر سے آزاد ہیں۔میں تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔"

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

اس وقت وہ دونوں گھر سے باہر کھڑی گاڑی میں موجود تھے۔وہ پری سے بات کرنے آیا تھا اور گھر میں سب کی موجودگی میں وہ بات نہیں کر سکتا تھا،سو وہ باہر چلی آئی۔

"میں اُسے راضی کرلوں گا،وہ تم سے ہی شادی کرے گا۔"

"لیکن میں یہ شادی نہیں کرناچاہتی۔"

پری کے جواب پر بازل نے اُس کو غور سے دیکھا۔کوئی شکوہ، کسی تکلیف کا کوئی تاثر ڈھونڈھنے سے نہ ملتا تھا۔

"یوں مت دیکھیں مجھے، میں پاگل تھی۔وقتی غصہ ضرور تھا لیکن میں خوش ہوں۔وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور مجھے نہیں لگتا کہ ہم میں سے کسی کو بھی یہ حق ہے کہ ہم اُن کے درمیان آجائیں۔شکر ہے کہ صرف منگنی ہوئی تھی،وہ بھی ایک دن کی۔کیا عمر پائی ہے۔"

وہ کہتے ہوئے ہنس دی۔

"تم جھوٹی مسکراہٹ کیوں مسکرا رہی ہو؟"

"آپ کو کس نے کہا ایسا؟ ارے اتنے دنوں بعد تو کھل کے سچ کا مسکرائی ہوں۔میں اُس رشتے سے خوش نہیں تھی۔سمجھ لیں حیام اور آرز بھائی کی طرح ہی مجبور تھی۔اپنے لیے نہیں کچھ کر سکی تھی۔لیکن سچ بتاؤں اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ حیام نے میرے ساتھ اچھا کیا۔وہ مجھے بتاتی تو میں اُس کی طرح مجبور کبھی نہ رہتی۔وہ تو مجھے

خوش گمانیوں کی ڈور تھما کر چلی گئی تھی۔ یہ بھی نہ سوچا اُس نے کہ میرا دل سچ میں آرز بھائی کے دل کی ڈگر کو چل پڑتا، پھر؟"

"ایک دن میں؟؟"

بازل کے سوال پر دونوں ہنسنے لگے۔

"آپ نہیں جانتے یہ لڑکیاں بہت پاگل ہوتیں ہیں، کوئی مسکرا کر دیکھ بھی لے تو سمجھتی ہیں کہ فلاں تو اُس کے عشق میں پاگل ہو گیا ہے۔"

"You mean to say that, Girls are dumb."

وہ مسکرایا۔ وہ بات کو طول دے رہا تھا، شاید چاہتا تھا کہ وہ بولتی رہے۔

"آپ خود ہوں گے۔ لڑکیاں سمجھدار بھی ہوتی ہیں۔"

گردن اکڑائے اُس نے تعریف کرنا چاہی۔

"مثلاً کیسے؟ کیا سمجھداری کی ہے تم نے؟"

"یہی کہ یہ دیکھیں۔۔۔۔۔"

اپنا ہاتھ اُس کے سامنے کیا۔

"انگوٹھی اُتار دی ہے میں نے۔وہ آئے گی تو اُسے اُس کی امانت سونپ دوں گی۔"

بازل نے اُس کو پڑھنا چاہا۔

"میں تم سے اُس کی طرف سے معافی مانگتا ہوں۔"

"ضرورت نہیں۔"

بازل اُسے ہی دیکھ رہا تھا لیکن وہ ونڈ سکرین سے باہر کو دیکھ رہی تھی۔

"کیوں؟"

وہ گئی تھی تو معافی مانگ کر گئی تھی۔میں نے سوچا کہ کبھی معاف نہ کروں لیکن کرنا پڑ گیا۔"

"پوچھ سکتا ہوں کیوں؟"

"کس لیے معاف نہ کرتی؟اُس نے مجھ سے اپنی امانت ہی تو مانگنا چاہی تھی۔"

وہ خاموش ہو گئی اور اپنے ہاتھ تکنے لگی۔

"اب کیا سوچ رہی ہو؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سوچ رہی ہوں کہ امی کو کیا بتاؤں گی؟ بے فکر رہیں حیام کا نام نہیں آئے گا، میں اپنی "
"کوئی وجوہات دے دوں گی۔

وہ مسکرائی لیکن بازل کو لگا کہ وہ محض مسکرانے کی سعی کر رہی ہے۔

"شادی کرو گی مجھ سے؟"

پری نے جھٹ سے اُس کی جانب دیکھا۔

"ترس کھا رہے ہیں مجھ پر؟"

اُس کے چہرے پر حیرانی تھی لیکن سامنے والے کے چہرے پر مسکراہٹ۔

"نہیں، کبھی تمہیں اُس نظر سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ آج دیکھا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ انگوٹھی تو وہ تمہارے لیے ہی بنی ہے، کسی دوسرے کی امانت نہیں۔ ہاں، لیکن وہ میرے نام کی نسبت کی ہوتی تو کیا ہی بات تھی۔"

ابھی شاید کچھ وقت پہلے آپ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ آپ میری شادی اپنے بھائی "
"سے کروائیں گے۔

آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ دونوں ایک دوسرے کو جواب دے رہے تھے۔

"آرزو سے ہی سیکھا ہے میں نے کہ کسی کو اپنا بنانے کے لیے ایک لمحہ کافی ہوتا ہے۔"

پری ہنسنے لگی۔

"پھر یہ بھی سیکھا ہو گا کہ چھوڑ دینا بھی کتنا اہم ہوتا ہے؟"

بازل نے چہرہ سامنے کو موڑ لیا۔

"وہ اپنی جگہ غلط نہیں ہے۔ یہ لڑکیوں کو ہر وقت یہی کیوں لگتا ہے کہ صرف وہ ہی مجبور ہوتی ہیں؟ کبھی یہ سوچا ہے کہ مرد جب مجبور ہوتا ہے نا تو وہ دکھنے میں بظاہر کٹھور ہی کیوں نہ لگے، اندر سے مر رہا ہوتا ہے۔ اُس کی ذات سے وابستہ قربانیاں کیوں نہیں دکھتیں لوگوں کو؟ کیونکہ وہ مرد ہے۔"

اُس کے لہجے میں موجود غصے کو پری نے جانچ لیا تھا تبھی خاموش رہی۔

"میں چلتی ہوں۔"

گاڑی کا دروازہ کھول وہ باہر نکل گئی، تب ہی بازل نے آگے کو ہو کر ایک مرتبہ پھر اُسے پکارا۔

"پریشے!! تم فیصلہ کر لینا۔ میں انتظار کروں گا۔"

اُس کے کسی بھی جواب کا انتظار کیے بغیر وہ چلا گیا جب کہ وہ وہیں کھڑی رہی۔ وہ ماضی سے حال میں لوٹی۔

وہ فیصلہ کر چکی تھی۔اُسے صرف ٹھیک وقت کا انتظار تھا۔

رات کے کھانے پر تمام گھر کے لوگ ٹیبل پر موجود تھے۔جب مصطفیٰ صاحب نے بات کا آغاز کیا۔

"بھائی! کچھ بتانا ہے آپ کو۔"

"ہاں، بتاؤ؟"

مصطفیٰ صاحب نے ایک مرتبہ نائلہ بیگم کو دیکھا جنہوں نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا یا۔

"آپ لوگ بازل کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈ لیں۔"

حسن صاحب کے ہاتھ تھمے۔چہرہ مصطفیٰ صاحب کی جانب کیا۔

"اپنی بات مکمل کرو۔۔۔"

میں حیام کی شادی بازل سے نہیں کرنا چاہتا۔میں دیکھ لوں گا آگے جو کرنا ہوا۔آپ"
"یہ رشتہ ختم سمجھیں۔

وہاں موجود کوئی بھی کھانا نہیں کھا رہا تھا۔سب کی سانسیں اٹکی ہوئیں تھیں۔ہاں،البتہ آرز حسن خوب دلجوئی سے کھانے میں مصروف تھا۔

"کیا اول فول بولے جا رہے ہو مصطفیٰ؟"

ندا بیگم نے تیز آواز میں بولا۔

بھابھی! آپ کا غصہ بجا ہے لیکن میری بیٹی راضی نہیں۔وہ انکار کر چکی ہے اور میں "وعدہ۔"

"ٹھیک ہے،جیسے تم مناسب سمجھو۔"

حسن صاحب نے آہستگی سے کہتے ایک مرتبہ پھر کھانا شروع کیا۔ مصطفیٰ صاحب کو شک ہوا کہ وہ ٹھیک نہیں۔کوئی شکوہ،کوئی گلہ،غصہ ہی کر لیتے۔یوں خاموشی اختیار کر لینا،یہ ردِ عمل تو نہ سوچا تھا اُنہوں نے۔

"بھائی!!آپ۔۔۔۔۔"

"میں کھانا کھا چکا ہوں۔ندا،میرے لیے چائے لے آئیں۔"

وہ کچھ بھی سُنے بغیر،کہے بغیر وہاں سے چلے گئے۔

"امی میرے لیے بھی چائے بھجوا دیجیئے گا۔"

آرز اُٹھا اور جاتے جاتے رکا۔

"میٹھا زیادہ رکھیے گا۔"

وہ کہہ کر چلا گیا۔

ہاں، وہ ایسا ہی تھا، عجیب سا۔ (بھلا کبھی لڑکے بھی چائے پیتے ہیں؟ وہ تو کافی پیا کرتے ہیں۔) یہ حیام کا کہنا تھا۔ (وہ بھی بغیر چینی کے۔) لیکن ہائے یہ قسمت!!! آرز میاں اُن باقی لڑکوں کی طرح نہ تھے۔ وہ چائے پیتا تھا، خاصی کڑک اور میٹھا ایسا کہ اُف۔ حیام تو کبھی ایسی چائے کو ہاتھ نہ لگاتی۔ وہ تو چائے پیتی ہی کہاں تھی، کافی پیتی تھی اور بغیر چینی کے۔ اُن کی کہانی میں شاید کرداروں نے اپنی جگہیں ایک دوسرے سے بدل لیں تھیں۔

حیام اُسے چائے پیتا دیکھ ہمیشہ مشعل سے کہا کرتی۔۔۔

"مجھے اُس بندی کی قسمت پر رونا آرہا ہے۔"

اور وہ پوچھتی۔

"کس کی؟"

"ارے!! وہی جس کی شادی تمہارے بھائی سے ہو گی۔ دیکھو نا یہ چائے پی رہے ہیں۔ وہ اللہ کی بندی کتنے خواب سجا کر آئے گی اور ایک یہ ہیں کہ اُففففففففف چھوڑو۔"

لیکن اُس کا دماغ تو نجانے کیا تھا، شاید سوال بنانے کی فیکٹری۔

"یار یہ موٹے کیوں نہیں ہوتے ہیں؟ بھر بھر کر میٹھا کھاتے ہیں، پیتے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے یہ بنے ہی شکر سے ہیں لیکن جب بولتے ہیں نا تو معلوم پڑتا ہے کہ نہیں، کڑواہٹ بھری پڑی ہے ان میں۔ کڑوے کریلوں سے بنے ہوئے ہوں گے۔"

ایک سوال سے وہ کب تیسرے سوال تک جا پہنچی اور کب وہاں سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

خیر، وہ ہوتی تو پوچھتی۔ مشعل تمام باتوں کو ذہن سے جھٹکتی اُٹھ آرز کے پیچھے ہی چل دی۔

مشعل آرز کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کہیں موجود نہ تھا۔ البتہ بیڈ پر رکھے لیپ ٹاپ پر احمد فراز کی غزل گنگنائی جا رہی تھی۔ اُس نے لیپ ٹاپ کی سکرین اپنی جانب گھمائی تو سامنے حیام کی تصویر تھی۔

جب یار نے رختِ سفر باندھا کب ضبط کا یارا اس دن تھا

ہر درد نے دل کو سہلایا کیا حال ہمارا اس دن تھا

جب خواب ہوئیں اس کی آنکھیں جب دھند ہوا اس کا چہرہ

ہر اشک ستارہ اس شب تھا ہر زخم انگارہ اس دن تھا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سب یادوں کے ہوتے سوتے ہم کس سے گلے مل کر روتے

کب گلیاں اپنی گلیاں تھیں کب شہر ہمارا اس دن تھا

جب تجھ سے زرا غافل ٹھہرے ہر یاد نے دل پر دستک دی

جب سب پہ تمہارا نام نہ تھا ہر دکھ نے پکارا اس دن تھا

اک تم ہی فراز نہ تھے تنہا اب کے تو بلاوا جب آئی

اک بھیڑ لگی تھی مقتل میں ہر درد کا مارا اس دن تھا

غزل ختم ہو چکی تھی۔ باتھ روم سے پانی کے بہنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ ضرور وہیں تھا۔ مشعل بیڈ پر بیٹھ گئی، نظریں ابھی بھی حیام کے چہرے پر ٹکیں تھیں۔

وہ اُس کی امی کی اینیورسری کے دن کی تصویر تھی، وہی دن جب اُس کی قسمت دبے قدموں اُس پاگل سے روٹھ گئی تھی اور اُسے معلوم تک نہ ہوا تھا۔

آرز کمرے میں آچکا تھا، وہ مشعل سے کچھ فاصلے پر کھڑا اُسے تکنے لگا۔

"گڑیا؟؟"

مشعل نے چہرہ موڑ کر اُس کی جانب دیکھا۔

"آپ گاؤں چلے جائیں۔۔۔۔۔"

"کیوں؟"

مشعل کی اس بات پر وہ خود کو لاپرواہ ظاہر کرتا ڈریسنگ پر رکھی چیزیں ادھر اُدھر کرنے لگا۔

"وہ، مجھے لگتا ہے کہ وہ بدل جائے گی، وہاں رہ کر۔۔۔۔"

آرزنے آنکھیں موندے اپنے دل میں مشعل کی بات کا جواب خود کو دیا۔

(تمہیں شک ہے، لگتا ہے لیکن مجھے یقین ہے۔)

"آپ کو ڈر نہیں لگتا کہ گر وہ بدل گئی تو؟"

"تو؟ تو کیا ہو گا؟ کچھ نہیں ہو گا۔"

وہ اُس کی بات ادھوری چھوڑ کر تو لاپرواہ بننے کی اداکاری کر رہا تھا تو اُس پر داد واجب تھی۔

زندگی چلتی رہے گی مشعل، جیسے اب چل رہی ہے۔ زندگی ٹھہراؤ کا نام نہیں ہے، "

"زندگی تو تغیر پذیری کا دوسرا نام ہے۔

"جی لیں گے اُس کے بغیر؟؟"

ایک لمحے کے لیے اُس کی آنکھوں میں بے یقینی پھیلی جو کہ اب نہ تھی۔

"کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔ وہ میرے بناء جی رہی ہے اور میں اُس کے تو لگ رہا ہے کہ لوگ غلط کہتے ہیں فلاں نہ ملا تو مر جائیں گے، کوئی نہیں مرتا۔"

"بازل بھائی بتا رہے تھے کہ خالہ اماں بہت سخت ہیں اپنے اصولوں کے معاملے میں۔ آپ دونوں کا ملنا قسمت میں ہوا بھی تو درمیان آ کھڑی ہوں گی۔"

وہ شاید اُسے ڈرا رہی تھی۔

"وہ خدا تو نہیں ہیں مشعل۔خدا تو وہ اوپر ہے،وہ جو چاہے تو خالہ اماں سے ہزار مخالف ہی کیوں نہ کھڑے ہو جائیں وہ پھر بھی مجھے مل جائے گی۔لیکن تم دیکھنا کہ میں اُن کے سامنے جاؤں گا نا تو پگھل جائیں گی۔"

مشعل مسکرائی۔جو وہ سننا چاہتی تھی،سُن کر دل کو تسلی ہوئی تھی۔

"چلتی ہوں۔"

آرزنے جواب میں کچھ نہ کہا۔وہ کمرے سے نکل کر باہر آئی۔ہاتھ میں پکڑے موبائل کو نظر کے سامنے کیا جہاں حیام کو کال ملائی گئی تھی۔وقت چل رہا تھا۔پندرہ منٹ،اٹھارہ سیکنڈز سے وہ کال چل رہی تھی۔یقیناً وہ سُن رہی تھی۔

مشعل نے موبائل کان سے لگایا۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی دوسری جانب سے کال کاٹ دی گئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ گاؤں میں قیام اتنے دنوں سے آرز حسن کو بھولنے کی جو تگ ودو کر رہی تھی، ایک فون کال بس ایک، اُس کی تمام کوششیں پانی کی مانند بہہ گئی تھیں۔ اس حویلی کے لوگ ٹھیک کہتے تھے یہ شہر اور اُس میں بسنے والے لوگ بہت ظالم تھے، بہت ظالم۔۔۔۔

حیام اپنے آنسو پونچھتی بالکونی کا دروازہ کھولتی باہر نکل چاند کو تکنے لگی۔ اُسے وہ کمرہ جسے اپنا کہنے کا دعویٰ وہ کر چکی تھی ایک مرتبہ پھر اجنبی لگ رہا تھا، آرز حسن سے وابستہ کوئی شے جسے خیرات کا نام دے حیام کی جھولی میں ڈال دیا گیا ہو۔

دور تک پھیلے مرالہ کے کھیت سنسان تھے۔ ساری آبادی اپنے گھروں میں سو چکی تھی۔ یہاں رات شاید عشاء ہوتے ہی جو ہوئی چلی جاتی تھی۔ اگر اس پہر اُسے کوئی یوں بے پردہ باہر کھڑے دیکھ لیتا تو اُسے اماں بیگم کے غضب سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا، آرز حسن بھی نہیں۔

❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦

سورج کی پہلی کرن نمودار ہو چکی تھی۔ زندگی اپنے معمول پر رواں دواں تھی۔ سیاہ شلوار قمیض اوڑھے، سیاہ ہی چادر خود کے گرد لپیٹے بالوں کو آج پھر سے کھولا ہوا تھا۔ سیاہ رنگ سچ میں اُس پر خوب جچتا تھا۔ وہ ٹہلتے ہوئے برآمدے تک آئی۔ آج حویلی میں معمول سے بڑھ کر چہل پہل تھی۔ پاس سے گزرتی ملازمہ کو روک پوچھا۔

"کیا کوئی آرہا ہے؟"

"ہاں۔۔۔۔۔"

جواب اُس کے پیچھے سے آتی کرن نے دیا۔

"کون؟"

"گاؤں کی عورتیں۔۔۔"

"کیوں؟"

آج جمعہ ہے، گاؤں کی عورتیں آتی ہیں یہاں ہر جمعہ اماں سے اپنے مسائل کے حل
"جاننے کو۔

حیام طنزیہ ہنسی۔

یہ لوگ بھی ناااا۔اپنے مسائل خدا کے پاس کیوں نہیں لے جاتے؟ یہ لوگوں کا سہارا"
"ہی کیوں ڈھونڈنے نکل پڑتے ہیں؟

"بیشک!! خدا سے بڑھ کر کسی پریشانی کا حل کسی دوسرے کے پاس نہیں لیکن وسیلے
بھی خدا ہی تو پیدا کرتا ہے۔اور ہو سکتا ہے نا کہ یہ تمام لوگ اُسی کسی وسیلے کی تلاش میں
ہوں اور وہ اماں ہیں۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تمہاری اماں وسیلہ نہیں ہو سکتیں، ہر گز نہیں۔خدا کرے کہ اُن تمام لوگوں کو عقل "
"آجائے۔

کرن اُسے تکتی رہ گئی جبکہ وہ وہاں سے نکلتی منال کے کمرے کی جانب چل دی۔آج سعدیہ نہیں آئی تھی، وجہ وہ نہیں جانتی تھی۔اُسے سعدیہ کی عادت ہو گئی تھی۔وہ معصوم لڑکی اُسے اچھی لگی تھی۔

منال کے کمرے تک پہنچ وہ رُکی۔پھر کچھ سوچ کر دروازے پر دستک دی۔

"آجائیں۔۔۔"

منال کی آواز سُن اندر چلی آئی۔

حیرت ہے، حیام پہلی مرتبہ خود چل کر مجھ تک آئی ہے تو ضرور کوئی اہم بات ہو "
"گی۔

اُسے دیکھتی منال نے شاید کوئی طعنہ دیا تھا۔

یوں بولتے ہوئے تم بالکل اس حویلی کی ہی معلوم ہوتی ہو۔اچھا چھوڑو، سُنا ہے آج "
"گاؤں کی عورتیں آرہی ہیں۔

وہ وہیں بیڈ پر جا بیٹھی جبکہ منال ڈریسنگ کے سامنے کھڑی ڈوپٹہ حجاب کی صورت اپنے چہرے کے گرد لپیٹ رہی تھی۔ چہرہ پانی سے تر تھا، قمیض کی آستینیں کہنیوں تک موڑی ہوئیں تھیں جہاں ٹپکا ٹپکا پانی بہہ رہا تھا۔ وہ شاید ابھی وضو کر کے آئی تھی۔

"ہاں، آج جمعہ ہے۔"

وہ ہنسی۔

"کیوں ہنس رہی ہو؟"

منال نے اُس کے سوال پر اُس کی جانب دیکھا اور چل کر اُس تک آئی۔

"تمہیں دیکھ کر ہنسی آرہی ہے۔ سنو!! ابھی تم تک کوئی حکم تو نہیں پہنچا نا؟؟"

"نہیں، کیوں؟"

"سوال بہت پوچھتی ہو تم۔ خیر بہتر ہے کہ یہی رہو۔ یہاں تمہاری تلاش میں کوئی نہیں آئے گا۔ اس کمرے سے باہر حویلی کی فوجیں تمہیں ڈھونڈنے کو ماری ماری پھریں گی۔"

"لو میں نے کون سا کوئی قتل کر دیا ہے؟"

"کیا نہیں، پر کر تو سکتی ہو نا؟"

"میں سمجھی نہیں۔۔۔۔"

حیام کے چہرے پر نا سمجھی تھی۔ منال اُس کے قریب وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"وہ چاہیں گی کہ تم مل جاؤ تو تمہارے اس حلیے کو بدلوا ڈالیں۔ گاؤں والوں کی نظر میں یہاں کی بیبیوں کا تصور تم سا نہیں ہے۔ کوئی دیکھے گا تو خبر پورے گاؤں میں پھیل سکتی ہے اور یہاں کی اماں بیگم کو اپنی عزت بہت پیاری ہے۔"

حیام طنزیہ مسکرائی جبکہ منال اُٹھ کھڑی ہوئی۔ حیام نے اُس کا ہاتھ تھام اُسے روکا اور خود بھی اُٹھ اُس کے مقابل کھڑی ہوئی۔

تو سمجھو کہ آج سرحد پر فائرنگ کی تڑتڑاہٹ سے یہ حویلی کانپ اُٹھے گی۔ حیام "بخاری کا پہلا وار ہی بہت ظالم ہونے والا ہے۔"

"کیا کرو گی تم؟"

اب کے منال کے چہرے پر تجسس کی چڑیا آ بیٹھی۔

"خود سوچو اور بتاؤ، میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"تم حویلی کا دروازہ کھلواؤ گی؟"

منال کی بات پر وہ مسکرائی۔

"نہیں، لیکن آج میں یعنی کہ اس حویلی کی نام نہاد سیدہ بی بی کھلے آسمان تلے سانس لے کر دکھاؤں گی، وہ بھی پورے گاؤں کے سامنے۔۔۔۔اور ہاں، اچھا لگا کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے میں وہ دروازہ کھلوا سکتی ہوں۔"

ایک بی بی کے حویلی سے باہر منہ جھانکنے کا مطلب منال اچھے سے جانتی تھی۔ حیام چاہے سے وہ کام اماں کے خلاف اُن کے اصولوں کو توڑنا چاہتی تھی لیکن یہ ایک عذاب تھا، ایک قیامت تھی۔ خوف کا سایہ اُس کے چہرے پر لہرایا جو حیام نے دیکھا تھا یا نہیں لیکن بس اتنا معلوم تھا کہ آج حویلی پر غضب ڈھلنے والا تھا۔

"تم کیا کرنے لگی ہو؟"

"سورۃ الکھف کی تلاوت۔۔۔۔۔"

منال کی آواز کانپ رہی تھی۔ شاید حیام نے محسوس نہ کیا تھا یا وہ محسوس کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"میں یہاں لیٹ جاؤں تو کوئی مسئلہ تو نہیں؟"

بیڈ کی جانب اشارہ کیا گیا۔

"نہیں، تم لیٹ جاؤ۔ میں وہاں صوفے پر بیٹھ جاؤں گی۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

منال اب تک وہیں کھڑی تھی جبکہ حیام لیٹ چکی تھی۔

"اچھا سنو! میرا موبائل لا دو مجھے اور ہاں، الماری کے نچلے خانے میں کپڑوں کے پیچھے ہینڈ فری بھی رکھی ہو گی۔ میری پیاری دوست وہ بھی لا دو۔"

منال نے محض سر ہلایا۔

منال نے اُسے موبائل اور ہینڈ فری لا دی تھی۔ خود وہ ایک جانب صوفے پر قرآن لیے بیٹھ گئی۔ وہ قرآن کی تلاوت کر رہی تھی جو کہ حیام نہ سُن سکتی تھی۔ اُس کی سماعت اُس پُر روشن خدا کے احکامات سُننے سے عاری تھی۔ اُس کی سماعت تہہ در تہہ اس وقتی دنیا کی رنگینیوں میں غفلت کی دُھن سُننے کو کوشاں تھی۔ کیا خدا کا قہر تھا جو نازل ہو رہا تھا، وہ بھی ایک سیدزادی پر۔ منال نے اپنے دل میں خدا سے خواہش کی۔

(یا اللہ!! میرا ساتھ دیں کہ ایک سیدزادی کو اُس کے اصل تک لے آؤں۔ قیامت سے پہلے قیامت برپا مت ہونے دیجئے گا۔ حیام بخاری کا دل روشن کر دیں۔ اسے اپنے اصل سے جوڑ دیں۔ اسے سیدزادی بننا سیکھا دیں۔)

ساتھ ہی آنسو کا ایک قطرہ اُس کی آنکھ سے بہہ نکلا۔

اس خاک کو ہدایت دے مولا

اُس خاک میں ملنے سے پہلے

وہ دونوں اس وقت آفس میں موجود تھے۔آرز کے ہمراہ بیٹھا وہ کوئی فائل ڈسکس کر رہا تھا۔جب آرز نے پوچھا۔

"امی ابو کو کب تک یوں انجان رکھیں گے ہم؟"

بازل پہلے تو کچھ نہ بولا لیکن بہت سوچنے سمجھنے کے بعد آخر بول پڑا۔

"معلوم نہیں۔آرز، تجھے معلوم ہے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"کل چچا جان نے جب رشتے سے انکار کی بات کی تو مجھے لگا کہ ابو اندر، کہیں بہت اندر سے ٹوٹ گئے۔اُنہیں اپنے بھائی سے یوں اس سب کی توقع نہ تھی۔اب جب اُنہیں معلوم ہو گا کہ یہ چھائی بدگمانی اُن کے بھائی کی بدولت ہے ہی نہیں تو مزید بکھر جائیں گے، نہیں؟"

"میں سب سنبھال لوں گا۔ تو بس یہ بتا کہ کب بتائے گا اُنہیں؟"

شاید اُسے کسی کام کی بہت جلدی تھی۔ بازل کے جواب دینے سے پہلے ہی اُس کے موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ بازل موبائل تھامے مسکرا رہا تھا۔ آرز اُس کے ایک ایک عمل کو قریب سے دیکھ رہا تھا۔

"وہ مان گئی ہے یقیناً۔۔۔۔۔۔"

بازل نے حیرت سے دیکھا۔ آرز مسکراتا ہوا ایک مرتبہ پھر فائل کھنگال رہا تھا۔

"نہیں۔ مطلب؟"

"انکار کر دیا کیا؟"

آرز نے حیرت کا اظہار کیا جبکہ چہرے پر دبی دبی سی مسکراہٹ اب بھی واضح تھی۔

"نہیں۔ کیا منحوس باتیں کر رہا ہے؟"

اُس کے یوں کہنے پر آرز کھل کر ہنسا۔

"تو مرد بن کر بول نا مان گئی ہے۔"

"تجھے کیسے معلوم کہ میں نے؟"

بازل جی بھر کے حیران ہوا۔

"تیری مسکراہٹ میں تو کیا پوری دنیا دیکھ کر بتا سکتی ہے کہ کیا معاملہ ہے؟"

"بکواس نہ کر۔"

بازل اب تک شش و پنج کا شکار تھا۔

"تو بھول رہا ہے کہ میں بھی اس راستے سے کبھی گزرا ہوں جہاں آج تو ہے۔"

بازل نے اُسے نرم نگاہوں سے دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اب کی بار آرز کے موبائل پر شاہ میر کا نام جگمگانے لگا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ مسکرائے۔ آرز نے کال پک کرتے ہی سپیکر پر ڈالی اور سلام کیا۔ سلام کرتے ہی وہ شروع ہو چکا تھا۔

"تجھے پتہ ہے یہ کمینہ بازل، بڑی توپ چیز نکلا ہے یار۔"

"ہیں؟ کیوں؟"

شاہ میر حویلی کے پچھلے دروازے پر ٹہل رہا تھا۔ سامنے باورچی بڑے بڑے پتیلے اور دیگیں چڑھائے کام پر لگے تھے۔ حویلی میں صدا سے کھانے کا اہتمام یوں ہی ہوا کرتا تھا۔ پورے گاؤں میں تین وقت کا کھانا حویلی سے ہی جاتا۔ خدا یونہی تو عزت اور

برکتیں عطا نہیں کیا کرتا۔خدا کے بندوں کو خوش اور راضی رکھنے کا ہی توصلہ دنیا میں

اور آخرت میں تو یقیناً ملا کرتا ہے۔

"دیکھ تو زرا لڑکی ڈھونڈلی، منالی،اس کی سپیڈ چیک کر تو بس۔"

بازل آرز کو سُن خجل سا ہوا۔

"مبارکاں ویرے!!!!!!!!سُن لڑکی کون ہے؟نام ہی بتا دے؟"

شاہ میر واقعتاً خوش ہوا تھا۔

"پری۔۔۔۔۔۔پریشے رحمان۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آرز اور بازل دونوں مسکرا رہے تھے جبکہ شاہ میر کی مسکراہٹ سمٹی۔

"پریشے؟یہ تو وہی۔۔۔"

آرز نے ٹوکا۔

اُس کے ساتھ میں پہلے ہی بہت بُرا کر چکا ہوں۔میرا بھائی میری غلطیاں سدھارتے"

"سدھارتے تھک جائے گا۔

بازل نے ایک مکا اُس کے منہ پر جڑا۔

کمینے !!دوبارہ ایسی بات مت کری، ورنہ تجھے اُٹھا کر باہر پھینک دوں گا وہ بھی شاہ میر"
"بھائی کی کھڑکی سے۔

آرز سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ اُس کے ساتھ ہوا کیا ہے۔ جبکہ بازل کی بات پر
موبائل کے اُس پار شاہ میر کا قہقہہ حویلی کے باہر گونجا۔

تو میرا یار تھا بغیرت انسان، تو میرے دشمنوں میں کب سے شامل ہو گیا؟ اور ہماری"
"باتیں اب لوگوں کے منہ سے سُننا ہی رہ گیا تھا۔

آرز کا تو مانو برا حال تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ بازل اُس کی حیام کے لیے فکر اور شاہ میر کو
آدھی رات گئے اُٹھانے والی بات جان گیا تھا اور ظاہر ہے بتانے والا وہی شاہ میر ہی تھا۔

"میرے یار!!! اب یہ بھی ہم لوگوں میں ہی ہے۔ مانا کہ پہلے عورتوں میں زیادہ اُٹھتا
بیٹھتا تھا لیکن خیر اب ماشاءاللہ سے ٹھیک ہو گیا ہے۔"

اب کی بار منہ بگاڑنے کی باری بازل کی تھی۔ بازل ہمیشہ کی طرح کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن
کہہ نہیں پایا، وجہ شاہ میر کی طرف سے بشیرا بیگم کی ہانپتی ہوئی آوازیں آنے لگیں
تھیں۔

"چھوٹے شاہ!!!! چھوٹے شاہ!!!!"

"بشیر ابی کیا ہوا ہے؟"

موبائل کان پر سے ہٹاتے وہ اُن کی جانب گھوما۔

سیدہ بی بی۔۔۔۔،اماں بیگم سے الجھ رہی ہیں۔آپ کے لیے بلاوا بھیجا گیا ہے۔"
"جلدی چلیں۔

"چلیں۔میں بعد میں بات کرتا ہوں تم لوگوں سے۔"

وہ کال کاٹ کر چلا گیا جب کہ آرز پیچھے شاہ میر شاہ میر کہتا رہ گیا۔وہ الجھن اور پریشانی دونوں کا شکار تھا۔کیا ہوا تھا وہاں ایسا؟حیام تو ٹھیک تھی نا؟اور یہ کون سیدہ بی بی آگئی تھی حویلی میں؟وہ تو کسی سیدہ بی بی کو نہ جانتا تھا۔

وہ اپنے پُرانے حلیے میں بیڈ سے اُٹھتی کمرے سے نکلی۔سامنے بیٹھی منال نے اُسے خوف سے دیکھا۔وہ اُس کے پیچھے جانا چاہتی تھی لیکن اُس کے قدم انکاری تھے۔اُس میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے۔

سامنے بیڈ پر پڑا حیام کا موبائل بجنے لگا تھا۔موبائل کی رنگ ٹون بار بار چنگھاڑتی بے سکونی پھیلا رہی تھی۔وہ اُٹھنا چاہتی تھی کہ اُٹھ کر موبائل ہی آف کر دے،حویلی

کے کسی فرد تک وہ آواز نہ پہنچ جائے لیکن نہ اُٹھ سکی۔ آخر کار موبائل خود ہی شور مچا کر میٹھی نیند سو گیا۔

حیام راہداری میں آئی تو بشیر اں کو سامنے کھڑی ملازمہ سے دھیمے لہجے میں کچھ کہتے پایا۔ شاید اُنہوں نے اسے نہ دیکھا تھا تب ہی اپنی کہی سُنا کر برآمدے میں چلی گئیں۔ جوں ہی حیام نے قدم بڑھا کر برآمدے کے گرد ڈھلے پردوں کو ہٹا کر برآمدے میں جانے کی کوشش کی، کھڑی ملازمہ کو بولتے پایا۔

"سلام، سیدہ بی بی!"

وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"وعلیکم السلام!"

جواب دے کر وہ پھر سے جانا چاہتی تھی لیکن ایک مرتبہ پھر ملازمہ کی آواز نے اُسے روکا۔

سیدہ بی بی!! اماں بیگم نے برآمدے میں آنے کے لیے سب کو منع کیا ہے۔ وہاں کوئی "نہیں جا سکتا۔

حیام نے سر تا پاؤں اُسے دیکھا۔

ہاں، تو منع کیا ہوگا تمہاری اماں بیگم نے لیکن وہ میری اماں بیگم نہیں ہیں۔ کتنی مرتبہ "

"بتاؤں اب اس حویلی کے ملازموں کو؟

حیام نے کہہ کر ایک مرتبہ پھر جانے کی کوشش کی۔

"بی بی !! مت جائیں۔ آپ تو چلی جائیں گی لیکن اماں بیگم مجھے۔۔۔۔۔"

اس سے آگے وہ ملازمہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"کچھ نہیں کہیں گی وہ تمہیں۔"

اُسے ایک طرف کر حیام پردہ ہٹاتی برآمدے میں چلی آئی، نہ سر پر ڈوپٹہ نہ ہی منہ ڈھانپا ہوا تھا۔ بال کُھلے جھول رہے تھے۔ ڈوپٹہ پھیلائے وہ وہاں کھڑی سب کو اپنی موجودگی باآور کروا گئی۔

وہاں بیٹھی تمام گاؤں کی خواتین کا رُخ اُس کی طرف تھا۔ وہ کون تھی؟ کیوں تھی اس حویلی میں؟ وہ اس حویلی کی تو نہ تھی۔ بہت سے خاموش سوالات اُن کے لبوں پر مچل رہے تھے۔ حیام نے مسکرا کر اماں بیگم کو دیکھا جو کہ بس خاموش نظروں سے اُسے تکتی جا رہی تھیں۔ لکڑی کے تخت نما جھولے پر بیٹھیں وہیں جہاں وہ بیٹھا کرتیں تھیں۔ بشیراں سمیت باقی تمام عورتیں نیچے زمین پر بیٹھیں تھیں۔ کیا یہ برابری تھی؟

جو اسلام نے سب مسلمانوں کو دی تھی۔ حیام ایک مرتبہ پھر طنزیہ مسکرائی جس کا علم صرف اماں بیگم کو تھا۔ خالدہ بیگم، نفیسہ بیگم کے ہمراہ ملازموں کے ساتھ چائے پانی کا بندوبست کیے برآمدے میں آئیں تو حیام کو دیکھ اُن دونوں کے بھی قدم تھم گئے۔

"حیام!! آؤ بیٹا، بیٹھو۔۔۔"

خالدہ بیگم نے آگے بڑھ کر اُسے بیٹھنے کو کہا اور کہہ بھی کیا سکتی تھیں۔ ساتھ ہی ملازماؤں کو مہمان نوازی کرنے کا اشارہ کیا گیا۔ گاؤں سے آئی ایک عورت نے آخر کو اماں بیگم سے سوال کر ہی ڈالا۔

"اماں بیگم!! یہ کون اے کڑی؟ ایس حویلی دی تانی آ۔۔۔"

اماں بیگم نے محض حیام کو گھور کر دیکھا۔ آج اُنہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو کہتی ہے سچ کہتی ہے۔ ایک مرتبہ کچھ ٹھان لے تو پورا کر کے ہی رہے گی۔

"شہر سے آئی ہے۔"

نفیسہ بیگم نے وہیں اماں بیگم کے پاس رکھی تخت نما کرسی جس کی ٹیک نہ تھی، پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"مصطفیٰ ویرے کو تو جانتی ہیں نا؟ اُنہی کی بیٹی ہے۔"

وہاں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھاگئی۔ اگر یہ مصطفی صاحب کی بیٹی تھی تو کیا شہر میں جانے کے بعد سید زادے، سید زادے نہیں رہتے؟

"بشیر ابی! مجھے باہر جانا ہے۔"

حیام نے سب کو نظر انداز کیے بشیر ابی کو حکم سنایا۔ اُسے سب کی معنی خیز نظریں چھُب رہی تھیں۔ وہ یہ بھول گئی تھی کہ جب کسی کو تکلیف دینا چاہیں تو پلٹ کر کچھ تیر خود کی جانب بھی آتے ہیں۔ اپنی لگائی آگ میں خود بھی جلنا پڑتا ہے۔

"بی بی!! کتنی مرتبہ کہوں کہ تم باہر نہیں جا سکتی۔"

کچھ وقت پہلے جو ماحول میں شرمندگی چھائی تھی، کہیں کھوگئی تھی۔ اماں بیگم کی کڑک دار آواز گونجی۔

"میں بھی تو بتا چکی ہوں کہ میں جاؤں گی۔ مجھ پر آپ اپنی یہ پابندیاں نہیں لگا سکتیں۔"

ایک مرتبہ پھر اماں بیگم خاموش ہو گئیں۔ ایک مرتبہ پہلے بھی وہ پوری حویلی کے سامنے اُنہیں جواب دے چکی تھی لیکن اب کی بار گاؤں؟ توہین کی گئی تھی اُن کی۔

"بشیر ابی!! شاہ میر بھائی کو بلائیں۔"

لیکن بشیر ابی ٹس سے مس نہ ہوئیں۔

"میں خود بلانے چلی جاؤں گی۔"

بشیرا بی فوراً سے پیشتر اُٹھ کر باہر کو بھاگیں جہاں شاہ میر موبائل پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔ جب تک شاہ میر نہ آیا وہ دونوں ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھ رہیں تھیں۔ شاہ میر کے آتے ہی تمام عورتوں نے منہ ڈھانپ لیے۔ شاہ میر کی نظریں پورا وقت زمین سے چپکی ہوئیں تھیں۔ اُس کے آتے ہی حیام نے ڈوپٹہ نام کا سر پر پھیلایا، ویسا ہی نام کا جیسا وہ شہر میں اوڑھا کرتی تھی۔ ہاں، آرزاور بازل کے سامنے تو خیر تھی نا۔ وہ کچھ دن پہلے تو شاہ میر کے سامنے بھی ڈوپٹہ اوڑھنے سے انکاری تھی لیکن رفتہ رفتہ اپنے اصل کو لوٹ رہی تھی۔ حیام کے مطابق بس اتنا ہی اُس کا اصل تھا لیکن اگر وہ یہاں تک آگئی تھی تو اپنے مکمل اصل کو جاننے میں بھی اُس کے لیے دیر نہ تھی۔ اُس کا دل بدلنے والا تھا، کسی نے پورے دل سے اُس کے حق میں دعا مانگی تھی۔

"حیام!!"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن نہ کہہ سکا۔ وہ اپنی اماں سے بہت محبت کرتا تھا۔ یہاں آتے ہی وہ تمام باتیں جان گیا تھا۔

"بھائی! میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مجھے کھلی ہوا میں سانس لینا ہے۔"

معصوم صورت بنائے وہ اُسے بھائی کہہ گئی تھی۔شاہ میر مسکرایا۔شاید گاؤں کی عورتوں نے اُسے مسکراتے یوں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔شاہ میر کا دل چاہا کہ سامنے آرز ہو تو اُسے پکڑ اپنے سینے سے لگا لیتا اور کہتا۔(میں قربان جاؤں تجھ پر،اپنے جیسی ہی ڈھونڈی ہے تو نے۔)وقت آنے پر کسی کو بھی قائل کرنا جاننا بھی ایک خوبی ہے جو حیام سے پہلے اُس نے آرز حسن میں دیکھی تھی۔

بشیر ابی!!آپ مناہل سے کہیں اسے چھت پر لے جائے۔کچھ دیر کھلی فضا سب کے" "لیے ضروری ہوتی ہے۔

اس سب میں اماں بیگم خاموش بیٹھی تھیں۔

"نہیں بھائی!!خود سوچیں نا کہ چھت پر جاؤں گی تو پورا گاؤں دیکھے گا اور جان جائے گا کہ حویلی کی کوئی بی بی موجود ہے۔میں باہر جاؤں گی تو کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

شاہ میر ایک مرتبہ پھر مسکرایا۔وہ پاگل یہ بھول گئی تھی کہ حویلی کے چاروں اطراف کھلی زمین سے گھرے تھے،اگر تو کوئی اُسے چھت پر کھڑا دیکھتا بھی تو سوائے ایک نقطے کے کچھ نہ سوجھتا۔

بشیر ابی!دس منٹ کے بعد آپ حیام کو باہر لے آیئے گا۔میں سب مردوں کو" "دوسری طرف کروا دیتا ہوں۔

وہ جاتے جاتے واپس مڑا۔

"آپ کی بیٹی کدھر ہے؟"

"وہ آج نہیں آئی۔۔"

"اُس کو بُلوائیں۔ دس منٹ کے اندر وہ یہاں ہو۔ اس حویلی کی سیدہ بی بی کے ساتھ سائے کی طرح رہے گی وہ، چاہے اندر ہو یا حویلی کے باہر۔"

بشیرا بی نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ کہہ کر چلا گیا تھا۔ حیام کے چہرے پر مسکراہٹ اُبھری۔ چہرہ گھما کر اماں بیگم کو دیکھا جو بے بس اُسے دیکھ رہیں تھیں۔ وہ سر ہلا کر اندر چلی گئی۔ یہ خوشخبری اُسے منال کو بھی تو دینی تھی۔ پردہ ہٹا کر راہداری میں آئی تو کرن اور مناہل کان لگائے اُنہیں ہی سُن رہے تھے۔ اُنہیں دیکھ مسکرائی جو کہ اُس کے آتے ہی سیدھی ہو گئیں تھیں۔ مناہل کے گال تھپتھپاتی وہ سیڑھیوں کا رُخ کر گئی۔

منال کے کمرے میں داخل ہو دیکھا تو منال اب بیڈ کے کنارے پر ٹکی تھی۔ حیام کے آتے ہی فوراً مڑ کر التجائی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔

"مبارک ہو، حیام جیت گئی ہے آج۔"

"کاش کہ تم جان لو، تم ہار گئی ہو آج۔"

منال منمنائی لیکن حیام اُسے سُن چکی تھی۔

"نہیں، تم نے شاید ٹھیک سے سُنا نہیں۔ میں جیت گئی ہوں۔"

وہ چل کر بیڈ تک آئی اور منال کی جانب رُخ کیے بیٹھ گئی۔

"تمہیں معلوم ہے، حیام!! ایک مرتبہ میں بھی اس حویلی کے باہر کی دنیا دیکھ چکی ہوں اور مجھے معلوم ہوا کہ ہم سیدزادیوں کا یوں باہر نکلنا ہمیشہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ میں نے باہر نکلنے کے، قدم رکھنے کے بہت نقصان اُٹھائے ہیں، بہت قربانیاں دی ہیں لیکن مجھے اگر ذرا برابر بھی علم ہوتا کہ تم یہ سب کرو گی تو کبھی تمہارا ہاتھ تھام تمہیں اس راستے تک لے کر ہی نہ جاتی۔ تم اب بھی مت جاؤ، کسی بڑے نقصان سے بچ جاؤ۔"

وہ التجا کر رہی تھی۔

"ہم سیدزادیاں ہیں، یہ تو ہمارے لیے فخر کی بات ہے منال، لیکن ہم غلام تو نہیں ہیں نا؟ کہ اپنے بڑوں کے بنائے اصولوں میں قید ہو کر رہ جائیں۔"

کڑواہٹ حیام کے منہ میں گھلتی زہر بن رہی تھی۔

"نہیں، یہ اصول ہمارے بڑوں نے ہمیں قیدی بنانے کے لیے نہیں بنائے۔ یہ تو ہمیں معاشرے کے اصولوں سے بچانے کے لیے بنائے ہیں۔"

"کون سے اصول؟ تم کن اصولوں کی بات کر رہی ہو؟"

حیام نے اُسے دیکھا۔

"تم جلد جان جاؤ گی۔ بس ایک بات یاد رکھنا کہ ہم اکثر غلط ہوتے ہیں۔"

منال اُسے کہہ کر باہر نکل گئی جبکہ وہ وہیں بیٹھی رہی۔ ایک مرتبہ پھر اُس کا موبائل بجنے لگا تھا لیکن اپنے تایا کا نام جگمگاتا دیکھ اُس کا دل مزید بھاری ہو گیا۔ موبائل آف کرتے وہ اُٹھ کر اپنے کمرے کو چل دی۔

اماں بیگم خاموش بیٹھی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اُن کے سامنے بیٹھی عورتیں بہت سے جوابوں کی منتظر ہیں۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن اُن کے بولنے سے پہلے ہی ایک عورت بول پڑی۔

"اماں بیگم!! کیوں پریشان ہوتی ہیں؟ بالڑی اے وہ۔ شہر سے آئی ہے، اب یہاں آپ کے پاس آگئی اے تو آپے ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ سیکھا دیجیے گا اُسے۔"

اماں بیگم نے اُسے دیکھا اور بولا۔ چہرہ اب بھی بے تاثر تھا لیکن آواز سخت تھی۔

"مت بھول کہ سیدزادی ہے وہ۔ جو بھی ہے تیرے لیے عزت کے قابل ہے۔"

جواباً وہ عورت خود ہی شرمندہ ہو گئی۔

"بشیرا!! چل مجھے اندر جانا ہے۔ان سب کو کھانا کھلا کر بھیجیں۔"

وہ اُٹھ کر اندر کو چل دیں۔بشیرا بی اُن کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں۔

خالدہ بیگم اور نفیسہ بیگم اب بھی جوں کی توں سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ایک مرتبہ پھر سے وہی عورت بول پڑی جو کچھ دیر پہلے بولی تھی۔

"بی بی جی! کیوں فکر کرتیں ہیں آپ دونوں؟ ہم عورتیں بڑی عزت کرتیں ہیں آپ لوگوں کی اور اماں بیگم تو بیچ کہہ کر گئی ہیں۔آپ فکر نہ کریں، یہ بات اس حویلی کی چار دیواری میں ہی رہے گی۔"

سب عورتیں ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔اُن کے یوں ردِ عمل پر خالدہ بیگم نے مسکرا کر نفیسہ بیگم کو دیکھا۔اُن لوگوں کو کچھ ڈھارس ملی تھی۔

شاہ میر نے اپنے خاص ملازم بلال سے کہہ حویلی کا پچھلا حصہ خالی کروا دیا تھا۔ کھانا پکانے کا جو سلسلہ چل رہا تھا اُسے حویلی کے اگلی جانب منتقل کروا دیا گیا۔سب مرد

ملازموں کو یہ حکم سُنا دیا گیا تھا کہ کوئی بھول کر بھی وہاں نہ جائے گا، اصل وجہ نہیں بتائی گئی تھی۔

سعدیہ کو بُلا لیا گیا تھا۔ وہ برآمدے میں کھڑی حیام کی منتظر تھی۔ حیام چلتی ہوئی برآمدے میں آئی، اُسے ایک نظر دیکھ باہر کو چل دی۔ یہ وہی راستہ تھا جہاں سے چل وہ حویلی میں داخل ہوئی تھی۔ وہی راستہ جو حویلی کے پچھلی طرف کو کُھلتا تھا۔ سعدیہ نے آگے بڑھ کر اُس کے لیے دروازہ کھولا۔ اپنی چادر درست کر وہ باہر کو آ گئی۔ باہر قدم رکھتے ہی اُسے یاد آیا کہ یہ وہی جگہ تھی جہاں اُن کی گاڑی آ کر رُکی تھی۔ اُس کے بابا اُس کے ساتھ کھڑے تھے، اُس کے کاندھوں پر بازو پھیلائے۔ اُس نے چہرہ موڑ کر اپنے کاندھے کو دیکھا، شاید کہ اب بھی اُس کے بابا وہاں موجود ہوں لیکن کچھ نہ تھا۔ اُس کی آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔ چہرہ سامنے کو کیا اور تھوڑا مزید چل کر باہر کو گئی۔ اب کے سورج کی روشنی سیدھا اُس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے گئی۔ اُس نے سورج کی چھُبتی ہوئی کرنوں سے خود کو بچانے کے لیے اپنا ہاتھ اپنے چہرے کے آگے کیا۔

ارد گرد دیکھا تو ہر سو پھول لگے تھے، وہاں کی دنیا الگ تھی۔ گلاب، ٹیولپ، سورج مکھی اور گلِ داؤدی کے پھولوں سے باہر کی دنیا سجی ہوئی تھی۔ زمین پر گھاس جو اُسے انجانہ

ساسکون بخش رہی تھی۔ سامنے چھوٹا سا سوئمنگ پول تھا جس کے ایک طرف میز رکھی ہوئی تھی اور میز کے گرد چار کرسیاں تھیں۔

"سعدیہ!!"

"جی، سیدہ بی بی!"

میں نے تو سُنا تھا کہ حویلی کے چاروں جانب صرف مٹی ہی مٹی ہے۔ پر یہاں"

"تو۔۔۔۔"

"ٹھیک سُنا ہے آپ نے۔ مٹی ہی مٹی ہے، کچی زمینیں ہیں۔ اس باغ کو دیکھیں، نظروں میں دور دور تک اس کی ہریالی کے سوا کچھ دکھتا ہی نہیں لیکن جہاں یہ ختم ہوتا ہے وہاں بانس کی دیوار کھڑی کی گئی ہے۔ اُس کے باہر پھر سے مٹی ہی مٹی ہے جو کہ حویلی کی دیواروں تک کو چھوتی ہے، اتنی پھیلی ہوئی ہے۔ یہ حویلی تو بہت بڑی ہے۔"

"ہمم! تم آئی کیوں نہیں تھی آج؟"

"وہ سیدہ بی بی!! میرا چھوٹا ویر ٹھیک نہیں تھا۔ اب حویلی سے بلاوا آیا تو میں آ گئی۔"

"وہ اکیلا ہے؟؟"

"نہیں جی، چھوٹے شاہ نے اُس کے لیے حویلی سے ملازم بھجوا دیا تھا۔"

"چلو، اندر چلو۔۔۔۔۔"

وہ اب وہاں مزید کھڑا نہیں ہونا چاہتی تھی۔ایک نظر باہر کی دنیا دیکھ وہ واپس حویلی کے اندر چلی گئی۔

حسن صاحب نجانے کب سے حیام کو کال ملائے جا رہے تھے لیکن مجال تھی کہ وہ لڑکی ایک مرتبہ اُٹھا لیتی۔اب تو اُس کا موبائل نمبر آف آ رہا تھا۔شام ہونے کو آئی تھی لیکن وہ بعض نہ آئے تھے۔تنگ آ کر اب کے ندا بیگم بول پڑیں۔

"حسن!! بس کر دیں۔وہ بات ہی نہیں کرنا چاہتی آپ سے۔دیکھا نہیں کیسے ہم سے وعدہ کر کے گئی تھی کہ روز بات کرے گی لیکن ایک مرتبہ، ایک مرتبہ بھی بات نہیں کی اُس نے۔"

جواباً حسن صاحب خاموش رہے۔

کیا بات کریں گے آپ اُس سے؟ وہ انکار کر چکی ہے۔مصطفیٰ صاف صاف کہہ چکا ہے" "آپ سے۔

اُن کی بات سُن ابھی وہ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن بازل دروازے پر دستک دیئے اندر آیا۔

"ابو! بات کرنی ہے مجھے آپ دونوں سے۔۔۔۔"

"آؤ، بیٹھو۔"

وہ چلتا ہوا اپنی ماں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"امی! میں چاہتا ہوں کہ آپ خالہ سے بات کریں۔"

"کس معاملے میں؟؟"

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ دونوں میاں بیوی سمجھے تھے کہ وہ پاگل ہو گیا ہے۔

"آرزو سے؟ تم پاگل ہو گئے ہو؟ وہ چھوٹی بچی ہے۔"

ندا بیگم نے سخت لہجے میں اُسے انکار کیا۔

"نہیں، امی! آرزو کے لیے نہیں، پریشے کے لیے۔"

اب اُنہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ سچ میں پاگل ہو گیا ہے۔

بازل!! تم پاگل ہو؟ تمہاری منگنی ٹوٹی ہے۔ میرے آرزکی نہیں اور خدا نہ کرے کہ "

" کبھی ٹوٹے۔ جانے کیا بولے جا رہے ہو؟

ندا بیگم بولے جا رہی تھیں لیکن حسن صاحب خاموش نظروں سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہے تھے، نجانے کیا پڑھ رہے تھے۔ ہاتھ کے اشارے سے ندا بیگم کو خاموش رہنے کا کہا۔

"بازل! میری طرف دیکھ کر کہو جو کہنا ہے۔"

"ابو! ایک منگنی نہیں ٹوٹی ہے، دونوں ٹوٹی ہیں۔ آپ لوگوں نے غلط فیصلے کر لیے تھے اور ہم بچوں کو کھلونے کی مانند استعمال کیا گیا لیکن آپ کی خوش گمانیوں کے پہاڑ بھی ٹوٹ گئے ہیں۔"

وہ دونوں خاموش بیٹھے بس اُسے سُن رہے تھے۔ بازل لمحہ بہ لمحہ اُنہیں سچ سے آشنا کرتا گیا۔ کتنا کچھ ہو چکا تھا اُن کی آنکھوں کے سامنے، وہ کیسے نہ دیکھ سکے؟ ندا بیگم کو افسوس نے گھیر لیا تھا۔ اُنہیں آرز کی بے بسی یاد آئی، کیسے وہ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن بولنے کا ایک موقع تک نہ دیا گیا تھا۔

"میں آتا ہوں۔"

حسن صاحب خاموشی سے اُٹھ کمرے سے باہر آئے۔ نکلتے ساتھ ہی آنکھوں میں موجود نمی صاف کی اور آرز کے کمرے کی جانب چل دیا۔ دروازہ کھول کر اندر گئے تو وہ وہیں صوفے پر بیٹھا لیپ ٹاپ سامنے رکھے آفس کا کام کر رہا تھا۔

"آرز۔۔۔!"

اُن کے پکارنے پر آرز نے اُن کی جانب دیکھا جو دنیا و مافیہا سے بیگانہ کام کرنے میں مصروف تھا۔ فوراً سب کچھ ایک طرف کیے اُٹھ کر اُن کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"ابو۔۔۔! خیریت ہے نا؟ آپ خود چل کر میرے پاس۔۔۔"

لیکن اُس کی بات مکمل نہ ہو پائی تھی۔ حسن صاحب کا ہاتھ اُٹھا تھا جو کہ آرز کے چہرے پر اپنی چھاپ چھوڑ گیا۔

"میری بیٹی کو کس راستے ڈال دیا تم نے؟ تمہاری وجہ سے وہ یہ گھر چھوڑ کر گئی ہے۔"

آرز کو ہنسی آئی لیکن وہ ہنس بھی نہ سکا۔ آج اُس کا باپ اُس تک آیا تھا تو بھی کس کے لیے؟ کسی اور کے لیے؟ اُنہیں اُس کی فکر تھی لیکن اپنے بیٹے کا ذرا خیال نہیں۔

"ابو!!! میری غلطی؟"

"گر تم اُسے پسند کرتے ہی تھے تو یہ منگنی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دو دو لڑکیوں کی زندگی سے کھیل رہے ہو تم؟ اور حیام؟ اُس کے بارے میں تم نے ایسا سوچا، تو کیسے؟"

آرز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس کی ہمت جواب دے گئی۔ اُس کا صبر بس اتنا ہی تھا۔

"بس کر دیں۔ابو! کوئی گناہ نہیں کیا میں نے اور کیوں نہیں سوچ سکتا میں؟ آخر کیوں؟ بتائیں نا؟ کوئی وجہ؟ لیکن آپ کیا بتائیں گے، آپ کے پاس کچھ کہنے کو ہے ہی نہیں۔"

اب کے وہ سخت باتیں کہہ رہا تھا لیکن مجال تھی جو لہجہ بھی اُن باتوں کی طرح سخت یا کڑوا ہوتا۔

"آرز۔۔۔۔!!"

حسن صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن اُنہیں روک دیا گیا۔

"ابو! میری بات پہلے پوری ہونے دیں۔وہ بہن ہے میری، یہی کہیں گے آپ تو پھر وہ بازل کی بہن کیوں نہیں ہے؟ یہ ماں باپ بھی نجانے آخر کیا سوچ کر فیصلے کرتے ہیں۔ اگر بچے خود پسند کر لیں تو نہیں، بہن ہے وہ تمہاری لیکن اگر خود پسند کر لیں اولاد کے لیے تو ہزار دلیلوں کو رد کر دیتے ہیں۔اتنا فرق ابو؟ آپ باہر والوں کو تو چھوڑیں، آپ نے تو مجھ میں اور بازل میں ہی اتنا فرق کر دیا۔ہماری ایک بات نہ سُنی۔کون سا فیصلہ کرنے کا اختیار آپ نے ہمیں دیا تھا؟ کوئی بھی نہیں۔جسے آپ فیصلے کا اختیار کہتے ہیں نا؟ وہ ہمارے لیے منت سماجت ہوتی ہے۔ہزاروں مجبوریوں کا لیبل لگا کر ماں باپ گر یہ کہیں کہ دیکھ لو، آگے تماری مرضی ہے، تمہارا فیصلہ ہے تو آپ بتائیں اولاد فیصلہ

کرے تو کیا کرے؟میں نے آج تک سُنا،پڑھا کہ ساری قربانیاں سیدزادیوں کو دیناپڑتی ہیں۔قربانی عورت ذات سے منسوب ہے لیکن آج میں دیکھ رہاہوں کہ قربانی تو مرد سے عورت کی نسبت زیادہ وابستہ ہے۔عورت قربانی دے دے تو عزیم ہو جاتی ہے اور مرد قربانی دے تو کچھ بھی نہیں۔۔۔۔"

اُس کے آنسو رخسار پر بہہ گئے۔حسن صاحب نے غور سے اُسے دیکھا۔اُن کا بیٹا تو یوں نہ تھا،یہ کوئی اور تھا جو اتنا کمزور تھا،اتنا بکھرا ہوا تھا۔اُسے دیکھ وہ مزید ٹوٹ گئے۔ٹوٹنا بنتا تھا،کبھی والدین کے لیے یہ آسان ہوا ہے کیا کہ اپنی اولاد کو بے بس، مجبور اور لاچار دیکھ سکیں؟

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حسن صاحب نے اپنا ہاتھ آرز کے کاندھے پر رکھا اور تھپکی دی۔

"مجھے،مجھے معاف کر دینا۔۔۔۔"

سر جھکائے وہ کمرے سے نکل گئے۔اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔وہ شاید غلط کر گیا تھا،غلط کہہ گیا تھا۔اُسے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔جانے کون کون سی سوچیں اُس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔

پریشے اپنے کمرے میں بیٹھی سر جھکائے سامنے بیٹھے اپنے بھائی کے کسی ردِ عمل کی منتظر تھی۔

"بھائی! کچھ بولیں؟"

"آرزنے کچھ کہا ہے؟"

سوال کیا گیا۔

نہیں، اُنہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ یہ فیصلہ میرا ہے۔ میں نہیں کرنا چاہتی یہ شادی"

"اور نہ ہی یہ منگنی مزید رکھنا چاہتی ہوں۔

سعد کی نظر اُس کے بائیں ہاتھ کی جانب اُٹھی، جس کی انگلیاں کسی بھی انگوٹھی سے پاک تھیں۔

"کسی اور کو پسند۔۔۔۔"

پریشے نے اُس کی بات کاٹی۔

"نہیں، ایسی۔۔۔۔ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ میرے بھائی ہیں، میں نے بچپن سے اُنہیں اپنا بھائی ہی سمجھا ہے۔ آپ خود بتائیں یوں اچانک کیسے۔۔۔۔۔"

وہ جو کہنا چاہتی تھی کہہ بھی نہ پا رہی تھی۔

"سچ بتاؤ مجھے پری؟"

وہ بھی اُس کا بھائی تھا۔

"سچ بتا رہی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں لیکن یہ آدھا سچ ہے۔"

سعد کی نظریں مسلسل اُس پر تھیں۔

"بازل اور حیام کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔"

سعد کو حیرانی ہوئی۔

"کیوں؟"

آرز بھائی اور حیام ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔اُنہیں اس رشتے کے لیے مجبور کیا گیا"

"تھا جیسے کہ مجھے۔

سعد نے گہری سانس بھری۔

"امی کو۔۔۔۔"

نہیں، امی کو نہیں معلوم اور نہ بتایئے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ حیام کا نام کسی بھی "
"معاملے میں آئے۔ وہ بہت اچھی ہے۔

"اور تم؟ تمہارا کیا؟"

وہ بھائی تھا، اُس کا غصہ جائز تھا۔

"بازل، کہہ رہے تھے کہ۔۔۔۔۔"

"اب اُسے کیا کہنا باقی رہ گیا ہے؟"

"شادی کرنا چاہتے ہیں وہ مجھ سے۔"

سعد نے اُسے یوں دیکھا جیسے کہ وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی ہو۔

"ہاں، تا کہ اُسے بھی اپنی کوئی مجبوری یاد آجائے اور تمہیں چھوڑ دے۔"

"آرز بھائی نے مجھے نہیں چھوڑا، میں نے اُنہیں چھوڑا ہے۔ اور بھائی میں بازل کو ہاں کر چکی ہوں۔ اب یہ آپ پر ہے کہ آپ امی کو کیسے سمجھائیں گے۔"

"تم غلط کر رہی ہو، پری۔۔۔۔"

وہ اپنی بہن کے لیے فکر مند تھا۔

"میں بالکل ٹھیک کر رہی ہوں۔ آپ میرا یقین کریں۔"

اپنے بھائی کا ہاتھ تھامے وہ اُسے تسلی دے رہی تھی۔ سعد کے جاتے ہی پری نے اپنا موبائل اُٹھا کر بازل کو اوکے کا سگنل دیا جس پر اُس نے تھمبس اَپ کا ایموجی سینڈ کیا۔ وہ مسکرا کر اپنے کمرے سے نکل کر چل دی۔

دونوں واقعات کو گزرے مہینہ ہو گیا تھا۔ یہ حویلی اب بھی اُس کے لیے انجان ہی تھی۔ اُس کا زیادہ وقت مناہل یا منال کے ساتھ گزرتا اور سعدیہ سائے کے مانند اُس کے ساتھ رہی تھی۔ حیام کو اُس کی بھی عادت ہو گئی تھی۔ اماں بیگم اب اپنے کمرے سے کم نکلتی تھیں اور حویلی میں گاؤں کی عورتوں کا آنا بھی رک چکا تھا، وجہ وہ اچھے سے جانتی تھی۔ آج پھر وہ سیاہ شلوار قمیض اوڑھے، بالوں کو ڈھیلی پونی میں باندھے، اماں بیگم کے بیڈ پر اُن کی جانب پُشت کیے بیٹھی تھی۔ چہرے پر دونوں جانب لٹیں جھول رہی تھیں۔ ڈوپٹہ کاندھوں پر پھیلا کر لیا گیا تھا۔ سردی ختم ہونے کے قریب تھی، اب وہ زور نہ رہا تھا بلکہ دن تو گرم ہونا شروع ہو گئے تھے سو چادر نہ لی ہوئی تھی۔

"بول پھر بولتی کیوں نہیں ہے؟"

ہر مرتبہ کی طرح ایک ہی سوال دہرایا گیا۔وہ آرز سے متعلق سوال کر رہی تھیں۔شہر میں ہونے والے واقعے سے آگاہی مرالہ گاؤں تک پہنچ چکی تھی۔سب باتیں کھل کر سامنے آجانا بھی ایک عذاب ہوتا ہے۔جہاں پہلے صرف وہ جانتیں تھیں، صرف منال جانتی تھی، صرف شاہ میر جانتا تھا اب کے حویلی کی تمام عورتیں جان گئیں تھیں۔

"مجھے سمجھ آگئی ہے کہ سیدزادیوں پر محبت حرام ہے۔آپ کو تو پتہ ہو گا نا؟"

"لاحول ولا قوۃ! خدا کا خوف کر لڑکی، محبت بھی کبھی حرام ہوئی ہے کیا؟اور تو بتا کہ تو نے کون سی سیدزادیوں والی حرکتیں کیں ہیں؟نہ تو تو اُن کی طرح ڈھک ڈھکاؤ کرتی ہے،نہ ہی اُن کا طرز تجھ میں پایا جاتا ہے۔محبت کا تعلق سیدزادیوں سے کیوں منسوب کرتی ہے؟محبت کا کوئی تعلق نہیں سیدزادیوں سے۔۔۔۔۔"

"مطلب؟"

سر ذرا سا موڑ کر سوال کیا گیا۔اُس کے چہرے کا آدھا رُخ اماں بیگم کی جانب تھا۔

"مطلب یہ کہ محبت سیدزادیوں پر نہیں، سر سے لیکر پاؤں تک عورت جنس پر حرام ہے۔صدیوں سے یہی تو ہوتا آیا ہے کہ عورت اپنی پسند کا گلا گھونٹ کر موت کی گھاٹ میں اُتر جاتی ہے۔تو بتا اس میں میرا، تیری ماں یا اس پورے گاؤں میں بسنے والی کسی عورت کا کیا قصور ہے؟"

یہ پہلی مرتبہ تھا جو دونوں آرام سے بیٹھیں ایک دوسرے کی سُن رہی تھیں۔

"تو یہ بھی بتائیں کہ میرا کیا قصور ہے؟ اسلام نے جو حق مجھے دیا ہے وہ یہ سب کیوں مجھ سے چھین رہے ہیں؟ خالہ اماں!! یہ بات یاد رکھیے گا کہ میں اس گاؤں میں بسنے والی کوئی عورت نہیں ہوں، نہ میں میری ماں ہوں اور نہ میں آپ ہوں۔ میں میں ہوں، میں اپنا حق چھین لوں گی سب سے۔ مجھے اپنی جنگ لڑنا آتی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اب اماں بیگم کے سامنے کھڑی تھی۔ چہرے پر لالی اُس کے غصے کو واضح کر رہی تھی۔ پہلی مرتبہ تھا جو وہ اُن سے منسوب کسی رشتے کی نسبت سے اُنہیں پکار گئی تھی۔اماں بیگم اُس کے جواب پر ہنسنے لگیں۔

ہاہاہاہاہا۔۔۔۔۔ تو پھر لڑتی کیوں نہیں ہے؟ تیرے چہرے پر شکست کی چھاپ "کیوں ہے؟"

اُن کے سوالوں پر وہ دھپ سے واپس اُن کے بالکل سامنے بیٹھ گئی۔

"اب مجھے بھی ہنسی آ رہی ہے۔"

خود پر طنزیہ مسکرائی۔ لبوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر درد، آنکھوں میں آنسو تھے۔

"میں کیوں نہیں لڑ رہی؟ جب عورت کو پتہ لگتا ہے نا کہ جس کو حاصل کرنے کے لیے وہ دنیا سے لڑ بیٹھی ہے اور وہ اُسے صرف اپنی اناء کی تسکین کے لیے کھلونا سمجھتا ہے، تو کس سے لڑے وہ عورت۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔ایسی عورت صرف خود سے لڑ سکتی ہے۔دیکھیں نا مجھے خالہ اماں! میں حالتِ جنگ میں ہوں، کیا نہیں لگتی؟ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔۔۔۔۔"

آنسو کا قطرہ رخسار پر بہا۔

میں بھی آپ ہوں، اپنی ماں اور اس گاؤں کی عورت سی تو ہوں، میں میں تو نہیں"

"ہوں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آنسوؤں میں روانی آگئی۔وہ اُٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔اماں بیگم فقط اُسے دیکھتی رہ گئیں۔ہاتھ بڑھا کر اپنی آنکھوں میں چھائی دُھند کو چادر کے کونے سے صاف کیا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

"امم۔۔۔۔۔بھوک۔۔۔۔"

تین سے چار سالہ بچہ جو کہ دکھنے میں دُبلا پتلا، کمزوریوں جیسے کہ خوراک میں لاپرواہی برتی ہو اور سچ بھی یہی تھا کہ وہاں اُس کی فکر کرنے کو کوئی نہ تھا۔اس عمر میں ہی ڈر اُس

کے اندر پختہ ہو چکا تھا۔ بولنے میں ہچکچاہٹ اور الفاظ تو ویسے ہی نا مکمل بولے جاتے۔

کب سے چارپائی سے ٹِکا سامنے بیٹھی اپنی دادی کو بھوک لگنے کا اشارہ دے رہا تھا جو کان منہ لپیٹے جوں کی توں بیٹھی رہی۔

"امم۔۔۔۔۔"

شاید اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ اُس کی دادی ہے۔

تیرے باپ نے میرے ہاتھ میں دیا ہی کیا ہے جو کھلاؤں تجھے؟ جا جا کر اُسی سے "منگ۔"

اُسے ہاتھ سے پرے دھکیلا اور سامنے ایک طرف لیٹے اپنے سپوت کی طرف اشارہ کیا۔ اپنے باپ کو ایک نظر دیکھ اُس کی آنکھوں میں خوف لہرایا۔ سر نہ میں ہلا کر واپس چارپائی سے چپٹ گیا۔

"امم۔۔۔۔۔۔"

اب کی بار آنسو جاری ہو گئے۔ بھوک کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ایک چھوٹا بچہ تھا کیسے بھوکا رہ سکتا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کے رونے کی آواز تیز ہوتی گئی۔

"وے جمال!! اُٹھ جا، بھوک سے مر جائے گا یہ۔"

اپنی ماں کی آواز پر جمال نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"مرنے دے اسے، کہاں سے لاؤں؟ کوئی پیسہ نہیں میرے پاس۔ جو تھا سب تجھے یہاں لانے پر لگا دیا۔"

"تو تجھے کون کہتا ہے بھاگتا پھر؟ زندگی عذاب کر دی ہے۔"

اب کے تنگ آکر وہ عورت اُٹھی اور بچے کا فیڈر پکڑ اُس میں صحن کا نل کھول پانی بھرا اور بچے کو پکڑا دیا۔

شاید وہ بچہ جانتا تھا کہ اس سے اُس کی بھوک کہاں مٹے گی لیکن بھوک ہو تو چنے بھی بادام لگتے ہیں، فٹ سے فیڈر پکڑا اپنے منہ میں ڈال لیا۔ اتنے میں جمال کا موبائل بجنے لگا۔ موبائل کان سے لگا کر وہ جوں جوں دوسری طرف موجود شخص کی باتیں سُنتا رہا، اُس کے چہرے کے تاثرات بدلتے رہے۔ بس ایک فقرہ، ایک فقرہ اُس کی سماعت میں بازگشت کرتا جا رہا تھا۔ کال بند ہو چکی تھی لیکن وہ وہیں اٹکا ہوا تھا۔

"جمالے!! اُس بابو نے تجھے ڈھونڈھ لیا ہے۔ یہاں سے نکل جا ورنہ کل وہ تیرے سر پر بندوق تھامے کھڑا ہو گا۔"

اُسے یہاں سے نکلنا تھا۔ اتنا جلدی سب ختم نہیں ہو گا۔ کوئی نئی جگہ ڈھونڈنی تھی،

اُسے پیسوں کی ضرورت تھی۔

⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘

قریب مسجد میں مغرب کی آذان ہو رہی تھی۔اُس کی آواز بلڈنگ کے ساتویں فلور پر موجود بنے خوبصورت آفس تک بآسانی آرہی تھی۔اپنی مخصوص نشست پر بیٹھا، آنکھیں بند کیے، وہ پُر سکون کلام سُن رہا تھا۔لمحہ، دو لمحہ بعد اُس کے لب ہلتے، وہ یقیناً اپنے خدا کے بلاوے پر لبیک پکار رہا تھا۔آذان ختم ہونے کو تھی۔جھک کر اپنے جوتے اُتارے اور ڈریس پینٹ کو نیچے سے فولڈ کرنے لگا۔بازو البتہ پہلے سے ہی کہنیوں تک فولڈ کیے ہوئے تھے۔چلتا ہوا آفس سے منسلک باتھ روم تک آیا اور وضو کی غرض سے رکھی گئی مخصوص چپل پہن باتھ روم میں جا کر نل کھولا اور وضو کے لیے جھک گیا۔

جوں جوں وہ وضو کرتا گیا، ساری بے سکونی رفتہ رفتہ سکون میں ڈھل رہی تھی۔ساری تھکاوٹ زائل ہونے لگی۔وضو کر کے سیدھا ہوا تو وضو کا پانی جو چہرے کو تر کیے ہوا تھا، قطرہ قطرہ پھسلنے لگا۔چند قطرے اُس کی پلکوں پر سے ٹوٹ کر رخسار پر بکھرے۔وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ وضو کا پانی تھا یا اُس کے آنسو۔

باہر آکر ایک طرف جائے نماز بچھائی گئی۔ جائے نماز پر کھڑے ہوتے ہی لگا کہ سب آسان ہے، کوئی پریشانی ہے ہی نہیں۔ اس وقت وہ آفس میں اکیلا تھا۔ پہلے کبھی کبھی جبکہ اب تو روز ہی دیر سے گھر جانا اُس کا معمول بن چکا تھا۔

اُسے کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ہاں، صرف درد تھا جو اُس کے پورے دل کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ گہری سانس بھر کر نماز کی نیت باندھ نماز ادا کرنا شروع کی۔ پورا آفس سکون بخش رہا تھا لیکن کوئی اُسے دیکھتا تو کہتا سکون تو وہ ہے۔ کتنی ٹھہری ہوئی نماز تھی اُس کی، کوئی جلدی نہ تھی اُسے۔ شاید وہ خدا سے لڑ کر نہیں پیار سے، حق سے مانگنا چاہتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نماز ادا کر لی گئی۔ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے گئے لیکن لب خاموش تھے۔ ایک فقرہ اُس کے ذہن میں بار بار گھوم رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دینا۔۔۔۔"

اُس کے باپ کی آواز تھی یہ۔ کتنے بھاری الفاظ تھے وہ؟ ایک اور فقرہ نجانے کہاں سے اُس کی سماعت میں گونجا۔

"دعا کرو مشعل، تمہارا بھائی مرنے سے بچ جائے۔"

کرب کی تحریر چہرے پر واضح ہوئی۔

"یااللہ! ! میرے ابو کو سلامت رکھیے گا۔"

ایک دعا تھی جس پر اُس کے وجود کے پور پور نے آمین کی صدا لگائی تھی۔اُسے آج اپنے باپ کی زندگی مانگنی تھی کیونکہ اُس کی زندگی اُن سے تھی۔

وہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے کٹ کر رہ گئے تھے۔ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے بات نہ ہوتی۔ندا بیگم اور نائلہ بیگم تو بس دونوں بھائیوں کو ملامتی نظروں سے دیکھتی رہ جاتیں۔ایک کو ڈر تھا کہ میرے بولنے سے میرے بھائی کا دل مزید ٹوٹ جائے گا اور ایک کو یہ دکھ تھا کہ کاش اُنہیں سب پتہ ہوتا تو میرے بھائی کی اولاد،اُن کی اولاد تکلیف میں نہ ہوتی۔آرز ٹھیک ہی تو کہتا تھا کہ یہ والدین بہت غلط کرتے ہیں۔خود غرضی کا کھیل کھیل کر اولاد کو انسان سے ایک بے جان چیز، کوئی کھلونا بنا دیتے ہیں۔

حسن صاحب کی طبیعت دن بہ دن ڈھلتی جا رہی تھی۔جو کچھ ہوا وہ سب تو ایک بہانہ تھا،اصل وجہ حیام سے دوری تھی۔کون کہتا تھا کہ وہ اُن کی سگی اولاد نہیں تھی؟ وہ اُنہیں سگوں سے بڑھ کر تھی۔وہ ناراض ہو کر بیٹھی تھی،اتنی ناراض کہ بات تک نہ

کرتی۔ کیا اُن کا اتنا حق بھی نہ تھا کہ وہ بات تو کرتی، ایک مرتبہ مڑ کر دیکھ ہی لیتی چاہے سے کچھ نہ بولتی۔ اُن کے دیئے پیار کا اتنا حق تو تھا ہی۔

بیڈ سے ٹیک لگائے وہ تقریباً لیٹے ہوئے تھے۔ عشاء ہو چکی تھی۔ ابھی ابھی ندا بیگم اُنہیں دوا کھلا کر گئی تھیں۔ ڈاکٹر کے مطابق دوائیں اُن کے جسم کے لیے اب ضروری ہو گئی تھیں۔ اُن کا دل کمزور ہو چکا تھا۔ دل کا مسئلہ تو اُنہیں پہلے سے تھا لیکن اب خطرے کی بات زیادہ تھی۔

ندا بیگم کے آتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر وہی پرانی رٹی رٹائی بات دہرانے لگے۔

"بیگم! حیام سے بات تو کرواؤ میری۔"

نقاہت زدہ آواز سُن کر ندا بیگم کو اپنے شوہر پر ترس آیا۔

"ہمم!! کرواتی ہوں، ابھی کرواتی ہوں۔ آپ فکر کیوں کرتے ہیں؟"

گلے میں آنسوؤں کا پھندا پھنسنے لگا۔ آنسوؤں کو روکتیں وہ کمرے سے نکل باہر آئیں تو نائلہ بیگم سامنے ہی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔

"نائلہ۔۔۔!"

"جی بھابھی، کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہیں؟"

ندا بیگم روتے ہوئے اُن کے پاس جا بیٹھیں، اُن کے ہاتھ منت کرتے ہوئے تھامے اور بولیں۔

"حیام سے کہو ایک مرتبہ، ایک آخری مرتبہ بات کر لے اپنے تایا سے۔ اُن کا دل بند ہو جائے گا ورنہ۔ نائلہ۔۔۔! یہ میں کہہ رہی ہوں اور سوچو ایک بیوی کے لیے یہ کتنی بڑی بات ہے کہ وہ اپنے شوہر سے متعلق کچھ بھی ایسا کہے۔"

اُنہیں یوں دیکھ نائلہ بیگم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

"وہ کرے گی بات، میں خود کہوں گی اُسے، کیسے نہیں کرے گی؟ ہم سے پہلے آپ دونوں اُس کے ماں باپ ہیں۔ آپ دونوں کا حق زیادہ ہے۔"

ندا بیگم نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ نائلہ بیگم سوچ میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ وہ کیسے حیام کو راضی کرتیں۔ حیام کو کوئی بات سمجھانا دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

کمرے میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی لیکن تخت پوش پر لیٹے وجود کی آنکھیں چاند کی آنے والی روشنی سے چمک رہی تھیں۔

"بے بے؟"

اپنی ماں کو بلایا گیا۔

"ہمم!"

"بے بے! یہ سیدہ بی بی ہیں کون؟"

اتنے عرصے سے جو سوال اُس کے دل میں تھا آج وہ پوچھ ہی بیٹھی۔

"جو بھی ہیں تجھ سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔"

اُسے اُس کا جواب نہ ملا۔

"بے بے! بتا دے نا۔ اب تو ساتھ ساتھ ہی رہتی ہوں میں اُن کے۔"

جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ ایک مرتبہ پھر خود ہی بولنے لگی۔

بہت اچھی ہیں وہ۔ حویلی کی کوئی بی بی بھی اُن سی نہیں ہے۔ ہو ہی نہیں سکتی۔ سیدہ بی "بی کی آنکھیں چمکتی ہیں بے بے۔"

"اچھا۔۔۔۔!"

ایک مرتبہ پھر جواب وہ ملا جو وہ نہیں سُننا چاہتی تھی۔

"اماں بیگم اُن کے ساتھ اچھا نہیں کرتیں۔ اچھا ہی کیا اُنہوں نے جو اُس حویلی کے

اصولوں سے باغی ہو گئیں۔۔۔۔"

اُس کی ماں فوراً اُٹھ بیٹھی اور گھور کر اُسے تکنے لگیں۔

"میری گل غور سے سُن، آج کے بعد جو تو یہ بات دوبارہ اپنی زبان سے نکالی تو کاٹ دوں گی۔"

"کچھ غلط نہیں کہہ رہی میں۔"

اُس پر بھی اپنی سیدہ بی بی کے باغی پن کا بھوت سوار تھا شاید۔

"تو کچھ نہ جانے ہے، چپ رہنا تیرے لیے بہتر ہے۔"

اُسے آخری مرتبہ تنبیہ کرتے وہ ایک دفعہ پھر لیٹ گئیں جبکہ وہ خاموش گزرے دنوں کو ایک مرتبہ پھر سے نظر کے پردے پر دہرانے لگی۔

حیام کی نیند پیاس محسوس کرنے پر کھلی، یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کانٹے دار جھاڑیاں حلق میں گاڑھ دی گئی ہوں۔ خشکی کے مارے منہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ اُس نے تھوک نگلنا چاہا لیکن تے محسوس ہوئی۔ دو تین دن سے وہ مسلسل بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ اُس کا کوئی اپنا تکلیف میں تھا۔ بہت ہمت کر کے وہ اُٹھی، بیڈ کے گرد لٹکے پردے

کاسر اسر کا یا اور سائیڈ ٹیبل پر سے پانی لینا چاہا لیکن گلاس اور اُس کے ساتھ پڑا جگ خالی تھا۔

خود کو کوستی جگ اُٹھاوہ کمرے سے نکل گئی۔ اُسے پانی کی شدید طلب تھی۔ باورچی خانے میں جا کر پانی کا نل کھولا اور آگے کو جھک یوں ہی پانی حلق میں اُنڈیلنے لگی۔ منہ کے نیچے ہتھیلیوں سے کٹوری بنائی ہوئی تھی۔ اُس نے اماں بیگم کو گلاس سے یوں پانی پیتے دیکھا تھا۔ جب دل کو کچھ قرار آیا اور پیاس بجھی تو پانی کا چھینٹا چہرے پر مار سیدھی ہو کر گہری سانس بھری۔ یہ پانی بھی خدا کی کیا قدرت ہے کہ نہ ملے تو لگتا ہے کہ سانس رکنے کو ہے۔ اپنے لیے جگ بھرا، واپسی کے لیے وہاں سے نکل سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔ آدھی سیڑھیاں ہی عبور کی تھیں کہ ایک سایہ آنکھوں کے سامنے سے گزرا۔ شاید جو کوئی بھی تھا اُس نے حیام کو نہ دیکھا تھا۔ ایک تو رات کے وقت یہ حویلی اُسے ویسے ہی ڈراؤنی لگتی تھی اور اب یہ سائے۔۔۔۔

(حیام!! تو آئی ہی کیوں نیچے؟ مر تھوڑی جانا تھا۔ ایک یہ حویلی کے لوگ جان نہیں چھوڑتے اور اب یہ سائے۔ یا اللہ!! مجھے بچا لے۔ پکا وعدہ کسی کا دل نہیں دُکھاؤں گی، اماں بیگم کا بھی نہیں۔)

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دل ہی دل نجانے کیا کیا بولتی وہ جلدی سے اپنے کمرے کو جانے لگی۔کمرے تک پہنچ دروازہ کھول اندر داخل ہوئی لیکن دروازہ بند کرنے سے پہلے راہداری کے دوسری طرف بنے گول ستون کے پیچھے کسی عورت کے زمین پر بیٹھے ہونے کا گمان ہوا۔

دھیان سے دیکھا تو ایک عورت منہ چھپائے سامنے والی راہداری میں کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی اور کھڑکی میں کوئی مرد بھی موجود تھا۔اُس نے یاد کرنا چاہا کہ وہ کمرہ کس کا تھا۔ذہن پر زور دینے پر ایک نام اُس کے لبوں پر آیا تھا۔۔۔

"شاہ میر بھائی!!"

لیکن وہ یہ نہ جانتی تھی کہ وہ عورت کون تھی اور یوں رات کے اس پہر اُن کے کمرے کے باہر کیوں موجود تھی۔یہ تو طے تھا کہ وہ سب جان لے گی بہت جلد لیکن ابھی اُسے کسی کی نظر میں نہیں آنا تھا۔خاموشی سے دروازہ بند کر وہ اپنے بیڈ پر جا کر واپس لیٹ گئی۔اب جب تک اُسے نیند نہ آجاتی یہی خیال اُس کے ذہن میں گردش کرتے رہنا تھا۔

وہ دوپہر میں بڑی مشکل سے اپنے کمرے سے نکلی۔سعدیہ آج پھر نہ آئی تھی،وجہ معلوم نہ تھی۔باورچی خانے میں داخل ہونے سے پہلے خالدہ بیگم کے ہمراہ نفیسہ بیگم

اُسے اُس کا ذکر کرتے سُنائی دیں تو وہیں رک کر سُننے لگی۔ کان لگا کر کسی کی باتیں سُننا اُس کی عادت نہ تھی لیکن انسانی فطرت کب، کہاں اور کیسے مجبور ہو جائے، کیا پتہ لگتا ہے۔

"خالدہ بھابھی! اماں بیگم کو کون سمجھائے گا یہ بات؟"

"سمجھانے والی کوئی بات نہیں ہے نفیسہ، تم یونہی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑا بنا رہی ہو۔"

"ارے! ایسے کیسے کوئی بات نہیں بھابھی۔ دیکھیں نا منال، آپ میری منال کی عادت سے تو واقف ہیں۔ وہ سائے کی طرح اُس کے ساتھ پھرتی ہے۔"

خالدہ بیگم نے اُنہیں گھور کر دیکھا۔ جواباً وہ ساتھ ساتھ اپنی صفائی بھی کہنے لگیں۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ حیام بُری ہے، میں بس یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ شہر سے آئی ہے اور میری بیٹی اس حویلی میں رہتے ہوئے بھی اماں بیگم سے باغی۔ کہیں حیام کے ساتھ رہ کر اُس کا باغی پن، آپ سمجھ رہی ہیں نا؟"

"میں سمجھتی ہوں تمہاری بات لیکن ایک بات تم ذہن نشین کر لو، حیام بہت پیاری بچی ہے۔ وہ ایسی بالکل نہیں جیسی تم سوچ رہی ہو۔ وہ کبھی کسی کو غلط پر مجبور نہیں کر سکتی

اور ایک دن تم دیکھنا، یہ اماں بیگم اور منال کے درمیان جو سرد جنگ چل رہی ہے نا؟ اسے ختم کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ اُسی کا ہو گا۔"

خالدہ بیگم اپنی کہی سُنا کر باورچی خانے سے باہر نکلیں تو حیام سامنے ہی دیوار کے سہارے کھڑی تھی۔ نگاہ اُٹھا کر بھی اُنہیں نہ دیکھا۔ خالدہ بیگم نے مسکرا کر اُس کے سر پر پیار کیا تو وہ نجانے کس احساس کے تحت اُن کے سینے سے جا لگی۔ اُسے اُن میں اپنی ماں دِکھی تھی۔

اُن کے ساتھ لگتی وہ تھوڑی جذباتی ہو گئی تھی شاید اسی لیے آنسو کے چند قطرے بہہ نکلے۔ خالدہ بیگم نے اُسے خود سے الگ کیا اور اُس کے آنسو صاف کرتی ہوئیں بولیں۔

آؤ، سب بیٹھ کر برآمدے میں ڈوپٹوں پر گوٹا کناری ٹانک رہی ہیں تمہیں بھی "سیکھاؤں۔"

حیام نے مسکرا کر ہاں میں سر ہلایا۔ جانے سے پہلے خالدہ بیگم نے اُس کے کالے لباس پر چوٹ کی۔

"ایک تو یہ ہر روز کالا اور سفید رنگ پہن کر کیوں آجاتی ہو؟"

"مجھے پسند ہے تائی اماں! اور میرے پاس صرف یہی دو رنگوں کے لباس ہیں۔ باقی

سب رنگ بہت پہلے چھوڑ چکی ہوں۔"

خالدہ بیگم اُس کا ہاتھ تھام اُسے اپنے ساتھ برآمدے میں لے جارہی تھیں۔

"ٹھیک ہے پھر میں بنوادوں گی اور تمہیں پہننا پڑیں گے۔"

حیام نے اُن کے چہرے کو دیکھا اور نہ نہیں کر سکی۔ لیکن یہ تو طے تھا کہ وہ ان دو رنگوں کے سوا کوئی تیسرا رنگ نہیں پہنے گی۔

برآمدے میں آتے ہی اُسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ جھولے پر اماں بیگم اپنے معمول کی طرح بیٹھی تھیں۔ باقی تمام ملازمائیں فرش پر بیٹھیں بڑی بڑی چادروں پر گوٹا ٹانک رہی تھیں، کرن بھی وہیں ایک طرف کو بیٹھی ہوئی تھی۔ خالدہ بیگم حیام کو لیے وہیں ایک طرف اماں بیگم کے آگے بیٹھ گئیں۔ ایک چیز جو حیام نے محسوس کی تھی کہ حویلی کی ملازمائیں کبھی بھی حویلی کی عورتوں کے برابر نہ بیٹھا کرتیں تھیں۔ جہاں وہ سب فرش پر بیٹھیں کام کررہی تھیں وہیں حویلی کی بیبیاں فرشی تخت پوش نما سٹول پر بیٹھا کرتیں تھیں، اُنھی میں سے ایک پر حیام بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ کرن مہارت سے سوئی میں دھاگہ پروئے اپنا کام کررہی تھی۔

"یہ بہت پیارا ہے۔"

حیام محویت میں کہہ گئی۔ کرن نے رک کر اُسے دیکھا اور مسکرائی۔

"آؤ، تمہیں بھی سکھاتی ہوں۔"

"ہاں، ضرور!"

حیام مسکرا کر اُس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ نفیسہ بیگم بھی اتنے میں وہیں آ کر بیٹھ گئیں۔ ابھی کرن نے گوٹا کناری ڈوپٹے کے ایک کنارے پر رکھ سوئی ڈالنا ہی چاہی تھی کہ حیام فوراً بول پڑی۔

"ایک منٹ۔۔۔"

مڑ کر بشیر ابی کو دیکھا جو اماں بیگم کے پاس بیٹھی تھیں۔

"بشیر ابی! جائیں منال کو بلا کر لائیں۔"

اُس کے یہ کہنے پر وہاں سب کے ہاتھ تھمے۔ سب جانتے تھے کہ اماں بیگم کے ہوتے ہوئے وہ یہاں نہ آئے گی۔ اماں بیگم نے افسردہ نگاہوں سے خالدہ بیگم کو دیکھا جنہوں نے مسکرا کر اُنہیں خاموش رہنے کا اشارہ دیا اور بول پڑیں۔

"جائیں، بشیر ابی! کس چیز کا انتظار کر رہی ہیں؟ بلا کر لائیں اُسے۔۔"

بشیر ابی جو اور کسی حکم کی منتظر تھیں فوراً سے حکم ملنے پر وہاں سے منال کو بلانے چل دیں۔سب جانتے تھے کہ وہ نہ آئے گی لیکن ہوا سب کی سوچوں کے برعکس تھا۔منال پردہ اُٹھاتی بشیر ابی کے آگے چلتے ہوئے برآمدے میں داخل ہوئی۔اُس نے ایک نظر بھی کسی کو نہ دیکھا تھا۔سیدھ میں چلتی حیام تک آئی اور بولی۔

"تمہیں مجھ سے کوئی کام تھا تو میرے کمرے میں آجاتی، یہاں کیوں بلا لیا ہے؟"

"زیادہ نخرے دکھانے کی ضرورت نہیں، ادھر آکر بیٹھو۔"

حیام نے اُسے گھورا، نتیجتاً وہ چپ کر کے حیام کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"تمہیں بھی یہ سب آتا ہے؟"

اشارہ جس طرف تھا وہ جانتی تھی۔

"نہیں آتا، چلو۔۔۔۔۔"

حیام کا ہاتھ تھام بیٹھے بیٹھے ہی اُسے چلنے کا کہا۔سب کی نظریں اُنہی دونوں کے اوپر تھیں۔

"جھوٹ بول رہی ہے یہ حیام، اسے تو سب سے اچھا گوٹا ٹانکنا آتا ہے۔"

کرن نے شرارت کی۔شاید وہ بھی گھلنا ملنا چاہتی تھی۔

"منال۔۔۔۔۔"

حیام نے مصنوعی ناراضگی سے اُسے دیکھا اور منال سے اپنا ہاتھ چھڑانے لگی جس پر منال نے اپنی گرفت مضبوط کی۔

"اچھا نا میری ماں، آؤ میں سکھاتی ہوں۔ معاف کر دو۔"

کچھ دیر تو حیام ناراضگی کا ناٹک کرتی رہی لیکن پھر ہنس دی۔ اب منال اُسے کرن کے ساتھ سوئی دھاگے کا کام سکھا رہی تھی جبکہ خالدہ بیگم اُنہیں دیکھ مسکرا رہی تھیں۔ خالدہ بیگم نے نفیسہ بیگم کو دیکھا تو وہ بھی ہولے سے مسکرائیں، وہ جان گئیں تھیں کہ کچھ دیر پہلے اُن کی کہی ایک ایک بات سچ ثابت ہونے والی تھی۔

اماں بیگم نے ایک نظر بشیر ابی کو دیکھا تو وہ بھی اُنہیں دیکھ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔ آج اماں بیگم کو بھی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ بے شک حیام کا یہاں آنا آغاز میں غلط تھا لیکن اُس کا اس حویلی میں آنا بالکل ٹھیک ثابت ہونا تھا۔ حیام کا سفر ہو سکتا ہے کہ باقی تمام سیدزادیوں سے مختلف ہو لیکن انجام ایک سا ہونے والا تھا۔ اُنہیں ایک الگ اطمینان نے گھیر لیا۔

آرزا ابھی ابھی میٹنگ روم سے نکل کر اپنے آفس کی جانب جارہا تھا۔آج ایک اہم بزنس ڈیل تھی جو کہ کامیاب ثابت ہوئی تھی اور کیوں نہ ہوتی؟اُس نے اپنے بزنس کو قیمتی وقت دیا تھا۔آفس کی جانب جاتے اُس کے موبائل کی رنگ ٹون بجنے لگی۔آرز نے اپنی ڈریس پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا تو سامنے سعد کا نام جگمگارہا تھا۔

"اسلام و علیکم!!کیسے ہو سعد؟"

"وعلیکم السلام!!ٹھیک ہوں،مل سکتے ہو؟"

"ہاں،بالکل!!بولو کہاں آنا ہے؟"

اپنے آفس کا دروازہ کھول وہ اندر داخل ہوا تو بازل پہلے سے وہاں موجود تھا۔

"کہیں نہیں،تمہارے آفس ہی۔سوچا تم سے پوچھ لوں ایک مرتبہ۔"

"کیوں نہیں،تم آجاؤ۔میں انتظار کررہا ہوں۔"

فائل ٹیبل پر رکھ اپنی چیئر گھما کر بیٹھا۔آرز بازل کو خاموش رہنے کا اشارہ کرچکا تھا اس لیے ہی اب تک وہ خاموش اُس کی بات ختم ہونے کا انتظار کررہا تھا۔

"میں بس پندرہ منٹ تک تمہارے پاس ہوں گا،خدا حافظ!"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"خدا حافظ!"

آرز کے موبائل بند کر رکھتے ہی بازل بول اُٹھا۔

"کون تھا؟"

"سعد۔۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"ملنا چاہتا ہے۔"

"کیوں؟"

"تیرے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے۔"

آرز نے غور سے اُس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ دیکھے۔

"غصے میں لگ رہا تھا کیا؟"

"ہاں، بہت۔۔۔۔۔۔۔"

"ایک کام کر تو سنبھال لینا، میں چلتا ہوں۔"

جلدی سے اُٹھ کر باہر نکلنے ہی والا تھا جب آرز ہنسنے لگا۔

"کمینے۔۔۔۔۔۔۔۔"

اُس کی ہنسی بازل کو تمام شرارت سے آگاہ کر گئی۔ وہ اپنا غصہ نکالتا واپس آکر بیٹھا۔

"ابھی تو وہ تیرا سالہ نہیں بنا تو ابھی سے اتنا ڈر رہا ہے؟"

مسکراہٹ برقرار تھی۔

"کاش! تو ڈر گیا ہوتا تو کیا ہی بات تھی۔ سارے ڈر میرے حصے ہی آنے ہیں۔"

وہ سرد آہ بھرتا بیچارہ بننے کا ڈھونگ رچا رہا تھا۔

"ہم ڈرنے والوں میں سے نہیں۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آنکھ مارتا آرزا اُسے آگ لگا گیا۔

"اچھا! واقعی؟"

وہ بھی کم نہ تھا۔

"ہاں۔۔۔۔!"

"آزمالوں؟"

"آزمالے۔۔۔"

شیخی ماری گئی۔

"ٹھیک ہے۔"

بازل کھڑا ہوا اور موبائل نکال کر حیام کا نمبر سکرین پر کھولا۔ آرز کو جھلک دکھا کر وہ باہر کو بھاگا تھا جبکہ آرز وہیں بیٹھا اُس کو عجیب و غریب کلمات سے نوازتا رہ گیا۔

"ہائے۔۔۔۔۔۔۔!!!!! کمبخت محبت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

ایک مقام دے رکھا ہے تیرے نام کو

لوگ بات منوالیتے ہیں تیرا ذکر کر کے

(خواجہ عثمان)

❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦

تقریباً پانچ سے چھ بجے کے درمیان کا کوئی وقت تھا۔ سیاہ گاڑی کے پہیے چرچراہٹ کی آواز سے تھمے۔ اندر جو کوئی بھی موجود تھا باہر موجود لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھا۔ وجہ شاید گاڑی کے ٹنٹڈ شیشے تھے۔ کچھ سیکنڈز کے فرق سے مزید چار سے پانچ گاڑیاں

تیز رفتاری سے چلتیں اُسی سیاہ گاڑی کے پیچھے آ کر رکیں لیکن کوئی باہر نہ نکلا، شاید وہ کسی حکم کے منتظر تھے۔

وہ کسی کچی بستی یا قصبے کا معمولی، چھوٹا سا چوراہا تھا، دھول مٹی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں موجود کوئی ایک عدد دکان ہی کھلی تھی جس پر موجود دکاندار اور ملازم حیرت سے اُن گاڑیوں کو تک رہے تھے۔یوں کبھی اُس علاقے میں کوئی گاڑی یا سواری کے نام پر کوئی سائیکل تک نہ گزری تھی وجہ یہ تھی۔

"سُن تجھے پکا یقین ہے ناکہ وہ بچہ وہی ہے جس کی تجھے تلاش ہے؟"

پولیس کی وردی میں ملبوس ایک خوبرو مرد جس کی عمر اپنے ساتھ موجود ساتھی جتنی ہی تھی، چہرے کے نقوش بہت خوبصورت نہ سہی لیکن ماند بھی نہ تھے۔ایک کشش سی تھی، گندمی رنگت مگر گہری نیلی آنکھیں اور سب سے بڑھ کر چہرے پر مونچھیں جن کی تراش خراش خوب اچھے سے کی گئی تھی، وہ اُس کی شخصیت کو مزید نکھار رہی تھیں۔

تجھے کس نے پولیس والا بنایا ہے؟ اور تجھے میری بات کا یقین نہیں؟ افففف کیسا "دوست ہے تو؟

اُس کا ساتھی اُسے ایموشنل بلیک میل کر رہا تھا۔

"شاہ میر! تیری بات ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں سب اور مجھے یقین بھی ہے لیکن یہ وردی صرف وردی نہیں ہے، بہت سی زمہ داریاں اور فرائض ہیں مجھ پر۔ میں بغیر کسی ثبوت کے کسی کو کیا پکڑوں گا؟ اپنے سے اوپر موجود لوگوں کو جواب دینا پڑتا ہے۔"

جواباً سامنے والا خاموش ہو گیا۔

"برہان!! ایک ثبوت ہی تو نہیں ہے میرے پاس۔ یہ جو اتنا اُڑ رہا ہوں نا؟ تیرے بل بوتے پر اُڑ رہا ہوں۔ تو اُسے پکڑ تو سہی ثبوت تجھے وہیں مل جائیں گے اور اگر نہ ملے تو، جیسا تو کہے گا پھر ویسا ہی ہو گا۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جواب میں اُس نے صرف اپنا سر ہلایا۔

شاید کے پیچھے موجود تمام گاڑیوں کو جس حکم کا انتظار تھا وہ صادر ہو چکا تھا۔ ایک ایک کر ہر گاڑی میں موجود افراد اُترتے گئے۔ شاید وہ سب بھی پولیس ڈیپارٹمنٹ کے لوگ تھے لیکن سیول کپڑوں میں ملبوس ایک ایک کر مطلوبہ گلی میں فاصلے فاصلے سے اپنی منزل کو جانے لگے۔

"تو یہیں رہ، میں آتا ہوں۔"

برہان نامی لڑکے نے اُسے کہتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔

"میں ساتھ۔۔۔۔"

"نہیں، یہ میرا کام ہے مجھے کرنے دے۔"

جواباً شاہ میر نے محض سر ہلایا۔ برہان اپنی ٹیم کے پیچھے چل دیا۔

اُن کی مطلوبہ منزل پر اس وقت افراتفری کا ماحول تھا۔ جمال سارا سامان اُٹھا ایک کپڑے کی بڑی سی چادر میں ڈال اُسے گھڑی کی شکل دے باندھ رہا تھا۔ اُس کی ماں چیخ رہی تھی۔ اُسے یہاں سے نکلنا تھا۔ اُس کے بس میں ہوتا تو وہ کل خبر ملتے ہی نکل چکا ہوتا لیکن پیسوں کا بندوبست بھی تو کرنا تھا جو ابھی ابھی ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ شہری بابو اُس کے آدمی کے کہے کے مطابق یہاں پہنچتا، وہ یہاں سے چلا جائے گا، وہ یہ سوچ چکا تھا۔

"وے جمال، بس کر دے بھاگنا۔"

"مرنا ہے تو شوق سے مر، میں جا رہا ہوں۔"

لیکن وہ بھی ماں تھی، کیا کرتی؟ اب تک جو خاموشی سے اپنے بیٹے کے ہر غلط کام پر آنکھیں بند کر یہاں تک آ گئی تھی تو ایک مرتبہ اور سہی۔ اپنی ماں کو خاموش دیکھ وہ چل کر اپنی ماں تک آیا اور اُس کے ہاتھ تھام بولنے لگا۔

"چل میرے ساتھ۔بس اب جہاں لے جاؤں گا سکون سے جیے گیں وہاں۔پھر کوئی شہری بابو نہ تو ڈھونڈ سکے گا اور نہ میں بھاگوں گا۔"

وہ بول تو اردو ہی رہا تھا لیکن لہجہ خالصتاً پینڈو تھا۔

"پکڑ اس منحوس کو۔۔۔"

پاس کھڑے اپنے بیٹے کی جانب اشارہ کرتا وہ چادر خود کے گرد لپیٹتا اپنا چہرہ آدھا ڈھانپ گیا۔ایک ہاتھ میں پستول پکڑے اُسے چادر کے اندر چھپایا۔اپنی ماں کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتا وہ باہر کی جانب ہو لیا۔اُس کی ماں اُس کے پیچھے جا رہی تھی۔ایک لمحے کو اُس عورت نے پیچھے مڑ کر کونے میں بچھی چارپائی پر گری پستول کی گولیوں کو دیکھا لیکن اگلے ہی پل وہ چہرہ واپس موڑتی اُس مکان کی دہلیز پار کر گئی۔

سر جھکائے وہ اپنی ماں کے ساتھ چلتا ایک بازو میں سامان ڈالے چل رہا تھا، لیکن اُس کی حسیات زندہ تھیں۔ارد گرد سب کچھ بہت محویت سے جائزہ لیتا وہ تیز قدم اُٹھاتا چل رہا تھا۔اُس کے پاس سے وقتاً فوقتاً کچھ لوگ گزرتے۔ایک دم اُس کا ماتھا ٹھنکا، پہلے تو یوں کبھی اس وقت اُس نے اس بستی میں لوگوں کا اتنا آنا جانا نہ دیکھا تھا۔خطرے کی بو وہ سونگھ چکا تھا۔اپنی ماں کے بازو کو زور سے پکڑ جس نے اُس کا بیٹا گود لیا ہوا تھا، وہ تیز رفتار میں بھاگنے لگا۔اُس کی ماں تقریباً گھسیٹتی ہوئی اُس کے ساتھ ہو لی تھی۔اُس کے

مقابل کچھ فاصلے پر کھڑے پولیس کی وردی میں ملبوس ایک خوش شکل نوجوان مرد نے آسمان کی طرف بندوق کر گولی چلائی۔اُس کی گونج سے اُس کے قدم تھمے۔ چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔اُس کی وردی، یقیناً وہ پھنس چکا تھا لیکن ایک آخری کوشش اُسے کرنی تھی۔ وہ واپسی کے راستے پر بھاگنے کے لیے مڑا لیکن وہی ہوا جس کا اُسے ڈر تھا۔ وہ تمام لوگ جو خطرے کی گھنٹی بجا اُسے خبردار کر گئے تھے فاصلے فاصلے پر کھڑے بندوق تانے ایک گولی، صرف ایک حملے کے لیے تیار تھے۔ لیکن وہ ہار نہیں سکتا تھا۔جمال بخت نے ہارنا نہیں سیکھا تھا۔اپنی ماں سے بچہ چھین کر چادر میں چھپایا اپنا ہاتھ باہر نکالا اور ہاتھ میں موجود بندوق بچے پر تان لی۔اُس کی گود میں موجود بچہ سہم کر زار و قطار رونے لگا لیکن اُسے پرواہ نہ تھی۔

"اپنے اپنے ہتھیار پھینک دو ورنہ ایک منٹ لگے گا مجھے، جمال بخت کو اس سونے کی چڑیا میں دھر ادھر گولیاں اُتارنے میں۔"

وہ جو سمجھا تھا کہ سب ڈر جائیں گے تو ایسا نہیں ہوا تھا۔پولیس کی وردی میں موجود شخص قدم بہ قدم چلتا اُس کے نزدیک آرہا تھا۔

"میں سچ کا مار دوں گا۔"

لیکن سامنے موجود شخص کے قدم رکنے سے انکاری تھے۔آج جمال بخت کی قسمت اُس کا ساتھ نہ دے رہی تھی۔اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر یہی ہونا ہے تو وہ اکیلا نہیں ڈوبے گا،وہ سب کو ساتھ لے کر ڈوبے گا۔اپنے بچے کے سر پر بندوق رکھ چلانی چاہی ۔۔۔۔۔ایک مرتبہ،دو مرتبہ، تین مرتبہ۔۔۔۔۔لیکن ایک کلک کی آواز کے سوا کچھ نہ ہوا۔اب مایوسی نے اُس پر راج کیا تھا۔دوسرے ہاتھ کا سہارا لے پستول کے اندر کی تلاشی لی، جھانکا تو وہ خالی تھا۔اُسے جتنا یاد پڑتا تھا وہ ساری تیاری کے ساتھ نکلا تھا پھر اتنی بڑی غلطی کیسے ہو گئی۔وہ شش و پنج کا شکار تھا۔اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور قدم اُٹھاتا سامنے کھڑے شخص کے پیچھے سے وہ چل کر سامنے آیا،وہی جو شہری بابو تھا یا پھر اُسے لگتا تھا۔شاہ میر کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"سلام! جمال بابو۔۔۔۔۔۔"

وہ سچ میں اپنی تربیت کی چاکری کر رہا تھا یا طنز،وہ سمجھ نہ سکا۔

برہان نے اُسے گھور کر دیکھا۔وہ جو اُسے آنے سے منع کر آیا تھا لیکن مجال ہے جو شاہ میر اُس کی کبھی سن لیتا۔لیکن شاہ میر اُسے دیکھ ہی کب رہا تھا۔اُس کا سارا دھیان سامنے کھڑے آدمی کی گود میں موجود بچے پر تھا جو اب بھی رونے میں مصروف تھا۔

حد سے زیادہ کمزور لیکن اس کے باوجود وہ بچے کی اُس کی ماں سے مشابہت محسوس کر سکتا تھا۔

"جمال!!!اسے ادھر دے دو۔"

شاہ میر نے بچے کو لینے کی خاطر ہاتھ آگے کیے۔

"یہ تیری غلطی ہے جو سمجھ رہا ہے کہ میں چپ کر کے یہ مہرا تیرے ہاتھ میں دے دوں گا۔"

اُس پر غصے کا بھوت سوار تھا۔یوں اچانک بازی پلٹ جانے پر غصہ تو بنتا تھا۔

"اب تم جو بھی کر لو تم بچ نہیں سکتے۔۔۔۔"

برہان نے دو قدم مزید آگے بڑھائے۔

"وے جمال!!!میں کہتی ہوں دے دے یہ منحوس مارا اسے،یہ لوگ تجھے کچھ نہیں کریں گے۔"

اس سب میں اُس کی ماں پہلی مرتبہ بولی۔

"اکھیاں کھول کر دیکھ موت تیرے سامنے کھڑی ہے۔"

لہجہ اب پہلے کی طرح مضبوط نہ تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Interviews

"نہیں ماریں گے یہ تجھے۔انہوں نے وعدہ کیا ہے مجھ سے۔"

وہ بے دھیانی میں چھپی حقیقت اُس پر آشکار کر گئی۔جمال کی آنکھوں میں حیرت سمٹی اور پھر غصہ۔اب وہ سمجھ گیا تھا کہ اُس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی۔وہ تمام تیاری کے ساتھ نکلا تھا۔اُس کی اپنی ماں نے اُس پر پیٹھ پیچھے سے وار کیا تھا لیکن تمام غصہ جھاگ بن کر بیٹھ گیا۔تھکن کے آثار نمایاں تھے شاید وہ بھی بھاگ بھاگ کر تھک گیا تھا۔

اُس کی ماں نے بچہ لینے کے لیے اُس کی جانب ہاتھ بڑھائے۔وہ پراسرار آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔اچانک جو غصہ دب کر کہیں بیٹھ گیا تھا ابال کھا کر واپس سے زندہ ہو گیا۔بچے کو ایک طرف زمین پر اُتار اُس نے بے دردی سے اپنی ماں کو جھپٹا،اُس کی انگلیاں اُس کی ماں کی گردن کے گرد جکڑی ہوئیں تھیں۔ایک پولیس اہلکار نے آگے بڑھ کر اُسے الگ کرنا چاہا تو اُس نے اپنی ماں کو چھوڑ اُس کی بندوق جھپٹی جو کہ دونوں کے ہاتھوں میں کبھی اپنی گرفت مضبوط کرتی تو کبھی پھسل جاتی۔شاہ میر نے فوراً آگے بڑھ کر بچے کو تھام لیا اور برہان کے ایک اشارے پر اُسے لے واپسی کی راہ پر بھاگنے لگا۔

ایک دم ماحول میں گولی چلنے کی گرجدار آواز گونجی۔شاہ میر کے قدم تھمے۔برہان کی مدھم آواز اُسے سنائی دے رہی تھی۔کہیں پیچھے عورت کے رونے کی آواز بھی خلل

پیدا کر رہی تھی۔اُس نے مڑ کر دیکھا تو جمال ایک طرف بے حس و حرکت گرا پڑا تھا۔ کھینچا تانی میں گولی چل پڑی تھی اور سیدھا اُس کے سینے پر دل کے مقام پر جا لگی۔جمال کی ماں اُس کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھی۔اُس نے وہ سب اپنے بیٹے کی بھلائی کے لیے کیا تھا لیکن کاش وہ ایسا نہ کرتی تو وہ جی لیتا۔وہ اپنی بد نصیبی پر ماتم کناں تھی۔

شاہ میر بچے کے رونے کی آواز پر واپس ہوش میں لوٹا اور واپس گاڑی کی جانب چل دیا۔ ایک مشکل مرحلہ وہ سر انجام دے چکا تھا پر ایک امتحان ابھی مزید باقی تھا۔

⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘⚘

آرز اور سعد اس وقت آمنے سامنے بیٹھے تھے۔سعد لگاتار آرز کو تکنے میں مصروف تھا۔ ابھی دس منٹ پہلے سعد اُس کے آفس میں چل کر آیا تھا تب سے وہ دونوں یوں ہی تھے۔

"سعد؟؟تم ٹھیک ہو؟"

آخرکار آرز نے ہمت کر بولنا شروع کیا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

سوال پر سوال کیا گیا۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟"

لیکن آرز حسن بھی کوئی اتنا سیدھا نہ تھا۔

"بہت افسوس ہوا مجھے۔۔۔۔"

سعد نے بازی جیت لی۔

"مذاق بنانے آئے ہو میرا؟"

سعد کو پہلی مرتبہ لگا کہ وہ غلط بات، غلط وقت پر کہہ گیا تھا۔

"آئم سوری!"

"کوئی بات نہیں یہ بتاؤ کیا بات کرنا تھی؟"

اس سے پہلے سعد جواب دیتا آرز حسن کا اسسٹنٹ علی دروازہ ناک کرتے اندر آیا اور کافی کا ایک بھاپ اُڑاتا مگ سعد کے سامنے رکھا۔ آرز کے سامنے وہ اُس کے معمول کے مطابق چائے سے بھرا مگ رکھ رہا تھا۔ جب علی واپسی کی راہ لینے لگا تو سعد نے اُسے پکارا۔

"سنو علی، یہ چائے لے جاؤ اور اس میں مزید دو چمچ چینی ڈال دو۔"

"لیکن سر۔۔۔۔۔!! سر اتنا ہی میٹھا لیتے ہیں۔"

"لے جاؤ، جو یہ کہہ رہا ہے کر دو۔"

آرز نے سعد کو دیکھتے حکم سنایا۔ جس کی تکمیل پر فوراً عمل کیا گیا۔ ایک مرتبہ پھر چائے آرز حسن کے سامنے پڑی تھی جس کو اُس نے ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔

"پی لو، تمہارا شوگر لیول ٹھیک رہے گا۔"

آرز نے سر ترچھا کر اُسے دیکھا اور پھر چائے کو لیکن ہاتھ بڑھا کر مگ اُٹھا لیا۔ پہلا گھونٹ بھرتے ہی اُسے قے محسوس ہوئی لیکن چہرے پر ایسا کوئی تاثر تک نہ دیا۔ وہ میٹھا پیتا تھا جتنا پی سکتا تھا لیکن یہ بہت زیادہ تھا۔

"بولو۔۔۔"

"میری پری کے لیے تمہارا بھائی بازل مجھے پسند نہیں۔ وہ اچھا ہے، بہت اچھا ہے لیکن پری کے لیے وہ میری چوائس نہیں اور نہ بن سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ تم اُس کے قدم روک لو ورنہ اُسے گرتا دیکھنا تم سے نہیں ہو گا۔"

آرز نے آنکھیں بند کیں۔ وہ جانتا تھا کہ بازل پریشے کو لے سیریس تھا۔ وہ اُن لڑکوں میں سے نہیں تھا جو پہلے کسی کو پسند کریں اور پھر فیصلہ کریں۔ وہ اُن میں سے تھا جو پہلے فیصلہ کرتے تھے اور پھر پسند۔ وہ بازل کو اپنی جگہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"اور میرا خیال ہے کہ پری کے لیے اُس سے بہتر چوائس کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔"

"ایک پرانی مثال ہے کہ آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگلی جاتی۔"

آرز اُس کے کہنے کا مطلب سمجھ گیا۔

"سعد!! مجھے افسوس ہے میری ایک غلطی کتنے لوگوں کی زندگیاں برباد کر گئی لیکن کیا یہ اچھا نہیں ہوا کہ کسی بڑے فیصلے کے ہو جانے سے پہلے ہی سب ٹھیک ہو رہا ہے؟"

"بالکل نہیں، تم مرد ہو آرز اور مرد کمزور نہیں ہوا کرتے۔"

سعد کے لہجے میں غصہ واضح تھا۔

"میں بھی یہی سمجھتا تھا۔اب سمجھا ہوں کہ مرد ہی تو کمزور ہوتے ہیں اور عورتیں جنہیں ہم نازک کہہ کہہ کر سچ میں کمزور سمجھ لیتے ہیں، وہ ایک مرد سے کہیں زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوتی ہیں۔اور تم بتاؤ تم تو جانتے ہو گے نا کہ پریشے بھی بازل کے ساتھ اُس کے دکھائے راستے پر چل نکلی ہے تو اپنی بہن سے کیا کہو گے؟"

سعد شش و پنج کا شکار ہوا۔

کیا گارنٹی ہے کہ اُسے بھی تمہاری طرح اپنی کوئی مجبوری یاد نہیں آ جائے گی اور وہ "پری کو درمیان راہ میں نہیں چھوڑے گا؟

"وہ نہیں چھوڑے گا تم میرا یقین کرو۔"

"مجھے تم پر اب یقین نہیں رہا آرز۔"

سعد نے صاف صاف اُسے سچائی سے آگاہ کیا۔

"تو ٹھیک ہے مت کرو لیکن پھر بھی فیصلہ تو تمہیں کرنا ہی ہے۔ بہتر ہے کہ جلدی کر لو۔آج امی آئیں گی خالہ سے بات کرنے۔"

سعد بناء کوئی جواب دیئے اپنا موبائل اُٹھا اُس کے آفس سے نکل گیا۔آرز کی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی لیکن اُس نے مگ اُٹھا کر ایک ہی گھونٹ میں ساری کی ساری چائے اپنے اندر انڈیل لی۔اُسے سچ میں اُس بدذائقہ مشروب کی ضرورت تھی۔

مغرب کی آذان کا وقت ہو چکا تھا۔حویلی کی عورتیں اب تک ڈوپٹوں پر گوٹا ٹانکنے میں مصروف تھیں۔برآمدہ جگمگاتی روشنیوں سے چمک رہا تھا۔اماں بیگم کے کہنے پر سب نے کام چھوڑ دیا اور نماز کے لیے وقفہ لیا گیا۔سب ابھی بھی وہیں بیٹھیں تھیں۔سب کو آذان کا انتظار تھا،ملازمائیں البتہ اُٹھ کر چلی گئی تھیں۔خالدہ بیگم،نفیسہ بیگم کے ہمراہ اماں بیگم سے کوئی بات کر رہی تھیں جبکہ کرن مناہل کے ساتھ مسکرا کر بات کر رہی

تھی۔حیام اور منال ایک طرف کو اکیلے بیٹھے تھے چونکہ حیام کے کام میں ابھی صفائی نہ تھی تو اُسے ایک الگ ڈوپٹہ پکڑا دیا گیا تھا،جو وہ ایک طرف پھیلائے منال کو دیکھ ٹانک رہی تھی۔حیام نے سرگوشی کی صورت منال سے بات کا آغاز کیا۔

میں نے سنا تھا کہ سادات اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہیں رکھتے اور نہ رکھنا پسند "کرتے ہیں۔"

منال نے اُسے دیکھا اور سر ہاں میں ہلایا۔

"یہ سچ ہے لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"یہ حویلی،یہاں کے لوگوں کے لیے ضرورت سے کچھ زیادہ نہیں ہے؟فضول میں اتنی زمین خالی چھوڑ دی گئی ہے اور ہے بھی تو کسی کام کی نہیں۔آدھی سے زیادہ تو بند ہے۔"

منال اُسے عجیب نظروں سے تکنے لگی۔وہ سوچ رہی تھی کہ جواب دے یا نہ دے لیکن پھر بول پڑی۔

"ہممم!!یہ حویلی بہت پرانی ہے۔یہ تو مجھے نہیں معلوم ہے کہ ہم سے پرانی کتنی نسلیں یہاں جوان ہوئیں اور پھر اپنے اصل میں واپس گھل گئیں،میں بس یہ جانتی ہوں کہ یہ

زمین اور حویلی خاندانی ہے اور سادات گھرانے سے وابستہ ہے۔ ہمارے بڑوں سے منسلک ہر چیز میں برکت ہے اور حویلیاں کبھی رہنے والوں کی ضرورت کے مطابق نہیں تعمیر دی جاتیں بلکہ وہاں دفن رازوں کے معیار کے مطابق زندہ ہوتی ہیں۔"

حیام کی آنکھیں تجسس سے چمکیں۔ وہ مزید کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن مغرب کی آذان ماحول میں سکون پھیلا رہی تھی۔ وہ خاموش ہو کر وہیں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اماں بیگم کی گہری نظروں کا رُخ اُس کی جانب تھا یوں جیسے وہ اُسے پڑھنے کی کوشش کر رہیں تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ آفس سے آتے ہی سیدھا اپنے ماں باپ کے کمرے میں گیا۔ وہ جب سے بیٹھا تھا سر جھکائے ہوئے تھا اور لب خاموش تھے۔ اُس کی ماں اور باپ اپنی جگہ لب سیے بیٹھے ہوئے تھے۔

"ابو۔۔۔۔۔۔!!"

وہ کتنے دنوں بعد اُن سے ہمکلام تھا۔ اُس کے باپ نے نرم نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

"امی۔۔۔۔۔!!"

"بولو میری جان۔۔۔۔"

اُس کی ماں نے اُس کے ہاتھ تھام کر چومے۔

"میری ایک بات مانیں گے؟"

وہ امید بھری نظروں سے سوالی تھا۔

"جو چاہے مانگ لو۔"

اب کی بار جواب حسن صاحب نے دیا۔

"ابو، چلیں اُٹھیں تیار ہو جائیں دونوں۔ ہمیں خالہ کی طرف جانا ہے۔"

ندا بیگم جان گئیں تھیں کہ وجہ کیا تھی۔ جس وقت کا سامنہ کرنے سے وہ ڈر رہیں تھیں شاید اب وقت آگیا تھا کہ اُس کا سامنہ کر ہی لیا جاتا۔

"ٹھیک ہے، چلتے ہیں۔ بدلے میں میری ایک بات مانو گے؟"

حسن صاحب نے ہامی بھرتے ہوئے مزید ایک سوال کیا۔اُن کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"جو چاہے مانگ لیجیے گا۔"

وہ مسکراتا وہاں سے چل دیا۔ پیچھے اُس کے ماں باپ اس سوچ میں تھے کہ کہ وہ دل سے مسکرایا تھا یا پھر طنزیہ۔۔۔۔۔

حویلی کی تمام عورتیں وہیں صحن میں نماز ادا کر رہیں تھیں سوائے حیام کے۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھی اوپر نظر آتے کھلے آسمان کو تکنے میں مصروف تھی۔ اماں بیگم نے دعا سے فارغ ہو کر اُسے یوں بیٹھے دیکھا تو ٹوک دیا۔

"بی بی!! یوں مغرب کے وقت کھلے آسمان تلے بیٹھ کر سیاہی کو نہیں تکا جاوے ہے، نحوست ہوتی ہے۔"

آج حیام نے غور کیا تھا کہ وہ نہ پنجابی بولتیں تھیں اور نہ اردو بلکہ دونوں کو ملا کر کوئی تیسری زبان، صرف وہ ہی نہیں بلکہ وہ اس گاؤں کی جتنی بھی عورتوں سے مل چکی تھی سب کا انداز ایسا ہی تھا۔ حیام نے انہیں دیکھا لیکن جواب نہیں دیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ضرور پلٹ کر جواب دیتی لیکن ابھی وہ خود عجیب گھبراہٹ میں تھی۔ چپ کر کے سر ڈھانپ کھڑی ہو گئی۔ بشیراں جواب سامان سمیٹ رہیں تھیں اُن کی مدد کرنے لگی۔

آہستہ آہستہ اُس کی شخصیت میں بدلاؤ آ رہا تھا اور وقت کتنا لگ رہا تھا؟ محض چند دن۔ کیا

دنوں کی ریس میں کبھی انسان سر سے لے کر پاؤں تک بدل جاتا ہے یا بدل سکتا ہے؟

ہاں شاید، اگر خدا انسان کا دل بدل دینا چاہے تو سب ہو سکتا ہے۔

منال نے نماز ادا کر کے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو بے چینی نے آگھیرا۔ یکدم کچھ عجیب وسوسے اُسے اپنے گرد سانس تنگ کرتے محسوس ہوئے۔ وہ بناء کچھ مانگے اُٹھ گئی۔ چہرہ موڑ کر حیام پر اُس کی نگاہیں جا رکیں، اسی لمحے حیام نے بھی اُسے دیکھا۔ شاید وہ اُس کے دل کی کیفیت محسوس کر گئی تھی۔ اُسے یہاں آئے وقت ہی کتنا ہوا تھا؟ چند مہینے۔۔۔ کیا اتنا عرصہ کافی ہوتا ہے ہے کسی کے دل سے جُڑ جانے کے لیے۔ منال تیز قدم اُٹھاتی اُس تک آئی اور سرگوشی سے انداز میں ہی بولی۔

"چلو، یہاں میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"ہاں، چلو۔"

حیام نے ہاتھ میں پکڑا سامان وہیں زمین پر رکھ دیا اور اُس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام چلنے لگی۔ سب نماز ادا کر چکے تھے۔ ابھی وہ برآمدہ عبور بھی نہ کر پائیں تھیں کہ باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ یہ پہلی مرتبہ تو نہیں تھا لیکن پھر بھی منال کے قدم تھم گئے، اُسے کبھی غلط اندیشے نہیں ہوا کرتے تھے۔ اُسے ڈر لگ رہا تھا نجانے کیا ہونے والا تھا۔ حیام

نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا وہ چل کیوں نہیں رہی تھی۔ایک ملازمہ باہر سے ہوتی برآمدے میں آئی اور اماں بیگم کے سامنے کھڑی بولنے لگی۔

"اماں بیگم !! چھوٹے شاہ آئے ہیں۔وہ یہاں آرہے ہیں۔"

پیغام بھجوانے کا مقصد یہ تھا کہ چہرے ڈھانپ لیے جائیں۔ویسے تو وہ سب شاہ میر کے سامنے چہرہ نہ ڈھانپتی تھیں لیکن اماں بیگم اُن کی بڑی تھیں اور بڑوں کی موجودگی میں کچھ چیزیں بطورِ عزت دینے کے کی جاتیں ہیں۔کرن نے جھٹ سے چہرہ چادر کی اوٹ میں کیا جبکہ منال میں اتنی سکت بھی نہ تھی۔ہاں،البتہ اُس کی پیٹھ باہر سے آنے والے راستے کی جانب تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شاہ میر کے آنے کی خبر سُن اماں بیگم کا چہرہ روشن ہو گیا۔وہ روز کہیں جاتا تو اماں بیگم بیٹھ اُس کا انتظار کرتی رہتیں تھیں۔شاہ میر سے محبت تو اُن کو قدرتی تھی۔

شاہ میر چلتا ہوا برآمدے میں آیا۔اُس کے قدم مضبوط لیکن چال سست تھی۔لیکن اماں بیگم کا دھیان اُس پر تھا ہی کب،اُن کا دھیان تو اُس کی گود میں موجود بچے پر تھا جو اُس کے سینے سے لگا پُر سکون نیند سو رہا تھا بلکہ صرف اُن کا ہی نہیں برآمدے میں موجود تمام لوگوں کا دھیان وہیں تھا۔کسی سوال کی کوئی تک بنتی ہی نہ تھی۔وہ چہرہ ہو بہو اُس جیسا ہی تو تھا۔اُس بچے کی مشابہت بالکل اُس کی ماں سی ہی تو تھی۔

"منال!!!!"

شاہ میر نے اُس کی کمر پر نظریں جمائے اُسے پکارا۔شاہ میر کی آواز سُن کر وہ پلٹی۔اُس نے چہرہ نہیں ڈھانپا تھا،اُس کے ہاتھ انکاری تھے۔شاہ میر کی گود میں موجود بچے کو دیکھ اُس کے منہ سے فقط دو حرف نکلے تھے جو حیام کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ گئے۔

"میرا بچہ۔۔۔۔۔۔۔"

وہ بے حس و حرکت وہیں کھڑی رہی۔ایک آنسو کا قطرہ اُس کی پلکیں بھگو چہرے پر بہہ گیا۔وقت گزر رہا تھا۔۔۔۔۔ایک قطرہ،دو قطرے، تین۔۔۔۔۔رفتہ رفتہ اُس کے آنسو روانگی اختیار کر گئے۔وہ ہچکیوں سمیت رونے لگی۔اُس کی سسکیاں حویلی میں گونج رہی تھیں۔آج منال بخاری پہلی مرتبہ چیخ و پکار کر رہی تھی۔وہ زمین پر گرتی چلی گئی۔اُس کی ماں نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھالنا چاہا لیکن وہ کام حیام پہلے ہی کر چکی تھی۔ اُسے بانہوں میں سمیٹ وہ آہستہ آواز میں نجانے کیا کہہ رہی تھی۔

وہ تمام لوگ اس ٹائم ہال میں بیٹھے تھے لیکن بولنے کی غلطی کسی نے بھی نہیں کی تھی۔ شمائلہ بیگم کی آنکھوں میں لالی واضح تھی شاید کہ اُن سب کے آنے سے پہلے وہ روئیں تھیں اور کیوں نہ روتیں؟ جس بات پر اپنی بیٹی کا دل دکھا کر ہامی بھروائی تھی کیسے تمام

باتیں سیدھا راستہ بدل اُن پر آکر رک گئی تھیں۔اگر اسے آئینہ دیکھنا کہتے تھے تو کیا بد صورت عکس تھا۔بیٹیوں سے منسوب ہر بات ہی کچی ڈور ہوتی ہے جو نجانے کب ٹوٹ جائے معلوم ہی نہیں ہوتا اور اگر بالفرض وہ ٹوٹ جائے تو پتہ نہیں کون کون سے لیبل بیٹیوں سے وابستہ کر دیئے جاتے ہیں۔

"شمائلہ۔۔۔!"

آپا اگر آپ معافی مانگنے آئیں ہیں تو مہربانی کر کے مت مانگیے گا۔جو بے عزتی میری "اولاد کے نصیب میں تھی وہ اسے مل گئی۔

لہجہ رندھا ہوا تھا۔ندا بیگم اپنی جگہ شرمندہ ہوئیں۔شمائلہ بیگم نے ایک مرتبہ پھر بولنا شروع کیا۔

"اور دیکھیں زرا میری اولاد سب کچھ جانتی تھی لیکن مجال ہے جو ماں کو بھنک تک پڑنے دی ہو۔آپ بھی تو میری بہن تھیں،آکر بتاتیں تو کہ تم اب تک جس بے رشتے کی خوشی میں مست ہو تھم جاؤ۔اب کوئی رشتہ رہا ہی نہیں۔آپ لوگوں نے اچھا نہیں کیا میری بیٹی کے ساتھ۔"

سب پھر بھی خاموش بیٹھے رہے۔آرز کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

"حسن بھائی! آپ بتائیں میری پری کی جگہ آپ کی مشعل ہوتی اور میرا بیٹا ایسا کرتا تو آپ کو کیسا لگتا؟"

اُن کے آنسو لگاتار بہہ رہے تھے۔

"خالہ!!"

آرز نے کچھ بولنا چاہا لیکن اجازت نہ دی گئی۔

"مت کہو مجھے خالہ، تمہارا میرا تعلق اُسی دن ٹوٹ گیا تھا جس دن تم نے یہ تک نہ سوچا کہ تمہاری بیوہ خالہ کی عزت کا سوال ہے۔اب خاندان میں بات پھیلے گی تو میری بیٹی کا سارا قصور نکلے گا۔"

"شمائلہ! بہن ہو تم میری۔ سمجھو کہ تمہارے بھائی سے ایک غلطی ہو گئی وہی سدھارنے آیا ہوں۔آرز کے معاملے میں مجھ سے کوتاہی ضرور ہوئی لیکن اب میں ہی ایک اور مزید فیصلہ کر رہا ہوں۔پری کو میرے بازل سے منسوب کر دو تو میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔"

حسن صاحب نے اُنہیں مخاطب کیا۔

"بھول جائیں آپ بھائی صاحب، میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں لیکن میری بیٹی مجھ پر بھاری نہیں ہے۔آپ کے کسی بیٹے کے ساتھ مجھے اپنی بیٹی کا نام نہیں جوڑنا۔"

"معاف کردو اپنی بہن کو، چاہو تو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑ لیتی ہوں۔"

ندا بیگم اُٹھ کر اپنی بہن کے برابر میں بیٹھیں اور ہاتھ جوڑے جنہیں شائلہ بیگم نے فوراً تھام لیا جو بھی ہو وہ بہن تھیں اُن کیں۔

آپا کوئی وجہ تو بتائی ہوتی آپ لوگوں نے؟ تم بتاؤ آرز کیوں میری پری میں تمہیں کوئی" "کمی لگتی ہے؟

"خالہ!! کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ کوئی کمی نہیں ہے اُس میں۔۔۔۔۔"

آرز کا لہجہ کتنا بے بس تھا۔سعد کو اُس پر ترس آیا۔

"تو کیا کسی اور لڑکی کو پسند کرتے ہو؟"

جواباً وہ خاموش رہا۔ مشعل نے فوراً بات کو واپس اصل موضوع کی جانب گھمایا۔

"خالہ!! مان جائیں۔پری، بازل بھائی کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔"

"مان جاؤ شائلہ۔۔۔۔۔"

آپا دیکھیں تو میں ان باتوں میں بھول ہی گئی، بازل کے لیے میں مان بھی جاؤں تو کیسے "

"رشتہ ہو سکتا ہے؟ حیام۔۔۔۔؟

لیکن باقی سب کی خاموشی اُنہیں بہت کچھ باور کروا گئی تھی۔

"تو کیا وہ منگنی بھی ٹوٹ گئی ہے؟"

لہجے میں حیرانی رقم تھی۔ جواباً ندا بیگم نے صرف ہاں میں ہاں ملائی۔

"کیوں؟"

ندا بیگم نے اپنی بہن کے سوال پر چہرہ اُٹھا کر آرز کو دیکھا جو اُنہیں ہی دیکھ رہا تھا۔ نظروں کا یہ ردوبدل شمائلہ بیگم کو بہت کچھ بتا گیا۔ آرز کی جانب دیکھتیں وہ ایک مرتبہ پھر سوال کر گئیں۔

"تو کیا تم نے میری بیٹی کو اُس حیام کے لیے چھوڑا ہے؟"

آرز نے یہ سوال سُنتے ہی ایک مرتبہ پھر سر جھکا لیا۔ آنکھیں موندے سرد آہ بھری۔

جس بات سے وہ ڈر رہا تھا وہ سچ ہو گئی تھی۔

"میں تو سمجھی تھی کہ اُس گھر کے لوگ حیام نام کی مالا جپتے رہتے ہیں تو ضرور خلوص میں گندھی لڑکی ہو گی۔ میری پریشے نے تو نجانے کیوں آبیل مجھے مار والا حساب کیا خود

سے دوستی کا ہاتھ بڑھا کر۔ منگنی کے دن تو اُسے یوں سمجھا کر گئی تھی مجھے لگا کہ اُس سے اچھا کوئی ہے ہی نہیں اور دیکھیں آ پایوں پیٹھ پیچھے وہ کیا کچھ۔۔۔۔۔۔۔"

ساتھ ہی پریشے فوراََ دیوار کی اوٹ سے باہر نکل کر آئی اور اپنی ماں کی بات کاٹی۔

"امی!!! بس کر دیں۔ حیام کے بارے میں کچھ غلط مت بولیں۔ وہ بہت اچھی ہے۔"

مشعل نے آنکھوں میں آنسو لیے آرز کو دیکھا۔ آج مشعل کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کون سی قربانیاں تھیں جو آرز نے دیں تھیں لیکن اس دنیا نے وہ قربانیاں قربانیاں کہاں رہنے دیں تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com

آرز نے نگاہیں اُٹھا کر اپنے باپ کو دیکھا، وہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں موجود لوگ اُس کا گریبان تک نوچ ڈالتے تو حسن صاحب اُف تک نہ کرتے لیکن حیام کے کردار پر بات وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

"شائلہ! حیام بے قصور ہے، تم کچھ نہیں جانتی۔ اور ان سب باتوں کو چھوڑو۔ جو بات ہم کرنے آئے ہیں اُس کا جواب دو، تمہیں منظور ہے یا نہیں؟"

شائلہ بیگم نے شکایتی نظروں سے اپنی بہن کو دیکھا اور پھر ایک نظر اپنے بیٹے کو دیکھا جو تب سے خاموش بیٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے لیکن نکاح ہوگا وہ بھی کل ہی۔کل آئیں اور سادگی سے نکاح کے دو بول پڑھوا کر چاہے تو اپنی امانت ساتھ لے جائیں لیکن کل نہیں تو کبھی نہیں۔"

پری نے اپنی ماں کو دکھ سے دیکھا۔کچھ دیر پہلے جو وہ کہہ رہی تھیں کہ اُن کی بیٹی اُن پر بوجھ نہیں تو کیا وہ جھوٹ تھا۔

"ہمیں منظور ہے۔کل ہی نکاح ہوگا۔"

آرز کہتا ہوا کھڑا ہوا۔اُس کی نظریں ہمہ وقت اپنے باپ پر تھیں۔

"چلیں،ابو۔۔۔"

آگے بڑھ کر حسن صاحب کو سہارا دے کھڑا کیا اور اُنہیں لے کر چلنے لگا۔

"آجائیں امی میں انتظار کر رہا ہوں۔"

مشعل کو آنے کا اشارہ کرتا وہ ماں سے کہہ کر چلا گیا تھا۔

اک ہنر جو کر گیا ہوں میں

سب کے دل سے اتر گیا ہوں میں

کیسے اپنی ہنسی کو ضبط کروں

سن رہا ہوں کہ گھر گیا ہوں میں

کیا بتاؤں کہ مر نہیں پاتا

جیتے جی جب سے مر گیا ہوں میں

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اب ہے بس اپنا سامنا درپیش

ہر کسی سے گزر گیا ہوں میں

وہی ناز و ادا وہی غمزے

سر بہ سر آپ پر گیا ہوں میں

عجب الزام ہوں زمانے کا

کہ یہاں سب کے سر گیا ہوں میں

کبھی خود تک پہنچ نہیں پایا

جب کہ واں عمر بھر گیا ہوں میں

تم سے جاناں ملا ہوں جس دن سے

بے طرح خود سے ڈر گیا ہوں میں

کوئے جاناں میں شور برپا ہے

کہ اچانک سدھر گیا ہوں میں

(جون ایلیا)

حیام اُسے خود میں سمیٹے آہستہ آواز میں اُس کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔

"منال! کچھ نہیں ہوا، سب ٹھیک ہے۔"

اُس کی سسکیاں رفتہ رفتہ مدھم ہو رہی تھیں شاید وہ دل کا سارا غبار نکال باہر پھینکنا چاہتی تھی۔

"شش۔۔۔۔! خاموش ہو جاؤ۔"

منال نے چہرہ اُٹھا کر اُس کو دیکھا تو حیام نے اُس کو دیکھ ایک مرتبہ پھر بولا۔

"تمہارا بچہ ہے ناوہ؟"

جواباً منال نے آنسو بہاتے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ تمہارا منتظر ہے، تمہارے لمس کا پیاسا اور تم اُس کے۔ جاؤ اُسے خود میں سمیٹ لو "تمہیں سکون مل جائے گا۔"

منال نے چہرہ موڑ کر شاہ میر کی گود میں موجود بچے کو دیکھا تو اُٹھ کر اُس کے پاس آئی۔ اُس کے قریب آتے ہی شاہ میر نے بہت دھیان سے اُس سوئے ہوئے وجود کو خود سے الگ کر اُس کی اصل ماں کو تھما دیا۔ اپنی اولاد کا لمس محسوس کرتے ہی منال کے آنسو ایک مرتبہ پھر روانگی اختیار کر رہے تھے۔ حیام نے آگے بڑھ کر منال کو کاندھوں سے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھاماا ور اُسے لے کر برآمدے سے چلی گئی۔اس وقت اُن دونوں کو صرف تنہائی چاہیے تھی ایسا حیام کا خیال تھا۔باقی سب اپنی اپنی جگہوں پر دم سادھے ویسے ہی کھڑے تھے۔اماں بیگم اپنی جگہ سے کھڑی ہوئیں اور سب کو جانے کا اشارہ کر اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔

حیام منال کو اُس کے کمرے میں لے آئی تھی۔وہ دروازے پر کھڑی منال کو دیکھے جا رہی تھی جو چل کر اپنے بیڈ تک گئی اور اپنے بچے کو وہیں بیڈ پر لٹا کر اُس کے ساتھ ہی لیٹ چکی تھی۔اُس کا ہاتھ تھام اُسے دیوانہ وار چوم رہی تھی۔ کبھی بچے کا ماتھا چومتی، اُس کے چہرے پر اپنے بوسوں کا لمس چھوڑتی اور کبھی اُس کے ہاتھ۔وہ سچ میں آج ایک ماں ہونے کی عکاسی کر رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام نے دروازہ آرام سے بند کیا اور چند لمحے وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی۔اُسے منال کی پرانی باتیں یاد آرہی تھیں۔منال کو جس چیز کا خوف تھا وہ بات اب حیام جان چکی تھی۔ وہ چل کر اماں بیگم کے کمرے تک گئی۔دروازے پر دستک دے اندر گئی تو اماں بیگم اکیلی نہ تھیں،وہاں شاہ میر پہلے سے موجود تھا۔اماں بیگم نے بے چینی سے اُسے دیکھا۔ کتنے سوالات تھے اُن کی نظروں میں؟ وہ کس کس کا جواب دیتی؟

"منال ٹھیک ہے؟"

شاہ میر نے کھڑے ہوتے سوال کیا۔

"جی بھائی! اُسے کچھ وقت لگے گا مگر ٹھیک ہو جائے گی وہ۔"

حیام نے سر پر اوڑھا دوپٹہ مزید ٹھیک کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تم کرلو جو بات کرنی ہے، میں باہر ہوں۔"

وہ کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔اب پیچھے صرف اماں بیگم اور وہ موجود تھی۔وہ چلتی ہوئی اماں بیگم کے بائیں جانب موجود کرسی پر بیٹھ گئی اور ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں الجھا نجانے کون سی الجھن سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔اماں بیگم اُس کی ہر حرکت غور سے دیکھ رہی تھیں۔

"وہ، منال آپ سے ڈرتی ہے۔"

"وہ مجھ سے ڈرتی ہے؟"

سوال پوچھا گیا لیکن لہجہ سوالیہ ہرگز نہ تھا۔اُن کے لہجے میں کرب پوشیدہ تھا۔

"پوچھیں گی نہیں کیوں؟"

وہ حیام کو تکنے لگیں جیسے کہ پوچھ رہی ہوں لیکن الفاظ ساتھ نہ دے رہے تھے۔

"اُسے ڈر ہے کہ آپ اُسے اُس کے بچے سے جدا کر دیں گی۔"

حیام کی بات پر اماں بیگم نے آنکھیں موندے سرد آہ بھری۔اُن کے چہرے پر تھکن نمایاں تھی۔اماں بیگم کی خاموشی اُسے ڈرا رہی تھی۔

"کیا آپ سچ میں ایسا کریں گی؟"

"بی بی!! تجھے کیا لگتا ہے؟ کر سکوں گی؟"

حیام کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔وہ بولی کچھ نہ لیکن فوراً سر نہ میں ہلایا۔

تو پھر اُس کو بول کہ ڈر مت مجھ سے۔میں ابھی اتنی ظالم نہیں ہوئی ہوں کہ ایک ماں"

"کو اُس کے بچے سے الگ کر دوں۔

حیام کی آنکھوں میں موجود آنسو بہہ نکلے۔وہ اُٹھ کر باہر نکل آئی۔باہر آئی تو برآمدے میں شاہ میر اماں بیگم کے تخت نما جھولے پر بیٹھا تھا۔شاہ میر کو دیکھ اُس نے آنسو پونچھے اور چلتی ہوئی اس تک آئی۔برآمدہ چاند کی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔

"آؤ، بیٹھو۔۔۔۔۔۔"

شاہ میر نے حیام کو قریب رکھی تختی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔پہلے تو وہ جھجکی لیکن پھر بیٹھ گئی۔نجانے کتنی دیر وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

"دل لگ گیا ہے ادھر؟"

پہلا سوال شاہ میر کی جانب سے تھا۔

"دل لگتا کب ہے؟ دل تو لگانا پڑتا ہے۔"

وہ جواب دیتے ہوئے مسکرائی۔

"چچا چچی کو بہت یاد کرتی ہو گی نا؟ اور باقی سب کو بھی؟"

نہیں، مجھے وقت ہی نہیں ملتا۔ میں خود کو اس حویلی میں اتنا مصروف رکھتی ہوں کہ "

"مجھے چاہ بھی ہو تو نہ رہے۔

وہ اوپر آسمان میں دکھتے چاند کو تکتی جواب دے رہی تھی۔

"اچھا، تو مصروف رہتی ہو؟ کن کاموں میں؟"

سوچوں میں، سوچتی رہتی ہوں کہ اس حویلی میں رہنے والے یہاں رہتے ہیں تو کیسے "

"رہتے ہوں گے؟

"تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ جب میں چھوٹا تھا تو مجھے بھی ایسا ہی لگتا تھا یہاں تک کہ مجھے ایک لڑکا ہونے کی وجہ سے ہر آزادی مہیا تھی۔ لیکن میری بہن، وہ بہت پیاری ہے مجھے۔ اس حویلی کے بہت سے اصول مجھے میری بہن سے دور کر رہے تھے۔ جیسے جیسے میں جوان ہو رہا تھا میں چاہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ پوری دنیا دیکھے لیکن پھر معلوم

ہوا کہ وہ تو اس حویلی کی دہلیز بھی عبور نہیں کر سکتی۔ میں اماں سے بہت شکایت کرتا تو وہ کہتیں کہ اُس کو ہر آسائش اسی چار دیواری میں مہیا کی جا رہی ہے، چاہے وہ تعلیم ہو یا کچھ بھی۔ میں اکثر اُسے چھپا کر حویلی سے پیچھے آبشار دکھانے لے جاتا لیکن پھر ایک وقت وہ آیا جب میں نے اپنے دین کو پڑھا، جانا اور اپنی بہن سے کچھ مناسب فاصلہ بڑھا لیا لیکن اُس فاصلے کو ہم دونوں کے دلوں میں دوریاں نہیں پیدا کرنے دیں اور پھر میں نے اپنے معاشرے میں موجود لوگوں کو زندگی جیتے دیکھا۔ اُن کی آنکھیں، اُن کے دل پڑھنے سیکھے تو معلوم ہوا کہ یہ معاشرہ ایک عورت کے لیے محفوظ نہیں ہے۔"

حیام اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اپنی بہن کے متعلق بات کرتے ہوئے وہ لہجہ انتہائی شیریں تھا۔

"حیام! یہ جو دنیا ہے نا یہ عورت کو منہ زور دیکھتی ہے تو اس کی کردار کشی کرنے لگتی ہے چاہے سے وہ منہ زور عورت کا اندر کتنا ہی پاک کیوں نہ ہو۔ اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ تمام باتیں، خود پر پڑنے والی ہر غلیظ نظر عورت جانچ لیتی ہے۔ پھر بھی ضد اور ہٹ دھرمی میں خود کو بے مول کر میدان میں اُتر جاتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب عورتیں ایسی ہیں لیکن یہ سچ ہے کہ وہ ایک عورت باقی ہزار عورتوں کے لیے مرد کی نظروں میں شک کا بیج بو دیتی ہے۔"

حیام کو ان تمام باتوں سے منال کی بات یاد آئی تھی کہ (نہیں، یہ اصول ہمارے بڑوں نے ہمیں قیدی بنانے کے لیے نہیں بنائے۔ یہ تو ہمیں معاشرے کے اصولوں سے بچانے کے لیے بنائے ہیں۔)

اُسے اپنے قریب کہیں منال کی آواز سنائی دی لیکن وہ وہاں نہ تھی۔

"بھائی! اس معاشرے میں رہنے کے کیا اصول ہوتے ہیں؟"

شاہ میر اُسے دیکھنے لگا جو کہ اب زمین کو گھور رہی تھی۔

"معاشرے کی کیا ہی بات کرنی ہے۔ اس جاہل معاشرے کا بس چلے تو عورت کو زندہ جلا دے۔ جہاں مرد کے لیے کوئی پابندی نہیں وہیں عورت پر ہر قسم کی پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔ عورتوں کے حقوق کھا لیے جاتے ہیں۔ سب اپنا اپنا دین بھول گئے ہیں اور ان بے جا اصولوں اور مردوں کے باغی پن سے بچانے کے لیے سادات اپنی بیبیوں کو مزید دنیا کی نظروں سے چھپالیں تو کیا برائی ہے حیام؟ یہ دنیا ایک پاک عورت پر ناحق الزام تراشی کرے تو زمین کانپ جاتی ہے تو خود بتاؤ، ایک سیدزادی پر انگلی اُٹھائی جائے تو کیا قہر نازل ہوگا؟ اس حویلی میں رہنا تمہیں مشکل لگتا ہے تو پھر یہ بتاؤ کیا جس دنیا سے تم آئی ہو، وہاں زندگی آسان تھی؟"

حیام کا جھکا سر مزید جھکا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔

شہر، جہاں سے وہ آئی تھی وہاں گھروں سے نکلو تو اتنی نظروں کی تپش خود پر محسوس ہوتی ہے کہ جیسے آپ کوئی شکار ہو جس کی تاک میں ہر شکاری بازی کھیلنے موجود ہوتا ہے۔وہ محض نہ میں سر ہلا سکی۔

چلو شاباش اُٹھو، کمرے میں جاؤ۔رات ہو گئی ہے۔اب مردان خانے سے سب آئیں گے۔"

حیام سر ہلاتی اُٹھی اور چل دی۔ابھی اُس نے برآمدے سے باہر قدم نہیں رکھے تھے جب شاہ میر ایک مرتبہ پھر بول اُٹھا۔

"حیام!! بازل کو بھائی کہتی ہو نا تم اور بدلے میں اُس نے سچ میں تمہیں اپنی بہن بنا کر دکھایا ہے۔اب جب تم نے مجھے بھی بھائی کہا ہے تو یہ جان لو کہ تم مجھے ایک اور نسبت سے بہت عزیز ہو۔رشتوں کا ناپ تول کروں گا تو تم مجھے مناہل سے کچھ زیادہ عزیز ٹھہرو گی۔تمہارے لیے اماں کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا تو سمجھو کہ ساری دنیا کے سامنے کھڑا ہوں۔"

اُس کی بات سُن حیام کی آنکھوں سے چند آنسو کے قطرے بہے۔وہ مڑی نہیں تھی لیکن وہیں کھڑی بولنے لگی۔

"آپ کے سامنے جو دنیا ہے نا؟ میرے لیے اس دنیا میں کچھ لوگ وہ بھی شامل ہیں جو آپ کی زندگی ہیں۔اُن کے خلاف کھڑے ہو سکیں گے تو میں سمجھوں گی کہ بازل بھائی کی محبت کو مات دے دی ہے آپ نے۔ لیکن مجھے معلوم ہے یہ آپ سے نہیں ہو گا۔ یہ کام حیام بخاری کے لیے کوئی شاہ میر بخاری نہیں کر سکتا، صرف بازل حسن کر سکتا ہے۔"

شاہ میر نے جواب دینے میں ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں ہونے دیا اور اُس کا جواب حیام کے قدم ساکت کر گیا۔

حیام بخاری کے لیے یہ کام کرنے والوں کی فہرست میں پہلا نام اب شاہ میر بخاری کا "ہو گا۔"

وہ کہہ کر چلا گیا جبکہ وہ وہیں زمین پر بیٹھ رونے لگی۔

وہ رات کمرے میں آکر ٹھیک سے سو ہی نہ سکی۔ تنگ آکر بالکونی کے پردے ہٹا کر چاند کی روشنی کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہیں زمین پر ایک طرف بچھے فرشی قالین پر بیٹھ گئی۔ دیوار سے ٹیک لگائے وہ لگاتار چاند کو تکتی رہی اور پھر کہیں جا کر نجانے رات کے کس پہر نیند اُس پر مہربان ہوئی۔

صبح کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ نکلا تھا۔ موسم پہلے سے گرم ہونے لگا تھا، ایسے میں وہ جو رات کا بالکونی کے پاس گلاس ڈور کھلا چھوڑ کر سوئی تھی اب سورج کی چھبتی کرنوں سے اُٹھ بیٹھی۔ ماتھے پر پسینے کے چند ننھے ننھے قطرے دکھائی دیتے تھے۔ اپنے ڈوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرتی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُٹھ کر بیڈ تک آئی۔

وہ نیند نہ پوری ہونے کے باعث واپس سونے کا ارادہ کر بیڈ کے گرد لٹکے پردوں کو ہٹا کر ایک سائیڈ پر کرتی لیٹ گئی۔ ہاں، البتہ اس مرتبہ چھت پر لگا پنکھا چلانا نہ بھولی تھی۔ ابھی اُسے سوئے ہوئے پندرہ منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ سعدیہ دروازہ کھولتی اندر چلی آئی۔ آتے ساتھ ہی وہ ارد گرد بکھرا سامان سمیٹتی ہوئی اس سے باتیں بھی کرنے لگی۔ اُس کے مطابق اُس کی سیدہ بی بی فجر کے وقت اُٹھ جایا کرتی تھیں۔

"سلام، سیدہ بی بی!!! مجھے پتہ ہے مجھے آنے میں دیر ہو گئی اور تو اور کل آئی بھی نہیں لیکن فکر نہ کریں اب چھٹی نہیں کروں گی۔ بے بے نے کچھ کام ذمے لگا دئے تھے گھر کے، وہ کرنا بھی ضروری تھے۔"

وہ مسلسل بولتی قالین پر گرے کشنز اُٹھا کر ٹھیک کرنے لگی۔ ہر چیز اُس کی اصل جگہ پر رکھتی اُس کا دھیان چلتے پنکھے پر گیا تو ٹھک سے سوئچ بورڈ پر سے بٹن دبا اُسے بند کر دیا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور یہاں جو حیام محترمہ کی نیند میں اُس کے بولنے سے خلل پیدا ہو رہا تھا، اب خلل تو کیا اُس کی جگہ غصے نے لے لی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟ دِکھ نہیں رہا کہ سو رہی ہوں؟"

وہ غصے میں بولتی اُٹھ بیٹھی۔اُس کے چہرے پر لالی نجانے گرمی کی بدولت تھی یا غصے کی، وہ نہ جانتی تھی۔

"معاف کر دیں سیدہ بی بی!! میں نے آپ کو سوتے نہیں دیکھا۔وہی میں سوچوں کہ آپ جواب کیوں نہیں دے رہیں؟ آپ سو جائیں۔۔۔"

حیام نے بے بسی سے اُسے دیکھا۔وہ اُس کی نیند برباد کر اُسے سونے کے مشورے دے رہی تھی۔حیام کچھ دیر مزید یوں ہی بیٹھی رہی تو وہ پھر بول پڑی۔

"کچھ چاہیے تو آپ بتا دیں، میں فوراً لے آتی ہوں۔"

حیام نے اُسے کن اکھیوں سے دیکھا۔

"ادھر آؤ۔۔۔"

حیام نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا۔

"مجھے سونا ہے اور اگر کوئی بھی، اس کوئی بھی میں اس حویلی کا ہر فرد شامل ہے، مجھے اُٹھانے کے لیے آئے تو اُسے روک دینا۔ کیسے؟ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے اور اگر میری نیند میں دوبارہ کوئی خلل پیدا ہوا تو میں تمہارے سر پر کچھ بھاری سا مار دوں گی۔ سمجھی تم؟"

وہ جو آگے کو جھک اُس کی بات بہت دھیان سے سُن رہی تھی، اپنی سیدہ بی بی کی دی ہوئی دھمکی پر آتی ہنسی کو ضبط کر گئی۔ اب ایسا تو نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خود اپنی سیدہ بی بی پر ہنس دیتی۔ ہاں میں سر ہلاتی وہ دروازے تک ہی گئی تھی جب حیام نے ایک مرتبہ پھر پکارا۔

"اور سنو، یہ پنکھا چلا دو ورنہ پگھل جاؤں گی میں۔۔۔"

وہ پنکھا چلاتی ایک مرتبہ پھر سے مڑی اور حیام کو تکنے لگی جو جوں کی توں واپس بیڈ پر لیٹ گئی تھی جیسے کہ اُس سے ضروری کام کوئی اور تھا ہی نہیں۔ ذہن میں حیام کے سنائے احکامات کو دہراتی وہ کمرے سے نکلنے کے لیے دروازہ کھولنے ہی والی تھی کہ اُس کی یہ مشکل کسی اور نے حل کر دی۔

منال دروازہ زور سے کھولتی اندر داخل ہوئی، اتنی زور سے کہ دروازے کے دونوں کواڑ کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر ایک مرتبہ پھر حیام کو بے سکون کر گئے۔ وہ ایسے ہوا پر سوار آئی تھی کہ سعدیہ کو سمجھنے اور بولنے کا موقع تک نہ مل سکا۔

"حیام، حیام اُٹھو۔۔۔ارے کب تک سوتی رہو گی؟ حیام!!! حیاااام!!"

وہ چیخ چیخ کر حیام کو پکارتی ساتھ اُسے جھنجھوڑ کر اُٹھانے کا پورا پورا فرض سرانجام دے رہی تھی۔

حیام نے دل میں اپنی نیند کو ملامت کی اور اس پر لعنت بھیج اُٹھ بیٹھی۔اُس کی غصیلی نظروں کا رخ سعدیہ کی جانب تھا جو آنکھوں کو پورا کھولے حیام کو بیچاری صورت بنائے تکنے لگی۔اپنا ہاتھ ماتھے پر مارتی وہ بس اتنا بول کر وہاں سے بھاگ گئی۔

"یااللہ!! سیدہ بی بی کے قہر سے بچالیں۔۔۔۔"

جبکہ اُس کے جانے کے بعد منال نے حیران نظروں سے حیام کو دیکھا اور بولی۔

"اسے کیا ہو گیا؟"

"کچھ نہیں۔تم فرماؤ، کیوں آئی ہو؟"

لہجہ ایسا تھا کہ کسی نے زبردستی اُس کو بات کرنے کے لیے بٹھایا ہو اور تھا بھی کچھ ایسا ہی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے حیام۔"

یکدم منال کی آواز دھیمی ہو گئی۔حیام نے چہرہ موڑ کر اُسے نرم نگاہوں سے دیکھا۔

"کیوں؟ کیوں ڈر لگ رہا ہے؟؟"

اُس کے ہاتھ تھامتی اُس سے سوال کرنے لگی۔

"میرا بیٹا، وہ مجھ سے میرا بیٹا۔۔۔۔"

حیام نے اُس کی بات ادھوری ہی چھوڑنا مناسب سمجھا۔

"کوئی تم سے تمہارا بیٹا نہیں لے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"لیکن اماں۔۔۔۔"

حیام نے ایک مرتبہ پھر اُس کی بات کاٹی۔

"اماں بھی تم سے تمہارا بیٹا نہیں لیں گی۔ ایسا میں نہیں، وہ کہہ رہی تھیں۔"

حیام کی بات سن منال کے پورے وجود میں اطمینان سا پھیل گیا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟ ایسا انہوں نے کہا ہے؟"

"ہاں، اور مجھے تمہیں ایک بہت ضروری بات بھی بتانی ہے۔"

"وہ کیا؟"

وہ یہ کہ تم سے پہلے اماں بیگم نے ہی شاہ میر بھائی کو تمہارا بیٹا ڈھونڈ کر لانے کو کہا"

تھا۔"

حیام کی بات پر منال جی بھر کر حیران ہوئی۔

"حیام!!تم۔۔۔۔۔"

"نہیں،میں کچھ نہیں جانتی۔یہ تو بس کل اماں بیگم سے بات کرنے گئی تھی تو میرے وہاں پہنچنے سے پہلے اماں بیگم اور شاہ میر بھائی یہ بات کر رہے تھے جو کہ میں نے سن لی۔اس سے زیادہ کہانی کا کوئی حصہ میں نہیں جانتی۔"

میں تمہیں بتادوں گی سب سچ سچ۔کہانی کا ایک ایک لفظ بتادوں گی لیکن پہلے مجھے "

"میرے حواسوں میں واپس آنے دو۔

وہ حیام سے اپنے ہاتھ الگ کرتی سست قدم اُٹھاتی بیڈ سے اُٹھ کر واپسی کے لیے دروازے تک پہنچ کر رُکی۔

"تم ٹھیک ہو منال؟"

منال نے جانے سے پہلے حیام کو دیکھا اور بولی۔

"میں اب تک اُن سے جو جنگ لڑتی آرہی تھی، بھول گئی تھی کہ بے بنیاد ہے۔میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال ایسی نفرتوں کو پالنے میں لگا دیئے جن کا اپنا کوئی وجود تھا ہی نہیں۔میں ایک مرتبہ پھر غلط ثابت ہو گئی ہوں آج۔"

وہ کہہ کر چلی گئی لیکن اُس کی باتوں سے حیام الجھ گئی تھی۔مزید سونے کا ارادہ ملتوی کر وہ اُٹھ گئی اور فریش ہونے کی نیت سے کمرے سے منسلکہ باتھ روم کی جانب چل دی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

ابھی وہ فریش ہو کر نکلی ہی تھی کہ موبائل فون بجنے کی آواز پر فوراً گھومی۔ایک نظر کمرے کے کھلے دروازے کو دیکھا اور فوراً بھاگ کر دروازے کو بند کر لاک لگایا۔ موبائل اُٹھاتے ہی جو نام سامنے جگمگاتا نظر آیا، وہ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"اسلام و علیکم!!"

دوسری جانب سے سلام کا جواب دیا گیا اور جواب کے فوراً بعد حیام محترمہ کے شکوے، شکایات شروع ہو گئیں۔

"بے فکر رہو، میں جا رہا ہوں تو یہ مت سمجھنا کہ تمہیں بھول جاؤں گا۔تمہارا بھائی تمہاری ہر خبر رکھے گا۔۔۔ایسا میں نہیں کہہ رہی، مجھے کوئی کہہ کر گیا تھا لیکن خیر اب

مجھے فرق نہیں پڑتا کہ کسے میری فکر ہے اور کسے نہیں۔"

وہ چلتی ہوئی ڈریسنگ تک آئی اور آئینے میں خود کو دیکھنے لگی۔ سفید شلوار قمیض اوڑھے، جس کا دوپٹہ فلحال بیڈ کی زینت بنا ہوا تھا، گیلے بال کھلے ہوئے تھے۔ اُن سے بہتا پانی قطرہ قطرہ اُس کی قمیض کے بازو بکھور رہا تھا۔ رنگت پہلے سے کچھ کملا گئی تھی یا شاید اُسے ایسا لگا تھا۔ صحت میں تو خاصا فرق آیا تھا۔

تمہیں اگر یہ لگتا ہے کہ میں بے خبر ہوں تم سے تو بہت غلط لگتا ہے۔ تمہارے ایک "

"ایک قدم پڑنے کی خبر مجھ تک اُڑ کر آجاتی ہے۔

فون کے دوسری طرف موجود اُس کے پیارے بھائی بازل کی بات سن وہ ایک مرتبہ پھر مسکرائی۔

"جیسے کہ؟"

"جیسے کہ یہ کہ کب کب تم کچھ کرنے کی ٹھان لیتی ہو تو سامنے مخالفین کو دھمکی دینا نہیں بھولتی ہو، اور کب پھر تم اپنا کہا کر گزرتی ہو، کھلی ہوا میں سانس لینا ہو یا پھر اپنوں کو یاد کر چپکے سے رونا ہو، تمہارے بھائی کو تمہاری ہر خبر مل جاتی ہے۔"

وہ حیران ہوئی، آئینے میں نظر آتے اپنے عکس سے نظر چرا کر رخ پھیر گئی۔اب وہ ڈریسنگ سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔اُس کے لیے یہ جاننا مشکل تھا کہ وہ اس کے یہ سب کرنے پر اسے طنز کر رہا تھا یا محض اپنے باخبر ہونے کی دلیل دے رہا تھا۔

اُسے اس بات کی سب سے زیادہ حیرانی تھی کہ شاہ میر اُس کی ہر حرکت کا اتنے دھیان سے مشاہدہ کرتا تھا۔ہاں وہی، اُس کے سوا تھا ہی کون جو شہر میں اُس کی خیریت سے سب کو آگاہ کرتا۔وہ تو جب سے یہاں آئی تھی ایک آدھ مرتبہ کے سوا نہ کبھی کسی سے موبائل پر بات کی تھی اور نہ کسی کی کال پک کرتی۔وہ تو آج بازل سے بھی اتنے عرصے میں پہلی مرتبہ یوں موبائل فون پر بات کر رہی تھی۔

"غلط کیا نا میں نے؟"

وہ جیسے اس بات پر یقین کرتی تھی لیکن اُس کی اناء کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ جُھک جاتی، سو کسی اپنے سے سننا چاہتی تھی۔

"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

سامنے بھی اُس کا بھائی تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی پیاری بہن دوسروں کے خیالات کی معذور ہو جائے۔

"میرا دل؟"

وہ خلا میں گھورتی سوال کر رہی تھی۔

"ہاں، تمہارا دل، میری گڑیا کا پیارا اور نرم دل، کیا کہتا ہے؟"

"وہ کہتا ہے کہ تم غلط ہو، تم نے بہت غلط کیا۔اپنی ضد میں تم نے دوسروں کی عزت پر بہت بے دردی سے وار کیے ہیں۔ تم اپنی محرومیوں کا مداوا کسی اور کو محرومیاں دے کر حاصل کرنا چاہتی ہو اور۔۔۔"

وہ خاموش ہو گئی۔اُس کی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"اور؟"

اور یہ کہ تم پیچھے نہ ہٹیں تو خود کو تو کھو چکی ہو، ساتھ ساتھ کچھ اپنوں کو بھی کھو دو گی۔"

"تمہیں معلوم ہے نا کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟"

حیام نے بازل کا سوال سن ہاں میں سر ہلایا جیسے کہ وہ سامنے موجود ہو۔

"لیکن مجھ سے نہیں ہو گا، میں کیسے کروں گی بھائی؟"

"تم سب کر سکتی ہو، مجھے یقین ہے تم پر۔۔۔"

"ہاں، میں کر لوں گی۔ مجھے بس کچھ وقت لگے گا مگر میں کر لوں گی۔"

"اب تم پوچھو کہ بھائی کیوں کال کی ہے آپ نے؟"

بازل اب اصل موضوع پر آیا۔

"کیوں کی ہے؟"

"اجازت مانگنے کے لیے۔۔۔۔"

"کس چیز کی اجازت؟"

آخر ایک بھائی کو اپنی بہن سے کس چیز کی اجازت مانگنی پڑ گئی تھی۔

نکاح ہے میرا آج۔ ایسا میں نہیں، باقی سب کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو جب تک یہ بات تم "نہیں کہو گی میں مانوں گا ہی نہیں۔"

حیام کا دل بھاری ہونے لگا۔ اُس کے بھائی کی زندگی کا اتنا اہم دن تھا اور وہ بے خبر تھی یا اُسے رکھا گیا تھا۔

"نکاح؟ کس کے ساتھ؟"

"پریشے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پریشے رحمان۔"

بازل کو آج معلوم ہوا تھا کہ جب بولنے کو آپ بہت کچھ بولنا چاہیں لیکن دو حرف آپ سے بولنا دو بھر ہو جائیں تو کیا ہوتا ہے۔ کیسا لگتا ہے؟

"اجازت مجھ سے مت مانگیں۔ میں کون ہوتی ہوں آپ کو اجازت دینے والی؟ ۔۔۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔۔۔میں بہت خوش ہوں آپ کے لیے۔ میری ساری دعائیں آپ دونوں کے ساتھ ہیں۔"

وہ مسکرا رہی تھی لیکن دل اداس تھا۔

"تم سچ میں خوش ہو؟ میں تمھیں لینے۔۔۔۔۔"

حیام نے اُس کی بات کاٹی۔

"میں نہیں آسکتی۔ آپ مت آیئے گا۔"

کتنی ہی دیر دونوں طرف خاموشی کا راج رہا۔

"میں چلتی ہوں۔ میرا خیال ہے مجھے کوئی بلا رہا ہے۔ پھر بات ہو گی۔"

بازل کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر اُس نے کال کاٹ دی۔

"آہ!!!! پریشے۔۔۔۔۔۔

You are a fortunate woman!"

(تم ایک خوش قسمت عورت ہو!)

وہ اپنے بھائی کے لیے خوش تھی۔ پریشے بہت اچھی لڑکی تھی لیکن دل کے کہیں بہت اندر، کسی کونے میں بازل کی خوشیوں میں شامل نہ ہونے کا دکھ اُسے اداس کر رہا تھا، بہت اداس، بہت زیادہ۔

وہ اپنی ہتھیلیاں تخت پر ٹکائے، بالوں کو سیدھا باندھے، ڈوپٹہ اوڑھے اماں بیگم کی نشست پر بیٹھی تھی۔ آج اماں بیگم اپنے کمرے میں ہی تھیں۔ سورج کی دھوپ برآمدے میں پھیلی ہوئی تھی۔ پسینے کی چند ننھی بوندیں اُس کے چہرے پر پھسلتی اُس کے دامن میں گر کے جذب ہو جاتیں لیکن وہ وہاں سے اُٹھ نہیں رہی تھی۔ مناہل برآمدے کا پردہ اُٹھا آئی۔ کچھ دیر اُسے دیکھتی رہی اور پھر آکر اُس کے برابر بیٹھ گئی۔

حیام نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟ بہت گرمی ہے یہاں۔"

"ہمم!! بس ایسے ہی دل چاہ رہا تھا۔"

"گرمی میں بیٹھنے کا؟"

"نہیں، یہ دیکھنے کا کہ اذیت میں ہوں تو کیسا لگتا ہے؟"

"مطلب؟"

حیام نے اُسے چہرہ موڑ کر دیکھا۔وہ ساتھ بیٹھی معصوم لڑکی اتنی چھوٹی نہ تھی کہ ان آسان الفاظوں کی گہرائیاں نہ سمجھ سکتی لیکن اس حویلی نے اُسے باقی تمام عام لڑکیوں سا ہونے ہی نہ دیا تھا۔اُس کی معصومیت اس حویلی نے محفوظ کرلی تھی اور دیکھا جائے تو اچھا ہی تھا۔

"مطلب یہ کہ تم یہ بتاؤ کس کلاس میں ہو؟"

حیام نے بات بدل لی۔

"میرا میٹرک ختم ہو گیا ہے، آج سے دو سال پہلے۔۔۔"

"آگے نہیں پڑھو گی؟"

ایک اور سوال کیا گیا۔حیام کو وہ جتنی چھوٹی لگتی تھی وہ اتنی تھی نہیں۔

"نہیں،اماں کہتی ہیں اتنا پڑھ لینا کافی ہے۔یہ پڑھائی اس دنیا میں رہ جانی ہے۔اپنے لیے

کچھ کرنا چاہتی ہو تو اللہ کا علم حاصل کرو۔اُس سے بہتر تعلیم کسی انسان کے لیے کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔لیکن۔۔۔۔"

"لیکن؟"

"میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔مجھے معلوم ہے کہ میرے ایک مرتبہ کہنے پر شاہ میر بھائی میرا ایڈمیشن کروادیں گے لیکن اماں بھی تو ٹھیک ہی کہتی ہیں۔"

"تمہاری عمر کیا ہے؟"

"سترہ۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام ہنس دی۔

"کیا ہوا؟ کیوں ہنس رہی ہیں؟"

"مجھے لگا تھا کہ تم دس یا بارہ سال کی ہو شاید لیکن تم تو ماشاءاللہ بہت بڑی ہو گئی ہو۔"

جی،الحمداللہ!! میں بڑی ہوں لیکن مجھے سب بچی سمجھتے ہیں اور باتیں شئیر بھی نہیں کرتے۔"

"مثلاً،کون نہیں کرتا؟"

"منال آپی اور کرن آپی بھی، وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتی ہیں لیکن مجھے نہیں بتاتیں۔ ہر مرتبہ ایک ہی جواب ملتا ہے کہ تم ابھی چھوٹی پری ہو۔"

وہ منہ بنائے جواب دیتی حیام کو بہت پیاری لگ رہی تھی اور اُس سترہ سالہ لڑکی کا قد بھی کچھ چھوٹا تھا جس سے اُس کی عمر کا چھوٹا لگنا ایک عام بات تھی۔

تم فکر نہیں کرو، میں ڈانٹوں گی دونوں کو اس بات پر۔ اب سے کوئی بات تم سے چھپا"
"کر نہیں کی جائے گی۔

حیام کے جواب پر وہ ہنس دی اور کھڑی ہو کر جس کام کے لیے آئی تھی وہ بتانے لگی۔

"اُف میں تو بھول ہی گئی۔ وہ منال آپی آپ کو بلا رہی تھیں۔"

"تم جاؤ، میں آ رہی ہوں۔"

مناہل سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی جبکہ وہ مزید پندرہ منٹ وہیں دھوپ میں بیٹھی رہی۔ جب گرمی مزید بڑھتی محسوس ہوئی تو فوراً سے وہاں سے اُٹھ کر اندر کو چل دی۔

وہ اپنے بیٹے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ اُس کی تمام ضرورت کا سامان شاہ میر لیتا آیا تھا سو اُسے مشکل نہ ہوئی لیکن یہ سب اُس کے لیے نیا تھا۔ وہ جب بھوک سے روتا تو وہ سمجھتی

کہ اُسے کوئی اور چیز پریشان کر رہی ہے اور جب وہ کسی اور وجہ سے روپڑتا تو وہ سمجھتی کہ اُسے بھوک ہے۔ لیکن ایک بات جو سچ تھی وہ یہ کہ چاہے سے اُسے ابھی اپنا بچہ سنبھالنا نہیں آتا تھا لیکن وہ بچہ اپنی ماں کی آغوش میں آسکون پا گیا تھا۔اُس کم عمر، کچے ذہن کے وجود کو نہیں یاد تھا کہ وہ اب تک کس کے ساتھ رہا تھا۔ کمرے کے دروازے پر دستک دے منال کے والد عمران بخاری اندر آئے۔ وہ اپنے بیٹے کو بیڈ کے ایک طرف لٹاتی ڈوپٹہ سر پر پھیلائے کھڑی ہوئی۔

"ابا۔۔۔!!"

عمران صاحب نے آکر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔اُن کی نظریں اپنے نواسے پر تھیں۔ وہ ہو بہو اُن کی بیٹی سا تھا۔

"بالکل تم پر گیا ہے۔"

منال کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

"آپ پکڑیں گے نہیں اسے ؟"

"پکڑوں گا، کیوں نہیں پکڑوں گا؟"

آگے بڑھ کر اُس چھوٹے سے وجود کو اُٹھا کر وہیں بیڈ پر بیٹھ گئے۔وہ چھوٹا بچہ اتنا چھوٹا بھی نہیں تھا لیکن کمزوری کے تحت وہ آسانی سے کسی کی بھی بانہوں میں سما جاتا تھا۔

"کیا نام ہے اس کا؟"

اس سوال پر وہ اپنے باپ کو تکنے لگی۔کچھ دیر پہلے جو مسکراہٹ تھی وہ کہیں کھو گئی۔

"کتنی بد قسمت ماں ہوں نا میں ابا کہ مجھے اپنے بیٹے کا نام تک نہیں معلوم۔۔۔۔"

وہ کچھ دیر اپنی بیٹی کو دیکھتے رہے جو کہ اب اپنے بچے کو دیکھ رہی تھی۔اُس کی آنکھوں میں محبت ہی محبت تھی۔

"تم بہت خوش قسمت ہو۔تم سچ میں خوش قسمت ہو جو تمہاری اولاد تمہارے پاس ہے۔کچھ بد قسمت مائیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اپنی ساری زندگی اولاد سے دور،اُن کی تلاش میں گزار دیتی ہیں۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں ابا۔"

ایک آنسو کا قطرہ اُس کی پلکوں سے ہوتے ہوئے رخسار پر بہہ گیا۔

"پھر بتاؤ،کیا نام رکھو گی اس کا؟"

وہ مسکرا کر اپنی بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔

"ابھی سوچا نہیں۔آج سوچ لوں گی تو کل آپ کو بتادوں گی۔"

وہ واپس سے مسکرانے لگی تھی۔اب کے دروازے پر دستک دے حیام اندر آئی اور عمران بخاری کو وہاں دیکھ اُس کے قدم تھمے۔سر پر پھیلا یا ڈوپٹہ مزید پھیلا یا۔اُس میں یہ بہتری آگئی تھی کہ اب وہ حویلی میں سارا دن بھی گھومتی تو ڈوپٹہ اُس کے سر کی زینت بنا رہتا۔

"اسلام و علیکم!!!میں بعد میں آتی ہوں۔"

سلام کرتی وہ منال کو کہہ باہر نکلنے لگی تھی جب عمران صاحب بول اُٹھے۔

"وعلیکم السلام!!آجاؤ بیٹا،میں جا ہی رہا تھا۔"

منال کو اُس کا بیٹا واپس پکڑا کر وہ چل کر حیام تک آئے،اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔اُن کے جاتے ہی حیام کی اٹکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں۔

"یہ تمہارے بابا تھے؟"

حیام جب سے یہاں رہ رہی تھی،کب کسی مرد سے ملی تھی سوائے شاہ میر۔۔۔زبانی کلامی نام ضرور سنے تھے لیکن ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ہاں، میرے ابا۔۔۔۔"

منال دروازے کو دیکھتی مسکرا کر بولی۔

"اچھا، کیوں بلایا ہے تم نے؟"

"ادھر آؤ۔۔۔۔"

منال نے اُسے اپنے پاس بلایا۔

منال کے بلانے پر وہ چلتی ہوئی اُس تک آئی اور وہیں بیٹھ گئی۔اب وہ منال کی گود میں موجود بچے کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا اسے پکڑ سکتی ہوں؟"

سوال کیا گیا۔

"ہاں، پکڑو۔۔۔"

حیام نے بہت احتیاط سے وہ بچہ منال سے لے کر اپنی آغوش میں بھر لیا۔

"کتنا پیارا ہے یہ؟ ہو بہو تم سا ہے۔"

منال مسکرا دی۔کل سے ہر کوئی اُسے یہی سب کہہ رہا تھا۔

"ہاں، بہت پیارا ہے ماشاءاللہ! ! اچھا بتاؤ کیا نام رکھوں میں اس کا؟"

"میں؟ میں کیا بتاؤں گی۔ تم بتاؤ، تم ماں ہو اس کی۔ تمہارا حق ہے اس پر۔"

"تم بھی تو اس کی آنی لگتی ہو۔ ماں کے بعد دوسرا حق ماں کی بہن کا ہوتا ہے۔"

منال کے کہے پر وہ مسکرا دی۔ آنکھوں میں آنسو لیے اپنی گود میں موجود وجود کے چھوٹے سے ہاتھ تھام کر چومے۔

"شاہ ویر بخاری۔۔۔۔"

اُس کے ماتھے کو چومتی وہ اُس کا نام تجویز کر گئی۔

"بہت پیارا ہے۔"

منال نے مسکرا کر اُس کے دیئے نام کا مان رکھا۔

"یہ بھی تو بہت پیارا ہے، آنی کا پیارا بیٹا۔"

اب کے حیام اُس بچے کو ہاتھوں میں جھلاتی بول رہی تھی جو کہ اُٹھ چکا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں کسمساتا وہ ادھر اُدھر تکنے میں مصروف تھا، شاید چہروں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس کا نام بالکل شاہ میر بھائی سے ملتا ہے۔ بولنے میں بھی اور مطلب میں بھی۔"

منال نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ہمم!! معلوم ہے، اسی لیے تو یہ نام دیا ہے۔"

"تو اب ناموں میں چھپے معنوں کو سمجھنے لگی ہو؟"

منال نے سوال کیا۔

"نہیں، اب چہرے پڑھنے لگی ہوں۔ اسے دیکھ رہی ہوں تو لگ رہا ہے کہ یہ شاہ میر بھائی کا پر تو نکلے گا، بالکل اُن سا۔ چال بھی ایسی چلے گا کہ ہر دیکھنے والے کا دل عزت کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"اور تم کیوں چاہتی ہو کہ یہ ایسا بنے؟ یا پھر شاہ میر بھائی سا؟"

شاہ زادہ ہے یہ اور شاہ زادوں پر یہی جچتا ہے کہ اُن کی شخصیت سازی یوں کی جائے کہ "ہر ایک کا دل اُن کے احترام میں جھک جائے۔"

منال کو چپ دیکھ وہ ایک مرتبہ پھر بولی۔ اُس کی گود میں موجود شاہ ویر اب اُس کے ڈوپٹے سے کھیل رہا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"یہی کہ مجھے اُن کے پاس جانا چاہیے یا نہیں؟"

"چلی جاؤ۔ ہم سب اپنی اپنی اناء میں بے بنیاد جنگیں لڑ رہے تھے۔"

وہ اُسی کی کہی بات دہرا رہی تھی۔

"تو کیا مطلب؟ اب تمہاری کوئی جنگ نہیں ہے اُن سے؟"

حیام نے چہرہ موڑ لیا۔

"نہیں، میری تمام فوج اُسی دن شکست کا سامنا کر چکی جس دن اُن کے سامنے بیٹھ کر آنکھ سے آنکھ ملا کر اپنی حقیقت جانی ہوں۔ میری اب کسی سے کوئی جنگ نہیں سوائے اپنے۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ شاہ ویر کو ایک طرف بٹھاتی دروازے تک چلی گئی جب منال نے اُسے روکا۔

"سنو حیام، جب کوئی جھگڑا رہا ہی نہیں تو شہر والوں سے کیا ناراضگی ہے؟ میری مانو تو کر لو بات، اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے اور تمہارے ہاتھ صرف پچھتاوے رہ جائیں۔"

حیام کا دل ایک مرتبہ ڈوب کر ابھرا۔

"شاید اب میں چاہتی ہوں کہ پچھتاوے سمیٹ لیے جائیں۔"

اُسے دیکھے بنا جواب دیتی وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔

وہ آج پھر سج سنور کر بیٹھی تھی لیکن بس فرق اتنا تھا کہ اس مرتبہ وہ کسی اور کی نسبت سے سجی تھی۔لال رنگ کا لہنگا اوڑھے وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھی۔وہاں اُس کی بہن،ماں اور خالہ موجود تھیں۔شاید اُس کے نکاح کا وقت ہوا جاتا تھا۔اُس کا بھائی مولوی صاحب کے ساتھ چلتا ہوا اندر آیا۔وہ لوگ اُس سے کچھ فاصلے پر بیٹھے نکاح کے القابات دہرا رہے تھے۔اُس نے نہیں سنا تھا کہ کیا پوچھا جا رہا ہے،اُس نے بس اپنی سماعت میں کہیں دور بازل حسن کا نام سنا تھا۔چہرے کے سامنے بازل حسن کا مسکراتا چہرہ پل بھر کو اپنی جھلک دکھا کر غائب ہو گیا۔وہ ابھی تک اس طلسم سے باہر نہ آئی تھی۔شاید اُس سے اجازت مانگی جا رہی تھی۔کسی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دباؤ ڈالا،اُس نے چہرہ اُٹھا کر دیکھنا چاہا تو اُس کا بھائی سعد اُس کے پاس کھڑا تھا۔سماعت میں بازل کا کہا جملہ گونجا۔۔۔۔۔

(شادی کرو گی مجھ سے؟)

بس اگلے ایک لمحے کی دیر تھی،اُس نے تین بول بول کر خود کو بازل حسن کے نام کر دیا۔شاید یہی اُس کی قسمت تھی اور اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے یہی راستہ طے تھا۔ خدا کے ہر کام میں مصلحت ہی رہی ہو گی۔اُسے اپنی ماں کی بے اعتنائی کا دکھ بھی تھا۔کیا ایسے بھی کبھی کوئی لڑکی دلہن بنی تھی، جیسے وہ؟

بازل کی حالت بھی اُس سے جدا نہ تھی۔اُس کی کیفیت بھی اُس سی ہی تھی۔وہ وہاں موجود ہو کر بھی وہاں موجود نہ تھا،اُس کا دل تو گاؤں پر جاتی پگڈنڈیوں پر ڈول رہا تھا تو کبھی حویلی کی دہلیز پر کسی اپنے بہت قریبی رشتے کے دور ہونے پر مچلتا۔

مشعل نے اُسے اکیلا نہ چھوڑا تھا،وہ لمحہ بہ لمحہ اُس کے بازو سے چپک کر بیٹھی رہی۔اگر اس وقت وہاں حیام موجود ہوتی تو شاید یہ کام وہ سرانجام دے رہی ہوتی،شاید بھی کیا یقیناً۔بازل سے بھی نکاح کے بول پڑھ اجازت وصول کر لی گئی تھی۔نکاح ہو چکا تھا۔ خوشی کا موقع تھا لیکن اپنوں کی غیر موجودگی کا دکھ زیادہ بڑا تھا۔حیام موجود نہ تھی، اُس کے جان سے پیارے چچا جان اور چچی بھی تو نہ شامل ہوئیں تھیں۔ایسا نہ تھا کہ وہ اس کے لیے خوش نہ تھے بلکہ وجہ یہ تھی کہ اپنی بیٹی کی ذات پر اُٹھی انگلیوں کا دکھ زیادہ تھا۔وہ بہت دیر سے جانا تھا جو کچھ ہو چکا تھا ورنہ بازل حسن کو کون نہ جانتا تھا۔ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ لوگ اُس کی بہن پر انگلی اُٹھاتے اور وہ اینٹ سے اینٹ نہ بجا دیتا۔ لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ بھول گیا تھا۔اُسے سب یاد تھا اور سب یاد رہنا تھا جب تک کہ حساب برابر نہ ہو جائے۔

وہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس بیڈ کی ٹیک سے کمر ٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں مونڈے وہ فون پر چلتی ہوئی کوئی غزل سن رہا تھا۔ غزل کے بول مدھم آواز میں گنگناتے ماحول میں انتشار برپا کر رہے تھے۔

قصے میری الفت کے جو مرقوم ہیں سارے
آ دیکھ تیرے نام سے موسوم ہیں سارے

بس اسی لیے ہر کام ادھورا ہی پڑا ہے
خادم بھی میری قوم کے مخدوم ہیں سارے

اب کون میرے پاؤں کی زنجیر کو کھولے
حاکم میری بستی کے بھی محکوم ہیں سارے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شاید یہ ظرف ہے کہ خاموش ہوں اب تک

ورنہ تو تیرے عیب بھی معلوم ہیں سارے

ہر جرم میری ذات سے منسوب ہے محسن

کیا میرے سوا شہر میں معصوم ہیں سارے

(محسن نقوی)

وہ لوگ ابھی ابھی نکاح سے فارغ ہو منال کو رخصت کرا اپنے ساتھ لیے گھر واپس آئے تھے۔وہ کسی بھی رسم کے لیے نہیں رکا تھا،سیدھا چلتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔آج کا دن کتنا بھاری تھا۔گنتی کے چند گھر کے لوگ، گنتی کے چند رشتوں کی موجودگی بھی کیسے اُس کو کھا رہی تھی۔ہر ایک کی نظر میں جیسے اُسی ایک معصوم صورت لڑکی کا نام بطورِ الزام دکھ رہا تھا،سنائی دے رہا تھا۔وہاں موجود ہر ایک کی زبان اُسی ایک نام پر نشتر

چلانے کی خواہش مند تھی لیکن ابھی ایسا وقت نہ آیا تھا اور نہ کبھی آنا تھا کہ جب آرز حسن محفل میں موجود ہوتا اور کوئی حیام بخاری کے کردار پر انگلی اُٹھا جاتا۔

گزرے ہوئے کل میں جو کچھ ہوا تھا، جو ہو چکا تھا، وہ اپنے حواسوں میں نہ تھا لیکن آرز حسن نے آج خود سے یہ وعدہ کیا تھا کہ حیام کے خلاف بولنے والی ہر زبان وہ کاٹ دے گا۔ چاہے سے سامنے اُس کا کوئی اپنا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔۔

منظر پر چلتی غزل اپنے اختتام کو آتی مکمل ختم ہو گئی۔ کچھ دیر وہ یونہی آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا۔ پھر اُٹھ کر وضو کی نیت سے باتھ روم کی جانب چل دیا۔ اب اُسے سکون کی ضرورت تھی جو کہ یہاں اس دنیا میں ملنا ناممکن تھا سوائے کہ وہ اپنے خدا سے ہمکلام ہوتا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ دلہن بنے، سر جھکائے بازل حسن کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اُس کا ذہن مختلف سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ وہ کتنی مرتبہ اُسے باور کروا چکا تھا کہ وہ اپنی بہن کے لیے ایک غلط لفظ برداشت نہ کرے گا۔ وہ یہ بھی بتا چکا تھا کہ اپنی بہن کے خلاف بولنے والی ہر زبان، ہر انگلی توڑ دے گا۔ وہ اُس کے لیے پوری دنیا کے خلاف اکیلا مرد بھی ہو تو کھڑا ہو سکتا تھا۔ نجانے اب اس سب کے بعد اُس کا ردِ عمل کیا ہو گا؟ وہ آنے والے وقت

سے ڈر رہی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں اتنا الجھی ہوئی تھی کہ یہ بھی نہ جان سکی کہ وہ دروازہ ناک کرتے اندر آ کر اُس کے قریب، اُس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔ وہ کب سے اُسے دیکھ رہا تھا جو وہاں ہو کر بھی وہاں نہ تھی۔

"اسلام و علیکم!!"

وہ بازل کی آواز پر واپس حواسوں میں لوٹی۔

"وعلیکم السلام!!"

اُس کے چہرے پر چھائے اندیشوں کو وہ جانچ چکا تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو؟"

وہ مسکرا رہا تھا۔ پری نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ کیا وہ سچ میں نارمل تھا یا دکھاوا کر رہا تھا۔

"انسان شکریہ ہی کر دیتا ہے بیگم۔"

اُس کا شرارتی لہجہ پریشے کے دل میں اطمینان کی ایک پر سکون آبشار بہا گیا۔

"شکریہ۔۔۔۔۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اب وہ موضوع پر آ رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔۔"

"تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ میں تمہارا چہرہ پڑھ سکتا ہوں۔"

پریشے کا ہاتھ تھام اُس نے چوما۔

"جب پڑھ لیتے ہیں تو پوچھ کیوں رہے ہیں؟"

اُس نے اپنا ہاتھ بازل کی مضبوط گرفت سے آزاد کروانا چاہا لیکن نہ کروا سکی۔ چہرہ روہانسا ہو گیا۔

"ایسے کرو گی تو میں چلا جاؤں گا۔۔۔۔"

"امی نے جو کچھ بھی کہا؟ آپ خفا ہیں نا مجھ سے؟"

لہجہ روہانسا ضرور تھا لیکن چہرے پر ڈر عیاں تھا۔

"میں کیوں خفا ہوں گا؟ اور اس سب میں تمہارا قصور کیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں۔۔۔"

وہ رفتہ رفتہ اُس کے تمام ڈر زائل کر رہا تھا۔

"میں نہیں چاہتی تھی کہ حیام کا نام کسی بھی معاملے میں۔۔۔۔"

بازل نے اُس کی بات کاٹی۔

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔بس اتنا یاد رکھنا پریشے کہ میری دونوں بہنیں مجھے بہت عزیز ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ تمہارے لیے بھی بالکل ویسی ہیں جیسے کہ میرے لیے یا پھر اس گھر کے تمام لوگوں کے لیے۔وہ میرے دل میں بستی ہیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اب تم بھی۔۔۔۔۔"

بازل نے ایک لمحہ رُک کر اُس کا ہاتھ اپنے دھڑکتے ہوئے دل کے عین مقام پر رکھا اور بولا۔

"یہاں رہتی ہو، یہاں بستی ہو اور میں نہیں چاہتا کہ میرے دل میں بسنے والے تمام پیارے ایک دوسرے سے منہ موڑ لیں۔ورنہ نقصان کسی کا نہیں صرف میرا ہو گا۔"

وہ اگر سمجھا رہا تھا تو کتنا پیارا سمجھا تا تھا وہ شخص اور اگر مان سے کچھ مانگ رہا تھا تو پریشے رحمان دل و جان سے اپنا سب کچھ اُس پر لٹانے کو تیار ہو گئی تھی۔

"مشعل اور۔۔۔۔۔۔حیام دونوں مجھے بہت عزیز ہیں۔آپ فکر نہ کریں۔"

پریشے کے دل میں اُس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔جو شخص اپنے رشتوں سے اس قدر وفادار تھا، وہ اپنی ہمسفر سے وفا نبھائے گا تو کیا نبھائے گا؟ اُسے خود پر رشک آنے

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لگا۔

"میں جو اتنا فضول سا شخص لگتا ہوں ناسب کو۔۔۔"

وہ پریشے کو دیکھ کر ہنسا، پریشے کا ہاتھ اب بھی اُس کے مضبوط ہاتھوں میں مقید تھا۔

"میں بالکل بھی عام شوہروں کی طرح تم سے پیار، محبت کی باتیں نہیں کر سکتا۔ نہ ہی تمہارے حسن پر قصیدے پڑھ سکتا ہوں، یہ دونوں کام ہم اپنے بڑھاپے کے لیے سنبھال لیتے ہیں۔۔۔۔"

پریشے ہنس دی۔

"آخر اس سے تو اچھا ہی ہے کہ باقی بوڑھے میاں بیویوں کی طرح لڑنے سے بہتر ہی ہو گا کہ آخری سانس تک ایک دوسرے کی محبت میں قید رہیں۔ میں آج کے دن چاہوں گا کہ تمہارے ساتھ پہلے عشاء کی نماز ادا کروں اور پھر شکرانے کے نوافل، کیونکہ۔۔۔"

وہ تھوڑا آگے کو جھکا تو وہ پیچھے ہوئی۔ چہرہ لال سرخ ہوا جا رہا تھا شاید ہنسنے کی بدولت یا پھر شرم و حیاء کے رنگ۔ شرارت سے اُس کا ناک دباتا وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں جنت میں اکیلا نہیں جانا چاہتا۔ پھر سے وہی بات، ایسا نہیں کہ میں رہ نہیں سکوں گا۔ اکیلے جنت میں حوروں کو لیے کیا ہی مزے آئیں گے لیکن کیا ہے نا کہ اب تم سے نکاح کیا ہے تو اکیلا جاتا اچھا تھوڑی لگوں گا۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ تمہیں بھی ساتھ لے چلوں، دعائیں ہی دو گی تم گنہگار عورت۔۔۔۔۔۔۔"

پریشے نے اُسے گھور کر دیکھا تو وہ ہنستا ہوا باتھ روم میں وضو کی غرض سے چل پڑا۔ اُس کے جاتے ہی وہ بھی مسکرائی۔ اُٹھ کر کمرے میں موجود آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے عکس کو دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ وہ کتنی خوش قسمت تھی۔ بیشک اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اور یہ سچ تھا کہ بازل سے اچھا ہمسفر اُس کے لیے کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ایک مرتبہ پھر بازل کی آواز اُسے واپس چونکا گئی۔

"آئینے میں کھڑی خود کو دیکھ کر بعد میں مسکرا لیجیے گا۔ بیگم صاحبہ!! کیا خیال ہے؟"

وہ مسکرا کر اپنی جویلری اتارنے لگی۔ وہ پرسکون ہو گئی تھی۔ وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ بازل کے ہمراہ اُس کی آنے والی زندگی بہت خوش آئندہ ثابت ہونے والی تھی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

اُن کی رخصتی ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ کا وقت ہو چکا تھا۔ سب اچھا تھا اور کیوں نہ ہوتا؟ وہ دونوں خوش تھے۔ گھر میں سب ٹھیک تھا۔ سب سے بڑھ کر حسن صاحب اور

مصطفیٰ صاحب کے تعلقات ایک مرتبہ پھر سے بحال ہو گئے تھے۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا تھا۔ وہ اپنی ماں سے ناراض تھی تو حق تھا اُس کا لیکن وہ ماں تھیں، اپنی جگہ تو وہ بھی ٹھیک تھیں اور رہی بات بازل کی تو وہ روز حیام کو کال کرتا، وہ اُٹھا بھی لیتی لیکن وہ اُس کے لیے پریشان تھا۔ حیام کا لہجہ اُس کے کہے الفاظوں کا ساتھ نہ دیتا تھا۔ وہ اپنی بہن کے لیے فکر مند تھا۔ اُس کی بے چینی پریشے اچھے سے نوٹ کر رہی تھی۔ اب بھی وہ باہر لان میں بیٹھا، موبائل ہاتھ میں پکڑے حیام کو بار بار کال ملا رہا تھا لیکن وہ تھی کہ اُٹھا ہی نہیں رہی تھی۔ گرما کی دھوپ ہلکی ہلکی پھیلی ہوئی تھی لیکن آج موسم اتنا گرم نہ تھا۔ دھوپ کے ہوتے بھی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ پریشے چائے کا کپ اُس کے سامنے رکھتی برابر میں رکھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"آپ گاؤں چلے جائیں۔۔۔"

"کیوں؟"

وہ اب اُسے دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے۔

اُس سے مل آئیں، سکون مل جائے گا۔ یہاں رہیں گے تو اُس کی فکر میں ہلکان رہیں گے۔"

وہ مسکرایا۔

"تم ساتھ چلو گی؟"

"میں ساتھ جا کر کیا کروں گی؟"

"کچھ بھی نہیں، بس میرے ساتھ رہنا۔۔۔۔"

پریشے مسکرا دی۔

"آپ اتنے دن میرے ساتھ گزار کر بور نہیں ہوئے؟"

وہ کھل کر ہنسا۔

"تم سے بور ہو سکتا ہوں؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اُسے محویت سے دیکھتا شاید دل میں اتار رہا تھا۔ پیچھے سے آتے آرزو اور مشعل نے پہلے اُن دونوں کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو، دوسرے لمحے ہنسی کا فوارہ چھوٹا۔ بازل اس اچانک افتاد پر بوکھلا کر انہیں تکنے لگا۔ پریشے اپنی جگہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"کیا ہو گیا ہے؟"

بازل نے اکتاہٹ سے دونوں کو تکتے ہوئے سوال کیا۔

"بور ہو گیا ہوں۔"

آرزنے کچھ دیر پہلے اُس کے کہے جملے کا مذاق اڑایا۔

"اففففف میں بھی۔۔۔۔"

مشعل بھی آرز کے ساتھ شرارت پر آمادہ تھی۔

"شرم کرو تم لوگوں کو کسی کی باتیں سننے کی عادت کب سے پڑ گئی ہے؟"

بازل نے سوال کیا۔

ہم کیوں شرم کریں بھئی، چھوٹے میاں!! شرم تو انہیں آنی چاہیے جو کھلے میں محبت "
"کی محفلیں سجائے بیٹھے ہیں۔۔۔

آرزنے بھرپور مقابلہ کیا۔

"آئے ہائے!! کیا زندگی ہے ہماری۔۔۔۔۔ شدید سنگل اور اوپر سے یہ شادی شدہ لوگوں نے دل جلانے میں کوئی کسر بھی نہ چھوڑی ہے۔ ہے ناپری بھابھی؟؟"

اب کہ مشعل نے اپنے رونے روتے ہوئے پریشے کو بھی ساتھ گھسیٹا۔

"مجھے ان باتوں میں بالکل بھی نہ شامل کرو، سمجھ آئی تمہیں؟؟"

پری نے آنکھیں دکھاتے ہوئے مشعل کو باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔

"اللہ! ! ایک تو چوری اور اوپر سے سینہ زوری۔ توبہ توبہ توبہ۔۔۔"

مشعل مصنوعی حیرانی کا مظاہرہ کرتی کانوں کو ہاتھ لگانے لگی جیسے کہ اُس سے شریف تو کوئی تھا ہی نہیں۔ وہ سب ہنسنے لگے۔

اس سے پہلے کہ کوئی مزید کچھ کہتا گھر کے اندرونی حصے سے نائلہ بخاری ہڑبڑاہٹ میں بھاگتی ہوئی آئیں، اُنکے چہرے کے رنگ اڑے ہوئے تھے زبان میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

"آ۔۔۔آرز۔۔۔۔با۔۔۔۔باز۔۔۔۔ل۔۔۔۔بھائی صاحب۔۔۔"

آرز نے فوراًاُٹھ کر انہیں اپنی جگہ بٹھایا اور انکے قدموں میں بیٹھتا انکے ہاتھ تھام بولنے لگا۔

"چچی جان! کیا ہوا ہے؟"

"آرز، حسن بھائی کی طبیعت بگڑ گئی ہے۔ جاؤ جلدی۔۔۔۔"

انہیں سن کر بازل اور آرز اندر کو بھاگے۔ مشعل بھی اندر جانا چاہتی تھی لیکن اُس کے قدم بھاری ہو گئے۔ وہ چاہ کر بھی قدم نہ اُٹھا پا رہی تھی۔ جبکہ پریشے وہ وہیں زمین پر نائلہ بیگم کے سامنے بیٹھتی اُن کو حوصلہ دینے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

وہ اس وقت حویلی کے باہری لان میں کرسی پر بیٹھی تھی۔آج پھر وہ باہر آنا چاہتی تھی، اُس کے اندر گھٹن بڑھتی جارہی تھی۔وہ کھل کر سانس لینا چاہتی تھی شاید اس لیے۔

آج اماں بیگم نے ایک مرتبہ بھی اُسے نہ ٹوکا تھا،نہ ہی آنکھ اُٹھا کر گھورا بلکہ صرف سر جھکائے بشیرا بی کو حیام کے کہے کی تکمیل کا حکم سنا دیا۔

وہ آج بھی اکیلی نہ تھی۔جب ایک مرتبہ پہلے وہ باہر آئی تھی تو سعدیہ اُس کے ساتھ تھی جبکہ آج شاہ میر اُس کے ساتھ تھا۔اُس کے ساتھ رکھی کرسی پر وہ بیٹھا، نگاہیں دور پھولوں سے سجے جھولے پر تھیں۔

"آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ مناہل کو حویلی سے پیچھے آبشار دکھانے لے جایا کرتے تھے؟"

حیام نے دیکھے بنا اُس سے سوال کیا۔

"ہممم!!"

"مجھے بھی لے جائیں گے؟ مجھے دیکھنی ہے وہ۔۔۔۔"

حیام نے چہرہ گھما کر اُسے دیکھا جو اُس کی یوں فرمائش پر اُسے تکنے لگا تھا۔

"ہاں،لے جاؤں گا۔۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"کب؟"

"جب کہو گی۔۔"

جیسا سوال تھا ویسا جواب تھا۔

"آج چلیں؟؟"

"آج نہیں، آج مجھے جانا ہے۔"

"کہاں؟"

"شہر۔۔۔"

"شہر۔۔۔"

حیام نے اُس کے کہے کو سر گوشی کے سے انداز میں دہرایا لیکن وہ سن چکا تھا۔

تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتاؤ مجھے، میں لیتا آؤں گا۔"

"نہیں، مجھے کسی چیز کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے، پھر چلتا ہوں میں۔"

وہ کھڑا ہو کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھتا جانے کے لیے مڑا۔ابھی دو قدم ہی چلے تھے کہ حیام نے اُسے روکا۔

"بھائی!! مجھے ایک سیاہ شال چاہیے ہے۔اگر ہو سکے تو لیتے آیئے گا۔"

وہ اُس کی فرمائش پر سر اثبات میں ہلاتا وہاں سے چلا گیا جبکہ وہ وہاں ابھی کچھ دیر مزید بیٹھنا چاہتی تھی۔

✾✾✾✾✾✾✾✾✾✾✾✾✾✾✾✾

حسن صاحب کو ہارٹ اٹیک آیا تھا۔یہ پہلی مرتبہ نہ تھا لیکن اس مرتبہ اُن کی حالت ہر مرتبہ سے زیادہ نازک تھی۔ڈاکٹرز اُن کو ٹریٹمنٹ جو دے سکتے تھے دے چکے تھے لیکن ابھی وہ خطرے سے باہر نہ تھے۔اُن کے مطابق کسی بات کی فکر ان کو ہلکان کیے ہوئے تھی اور جس کنڈیشن میں وہ تھے ان کے لیے ہر فکر سے آزادی ہی اُن کی زندگی بخش سکتی تھی۔

شاہ میر جو شہر میں کسی کام سے آیا تھا، حیام کی فرمائش پوری کر واپس گاؤں کے راستے پر جانے کو پر تول رہا تھا جب بازل نے اُسے حسن بخاری کی حالت سے آگاہ کر دیا۔وہ الٹے قدموں واپس ہاسپٹل گیا جہاں وہ سب گھر کے افراد موجود تھے۔ندا بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔نائلہ بیگم انہیں سنبھالنے کی ہر کوشش کر رہی تھیں۔مشعل کو پریشے نے

بہت مشکل سے سنبھالا۔ جبکہ بازل مصطفی صاحب کے ساتھ کھڑا تھا، وہ بیٹا تھا لیکن ساتھ کھڑا آدمی اپنے سگے بھائی کے لیے پریشان تھا۔ دونوں کو برابر حوصلے کی ضرورت تھی لیکن اس وقت دونوں مجبور تھے۔ آرز کب سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا، شاہ میر اُس کے ساتھ خاموش کھڑا لگاتار اُسے دیکھ رہا تھا۔

"تو فکر نہ کر وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔۔۔"

شاہ میر کے کہنے پر آرز نے چہرہ موڑ کر اُسے دیکھا۔

"پھر میرا دل کیوں یقین نہیں کر رہا؟"

NEW ERA MAGAZINE .com

آرز نے جس ضبط کے ساتھ وہ الفاظ ادا کیے تھے وہ صرف وہ جانتا تھا۔

"تیرا دل غلط سوچ رہا ہے، تو اللہ پر بھروسہ رکھ۔"

شاہ میر نے ایک مرتبہ پھر اُس کی ہمت بڑھانا چاہی۔

"اور اگر خدا مجھے کہے کہ انسان کی جتنی زندگی میں نے لکھی ہے وہ اتنی جیتا ہے، اس سے زیادہ وہ ایک سانس بھی مزید نہیں لے سکتا اور تمہارے۔۔۔۔"

وہ آگے کوئی لفظ بھی ادا نہ کر سکا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو جگمگانے لگے۔

سامنے موجود دروازہ جس کے دوسری طرف اُس کے والد زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے، وہ کھلا اور ایک نرس باہر آئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اندر کمرے سے مشینوں کی تیز آواز میں بجتی ٹون سنائی دی، وہ کسی خطرے کی علامت تھیں۔ وہاں موجود ہر شخص دل ہی دل میں ہر غلط اندیشے کو رد کرنے میں لگا ہوا تھا۔

"آپ سب میں سے آرز کون ہے؟ اور مصطفیٰ بھی؟"

باہر آنے والی نرس نے انہیں مخاطب کیا۔ آرز فوراً سے آگے بڑھا لیکن مصطفیٰ صاحب کے قدم انکاری تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں، میں ہوں۔۔"

آپ لوگوں سے پیشنٹ ملنا چاہتے ہیں۔ اندر آئیں، ان کی حالت کریٹیکل ہے لحاظہ "احتیاط کیجئے گا۔

آرز سر ہلاتا پیچھے مڑا۔ مصطفیٰ صاحب کو کاندھوں سے تھامتا اندر لے جانے لگا۔

"چلیں، چچا جان۔"

وہ دونوں اندر چلے گئے۔ اندر پہنچتے ہی دونوں کے قدم تھم گئے تھے۔ سامنے بستر پر موجود شخص کچھ ہی گھنٹوں میں مزید کمزور ہو گیا تھا۔ جگہ جگہ نالیاں لگیں تھیں۔ حسن

صاحب نے بامشکل ہاتھ کے اشارے سے انہیں قریب آنے کو کہا۔وہاں موجود ہاسپٹل کا اسٹاف مشینوں کا معائنہ کرنے میں مصروف تھے جس کی بجتی ٹون اب ہلکی ہو چکی تھی۔

آرزاور مصطفی صاحب چلتے ہوئے ان تک آئے۔مصطفی صاحب نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ تھامے۔آنسوؤں کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔

"آپ فکر نہ کریں میں ہوں نا۔آپ ٹھیک ہو جائیں گے،آرام کریں۔۔۔"

حسن صاحب نے نہ میں سر ہلاتے آرز کو دیکھا۔چہرے پر لگا آکسیجن ماسک اتارا اور بامشکل بولے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آ۔۔۔آرز۔۔"

"جی ابو!! میں یہیں ہوں۔"

"اپنی ماں۔۔۔ک۔۔۔کا۔۔۔خیا۔۔خیال رکھنا۔۔۔"

آرز کے آنسو تھم گئے۔اپنے باپ کے ہاتھ تھامتا بولا۔

"ابو۔۔۔"

"تم نے وعدہ۔۔کیا تھا۔۔۔مجھ سے۔۔۔"

"ابو چپ کر جائیں آرام کریں۔میں آپ کی ساری باتیں مانوں گا،ابھی نہ کریں۔"

"مصطفیٰ۔۔۔۔آرز۔۔۔نکاح۔۔۔۔کرنا ہے۔"

وہ اب بامشکل الفاظ ادا کر رہے تھے،اُن کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ساتھ لگی مشینوں کی آواز ایک مرتبہ پھر تیز ہو گئی۔

"ابو۔۔۔۔ابو چپ کر جائیں۔۔۔"

"حیام۔۔۔۔۔"

بس ایک یہ نام ادا کر ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ان کے الفاظ ختم ہو گئے۔ایک نرس نے دونوں کو زبردستی کمرے سے باہر نکالا۔

"کیا ہوا ہے ابو کو؟"

مشعل روتے ہوئے آرز کے بازو تھامتے اس سے سوال کر رہی تھی لیکن وہ وہاں نہ تھا۔اس کی نگاہوں کا رخ دروازے کی جانب تھا جہاں وہ اپنے سامنے اپنے باپ کو جاتے دیکھ کر آیا تھا،ایک آخری ملاقات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ندا بیگم نے اپنے بیٹے کو دیکھا۔اُس کے چہرے پر درد کی جو تحریر عیاں تھی وہ ہر پڑھنے والے کی روح فنا کر گئی۔کمرے سے آتی مشینوں کی آواز بند ہو چکی تھی۔اندر موجود

ایک ڈاکٹر باہر آیا۔اب کے آرز آگے نہ بڑھا تھا۔شاہ میر نے ہمت کر کے ڈاکٹر کو متوجہ کیا۔وہ اب آرز کے آگے ڈھال بن کر کھڑا تھا۔

"ڈاکٹر؟"

"ایم سوری!! ہم نے اپنی سی پوری کوشش کی لیکن جو خدا کو منظور۔۔۔۔"

شاہ میر کا کاندھا تھپتھپاتے وہ ڈاکٹر چلا گیا اور وہاں بیٹھے ہر فرد کی جان سچ میں فنا کر گیا۔

وہ لفظ ڈھونڈ رہا تھا لرزتے ہونٹوں سے

ضعیف باپ نے بیٹے سے بات کرنی تھی

(نامعلوم شاعر)

حسن بخاری کی وفات کی خبر حویلی کے در و دیوار ہلا گئی۔سب واقف تھے سوائے لڑکیوں کے۔حویلی کے مرد شہر کو چل نکلے تھے۔اماں بیگم کی حالت بہت بری تھی۔

اُن کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔اور اس سب سے حیام کو آگاہ نہ کیا گیا تھا۔خالدہ بیگم اور نفیسہ بیگم اس وقت اماں بیگم کے کمرے میں موجود تھیں۔

"اماں!! حیام کو آگاہ تو کرنا پڑے گا۔اُس کا حق بنتا ہے۔"

خالدہ بیگم نے اماں بیگم کے ہاتھ تھامے کہا۔

"اُس کو بھی بتا دیں گے،بتانا تو ہے ہی۔پہلے مجھے تو اپنا رونا رو لینے دے۔"

وہ روتے ہوئے جواب دے رہی تھیں۔

اماں!! مجھے لگتا ہے مزید انتظار نہیں کرنا چاہیے۔اُسے شہر کے لیے بھی نکلنا ہو گا ورنہ "دیر ہو جائے گی۔"

اس مرتبہ نفیسہ بیگم نے اپنی کہی۔

ہاں،شہر بھی تو جانا ہو گا اُسے۔سُن بشیر اسے کہہ کہ اُس کے ساتھ جائے۔یوں کرو "کہ تم دونوں بھی جاؤ شہر۔۔۔۔

"لیکن اماں! ہم کیسے جا سکتے ہیں؟"

نفیسہ بیگم نے ایک مرتبہ پھر سوال کیا۔

"ہاں،تم لوگ کیسے جا سکتے ہو؟ جا جا کر حیام کو بُلا کر لا۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"جی بہتر۔۔۔"

نفیسہ بیگم اُٹھ کر اُن کے حکم کی تکمیل کو چل پڑیں۔

حیام کو نجانے کیا سوجھی تھی جو اس وقت اپنے بابا کے کمرے میں چلی آئی۔دروازہ بند کیے وہ بیڈ کے ایک کونے پر بیٹھ گئی۔ہاتھ میں موبائل موجود تھا۔اُسے شدید گھبراہٹ ہو رہی تھی۔وہ چاہتی تھی کہ ایک مرتبہ شہر کال کرے،سب کی خیریت ہی پوچھ لے۔منال ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی اُسے لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی تھی۔ابھی اُس نے کوئی فیصلہ نہ کیا تھا کہ اُس کے ہاتھوں کی گرفت میں موجود اُس کا موبائل بجنے لگا۔سامنے سکرین پر اُس کی اماں کا نام جگمگا رہا تھا۔

"اماں!!کیسی ہیں آپ؟"

اپنی ماں سے بات کرتے اُس کی آواز رندھ گئی۔آنسو قطرہ قطرہ بہنے لگے لیکن جواب میں اُس کی اماں ایک لفظ نہ بولیں۔

"اماں!!آپ ٹھیک ہیں نا؟"

جواب ندارد۔کچھ لمحے وہ خاموش بیٹھی رہی جبکہ دوسری جانب سے مدھم سسکیوں کی

آوازیں اُس کا سکون غارت کر رہی تھیں۔ خیر سکون تو اُسے پہلے بھی کہاں نصیب تھا۔

"جب تم اس گھر سے جا رہی تھی تو مجھے تب ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ تم بدل جاؤ گی۔ تم میری حیام رہو گی ہی نہیں اور دیکھو تم وہ حیام ہو ہی نہیں جسے میں جانتی تھی۔ ماؤں کو اپنی اولاد کی طرف آنے والی ہر مصیبت کا اندازہ ہو جاتا ہے، کہیں بہت اندر ۔۔۔۔ مجھے بھی اندازہ تھا لیکن۔۔۔ لیکن میں اُسے نظرانداز کرتی رہی اور دیکھو تمہارے ساتھ کیا ہو گیا۔ پھر تمہیں جب آخری مرتبہ دیکھ رہی تھی گھر کی دہلیز پار کرتے تو دل میں یونہی ایک خیال آیا کہ ۔۔۔۔"

اُن کی سسکیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"کہ ۔۔۔؟ کیا اماں؟"

حیام بس ایک نقطے کو گھورتی سوال کر رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر آنسو اپنی چھاپ چھوڑ چکے تھے۔ اُس کی پلکیں گیلی تھیں۔ ہاں، لیکن آنسو تھم گئے تھے یا شاید مزید بہنے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔

"کہ تم بہت بدنصیب ہو میری بچی، کہ تم ایک دن خالی ہاتھ رہ جاؤ گی، تمہارے ہاتھ، تمہارا دامن تمہارے رشتوں سے محروم رہ جائے گا۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام کی آنکھوں سے مزید ایک آنسو بہا۔اُس کے دل میں خوف پیدا ہوا جو رفتہ رفتہ اُس کے پورے وجود کو دبوچ رہا تھا۔

"اماں! سب ٹھیک ہے نا؟ بابا؟"

اُسے اپنے بابا کی فکر تھی۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں۔اب وقت آگیا ہے حیام کہ تم آہستہ آہستہ اپنی مُٹھی ڈھیلی چھوڑ دو اور اُس میں قید تمہارے رشتے مٹی ہو جائیں کیونکہ ایک اپنے کو تم نے کھو دیا ہے آج۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام کے الفاظ انکاری تھے۔

"حیام۔۔۔!! تمہارے تایا۔۔۔جن کو تم اپنا باپ کہتی تھی، وہ تمہارے انتظار میں، تمہاری ایک پکار کی خواہش دل میں لیے مٹی ہو گئے ہیں۔تمہارا باپ تو ابھی زندہ ہے لیکن تم آج ہی یتیم ہو گئی ہو۔وہ تمہیں چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔۔۔"

حیام کو لگا اُس کا دل بند ہو گیا ہے، اگر نہیں تو ہو جائے گا۔

"آجاؤ حیام، یہاں سب کو تمہاری ضرورت ہے۔اب مزید دیر نہ کرو۔"

فون بند ہو چکا تھا لیکن حیام یوں ہی وہاں بیڈ پر بیٹھی تھی۔ فون کان سے لگائے، سامنے دیوار کو دیکھتی وہ ماضی میں کھو گئی۔

وہ شاید سات سال کی تھی، ہاں یقیناً وہ سات سال کی تھی۔ ابھی ایک دن پہلے ہی تو اُس کی ساتویں سالگرہ منائی گئی تھی۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں موجود اپنے تحفے کھول رہی تھی۔ ہر پانچ منٹ کے بعد وہ ایک تحفہ پکڑتی اور سوچتی کہ کھولوں یا نہیں؟ یا پھر کھولوں تو پہلے کون سا؟ وہ فیصلہ نہ کر پا رہی تھی۔ تنگ آ کر اُس نے تحفے کھول کر دیکھنے کا سلسلہ کچھ دیر ملتوی کرنے کا ارادہ کیا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اُس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر پڑے ایک کانچ کے ڈبے پر پڑی، جسے دیکھ وہ مسکرائی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کس کی طرف سے ہو سکتا تھا۔ کانچ کی لمبی سی ڈبیہ جس کی چوڑائی نسبتاً کم تھی یوں جیسے کہ کسی بریسلیٹ کا موجود تھا جس کے نام (Aster آسٹر) ڈبہ ہو اور اُس ڈبیہ میں قید گلابی رنگ پھول سے وہ واقف نہ تھی لیکن وہ بہت خوبصورت تھا۔ اُس نے وہ ڈبیہ بہت احتیاط سے کھولی اور پھول کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ وہ تمام پھول جو وہ دیکھ چکی تھی، یا جن کے متعلق وہ جانتی تھی وہ اُن سب سے بہت مختلف تھا۔ اُس گلابی پھول کی بے شمار پنکھڑیاں تھیں جو کہ بہت باریک تھیں۔ حیام اُسے چھونے سے بھی ڈر رہی تھی کہ کہیں وہ ٹوٹ ہی نہ جائے۔ مسکراتے ہوئے اُس نے وہ پھول واپس سے کانچ کی ڈبیہ میں بند کیا۔ ابھی وہ

اُسے دیکھتے سراہنے میں ہی مصروف تھی کہ اُس کے تایا اُس کے کمرے میں داخل ہوئے جنہیں دیکھ اُس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"تایا جان!! آپ اُدھر کیوں کھڑے ہیں؟ ادھر آئیں۔۔"

وہ مسکرا کر اُس کے پاس بیٹھے اور بولے۔

"پسند آیا تحفہ؟"

"ارے، ابھی دیکھا ہی کب ہے؟"

"کیوں نہیں دیکھا؟"

وہ اُس کا ماتھا چومے سوال کر گئے۔

"مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہی پہلے کون سا کھولوں؟"

اُس کے معصوم چہرے پر کسی مشکل کام کو کرنے کے تاثرات تھے۔

"یہ کون سا مشکل کام ہے؟ سب کھول لو لیکن پہلے میرا تحفہ۔۔۔"

وہ دونوں ہنس دیئے۔ حیام نے فوراً بھاگ کر حسن صاحب کا دیا تحفہ پکڑا اور واپس سے اُن کے قریب بیٹھ کر کھولنے لگی۔ تحفہ کھولنے کے بعد اندر موجود چیز دیکھ وہ مسکرا دی۔ اندر ایک بہت خوبصورت سا چاکلیٹ کا ڈبہ موجود تھا۔ وہ اسے ہر مرتبہ سالگرہ پر

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ڈھیر سارے کھلونے اور شاپنگ کرواتے لیکن ایک مخصوص چاکلیٹ کا ڈبہ لازماً دیتے۔ وہ میٹھا کھانے کی شوقین ہوا کرتی تھی۔ ہر مرتبہ وہ اُسے کوئی نئ چاکلیٹ منگوا کر دیتے۔ نجانے اب اُس کو میٹھا کیوں پسند نہیں تھا؟

"بہت شکریہ آپ کا۔۔۔۔"

وہ مسکرا رہی تھی۔اُس کی اسی مسکراہٹ پر وہ جان دیتے تھے۔ شاید اُن کی یہی بات آرز حسن نے اپنائی تھی۔ آہستہ آہستہ اُس نے تمام تحفے کھول لیے۔

"اب بتاؤ، سب سے اچھا تحفہ کون سا لگا؟ اور کس کا؟"

اور جواباً حیام نے سب قیمتی تحفوں کو ٹھکرا کر ایک پھول پر انگلی رکھ اُسے سب پر فوقیت دے دی۔

"یہ پھول؟ یہ کس نے دیا ہے؟"

جواب وہ جانتے تھے لیکن سننا چاہتے تھے۔

"آرز بھائی۔۔۔۔۔"

حد ہے بھائی، یہ تمہارے آرز بھائی ایک پھول دے کر نام کروا جاتے ہیں اور ہم اتنے" "قیمتی تحفوں کے بعد بھی کسی کام کے نہیں۔

وہ مصنوعی ناراضگی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

"ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کا تحفہ مجھے پسند نہ آئے بھلا؟"

جواباً حسن صاحب نے نہ میں سر ہلایا۔

بات یہ ہے کہ آپ سب مجھے وہ تحفے دیتے ہیں جو مجھے پسند ہیں یا پسند تھے اور وہ مجھے "

"وہ تحفہ دیتے ہیں جو مجھے ہمیشہ پسند رہیں گے۔

اور وہ سچ ہی تو کہتی تھی کہ اُسے پھولوں سے محبت ہے۔اُسے آج بھی پھولوں سے محبت تھی۔وہ واپس حال میں لوٹ چکی تھی۔

کچھ یادیں، کچھ باتیں ایسی ہوتیں ہیں جو انسان کے کچے ذہن میں پکی چھاپ چھوڑ جاتی ہیں۔یہ یادیں بھی اُن میں سے تھیں۔اُسے یاد آیا تھا کہ اُس سالگرہ کے بعد وہ ہمیشہ گھر آتے ہوئے اس کے لیے پھول لاتے۔حیام کے آنسو بہنے لگے۔رفتہ رفتہ اُس کے آنسوؤں میں شدت آتی گئی۔اُس کے آنسو کسی آبشار کی مانند اُس کا چہرہ بھگوتے جا رہے تھے۔اُس کے دل میں درد بھرتا جا رہا تھا۔اُس کمرے کی چار دیواری میں حیام بخاری کی سسکیوں میں شدت آتی جا رہی تھی۔اُسے یاد آیا تھا کہ وہ ماضی میں کھو کر بھی آرز حسن کو نہ بھول پائی تھی۔اُس کی ہر یاد آرز حسن سے جڑی تھی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک

کب، کیسے اور کیوں اُس کا اور آرز حسن کا رشتہ بدلتا رہا تھا، کبھی محبت میں گوندھا، کبھی فرضی نفرتوں اور ناپسندیدگی کی نظر تو کبھی شدید عشق کی چادر میں لپٹا۔۔۔۔

آرز حسن، ہاں آرز حسن، وہ کیسا ہو گا؟ اُس کی دنیا تو تباہ ہو گئی ہو گی؟ اُس کی دنیا اُجڑ گئی ہو گی۔ آہستہ آہستہ حسن بخاری کے نام سے جڑے تمام نام، تمام چہرے اُس کی نظر کے پردے پر چلنے لگے۔ وہ چیخ و پکار کرنے لگی۔ وہ کمرے کی تمام چیزیں اُٹھا اُٹھا کر پھینک رہی تھی۔

نفیسہ بیگم جو اُسے بلانے کی غرض سے اُس کے کمرے میں گئیں اور نہ پا کر واپس جانے لگیں تھیں وہاں سے گزرتے اُس کی دردناک آہوں کو سن کر جلدی سے اندر آئیں۔ وہ منظر دہلا دینے والا تھا۔ وہ اُسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن حیام بن پانی کے مچھلی کی طرح اُن کے ہاتھوں میں نہ آنے کی قسم کھا بیٹھی تھی شاید۔ اُس کی چیخیں پوری حویلی میں گونج رہی تھیں۔

منال، کرن، مناہل سب کمرے میں اکٹھے ہو گئے۔ نیچے خالدہ بیگم بھی اُس کو سُن اوپر آنے کو مچل رہی تھیں لیکن اماں بیگم کو اکیلے کیسے چھوڑ کر آتیں۔ اُس کے رونے میں جو درد تھا اماں بیگم کا دل پھٹنے کو تھا۔

"حیام۔۔۔۔!! حیام میرا بچہ۔۔۔۔"

نفیسہ بیگم نے اُسے جھنجھوڑتے ہوئے ساتھ لگانا چاہا لیکن وہ اُن کی پکڑ میں نہ آئی۔

منال نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھالنا چاہا۔اب کے سعدیہ بھی اوپر آگئی۔سب انجان کھڑے سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔مناہل سہمی کھڑی تھی۔

"حیام!! حیام مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

منال نے اُس کے گرد اپنی بانہوں کا گھیراؤ ڈال اُس پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ایک جانب سے نفیسہ بیگم نے اُس کو جکڑا۔حیام مسلسل روتی،تڑپتی ہوئی زمین پر بیٹھ گئی۔ خالدہ بیگم فوراً کمرے میں داخل ہوئیں۔شاید وہ اماں بیگم کو بشیر ابی کے ہمراہ چھوڑ کر آئیں تھیں۔اُس کے کرب کی تحریر ہر ایک کے لیے اذیت ناک تھی۔

"میرا بچہ۔۔۔"

خالدہ بیگم کی آواز سُن وہ اپنا آپ چھڑوا کر خالدہ بیگم کی طرف لپکی اور اُن کے سینے سے جا لگی۔

"بس میرا بچہ، صبر کرو۔جو اللہ کی مرضی اُس پر صبر کر لینا ہم انسانوں کے لیے بہتر ہوتا ہے۔جس نے جتنی زندگی اللہ پاک سے لکھوائی ہے وہ اتنی ہی جیتا ہے۔"

وہ اُسے پر سکون کرنے کی کوشش کر رہیں تھیں۔آہستہ آہستہ اُس کی سسکیاں مدھم

پڑنے لگیں لیکن آنسو جاری تھے۔نفیسہ بیگم باقی سب کو حسن صاحب کی وفات سے آگاہ کر چکیں تھیں۔سب دم سادھے کھڑے تھے۔

"چلو میرا بچہ،اُٹھو منہ دھو۔تمہیں جانا ہے شہر۔۔۔"

بس ایک لمحہ لگا تھا حیام کو پتھر ہونے میں۔اُس کے آنسو تھم گئے۔

"میں نہیں جاؤں گی شہر۔میں کیسے جاسکتی ہوں؟"

نہ میں سر ہلاتی وہ خالدہ بیگم سے الگ ہو گئی۔باہر گاڑی رکنے کی آواز نے سب کو ایک مرتبہ پھر خاموش ہونے پر مجبور کیا۔وہ تمام چپ چاپ اپنی اپنی جگہ پر کھڑی تھیں یوں جیسے کہ کسی طوفان کی آمد سے پہلے خاموشی کا راج ہوتا ہے۔شاید سب کے دلوں میں خوف نے جگہ بنائی تھی۔

ایک لمحہ۔۔۔۔۔

دو لمحے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چند سیکنڈز۔۔۔۔۔۔۔۔

چند منٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"حیام۔۔۔۔۔حیام۔۔۔۔۔!!"

حویلی کے اندر سے کوئی پوری طاقت کے زور پر حیام کے نام کی پکار لگا رہا تھا۔وہ آواز حویلی کے لیے نئ تھی لیکن حیام کے لیے نئ نہیں تھی۔حیام کی گردش کرتی دنیا تھم گئی،وقت رک گیا تھا۔وہ سنگدل آج اس حویلی میں خود چل کر آیا تھااور اُس کا نام پکار رہا تھا۔کیا یہ سچ تھا؟اور اگر سچ تھا تو یہ سچ کتنا جان لیوا تھا۔حیام بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔حویلی کی تمام عورتیں اُس کے پیچھے پیچھے بھاگیں۔حویلی میں کوئی نامحرم موجود تھا لیکن وہ لڑکی،اب سب کو عزیز تھی۔حیام بھاگتی ہوئی برآمدے کے ساتھ راہداری میں کھڑی ہوئی۔اُس سنگدل اوراس کے مابین محض پردوں کی رکاوٹ تھی، صرف اتناسافاصلہ تھا۔سب عورتیں اس کے پیچھے کھڑی تھیں۔اماں بیگم بھی باہر آوازیں سن آگئیں تھیں۔

"آرزِ۔۔۔۔۔۔میرے شہزادے۔۔۔۔۔۔۔"

لیکن اُس نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔وہ اُنہیں دیکھنے سے بھی کترا رہا تھا۔

"بشیر ابی!!حیام کو بلادیں۔۔۔۔"

شاہ میر نے اُسے کاندھوں سے پکڑ کر روکا۔

"ہوش میں آجا۔وہ آجاتی ہے،اُسے وقت دے۔۔۔۔"

"وقت ہی تو نہیں ہے دینے کے لیے۔حیام۔۔۔۔۔۔حیام۔۔۔۔۔"

وہ ایک مرتبہ پھر چیخ وپکار کرنے لگا۔اماں بیگم آنکھوں میں آنسو لیے اُسے تکے جا رہیں تھیں۔تمام عورتیں چہروں کو پردے میں چھپائے برآمدے میں نکل آئیں۔اب برآمدے میں سب موجود تھے سوائے حیام۔منال حیرت سے اُس دیوانے کو تک رہی تھی جو اپنے قابو میں بھی نہیں تھا۔

شاہ میر!!بلا اُسے ورنہ میں خود اُسے اُٹھا کر لے جاؤں گا۔تم لوگوں نے اُسے قید کر رکھا ہے۔یار تجھ سے مجھے ایسی امید نہیں تھی۔"

وہ الٹا شاہ میر کے سر چڑھ دوڑا۔حیام اُس کا سامنہ نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اب وہ مجبور تھی۔حیام نے سر پر ڈوپٹہ اوڑھا اور اُس کا ایک سرا اُٹھا کر چہرے کے سامنے کر چہرہ چھپایا۔آج حیام بخاری زندگی میں پہلی مرتبہ اپنا چہرہ چھپا لینا چاہتی تھی۔پردے کی اوٹ سے ہو کر وہ برآمدے میں نکلی۔اُس کے آتے ہی آرز نے بے حس و حرکت اُسے دیکھا اور دیکھتا رہا۔وہ اُسے اُس ڈوپٹے کے پیچھے بھی پہچان گیا تھا۔وہ آنکھیں تو اُسے ہر لمحہ،ہر پل یاد رہیں تھیں،وہ کیسے بھول سکتا تھا اُنہیں۔وہ اُسے چھ مہینوں،دو ہفتوں اور چار گھنٹوں کے بعد دیکھ رہا تھا۔اُسے سارا حساب یاد تھا۔

"حیام،چلو۔۔۔۔۔۔چلو میرے ساتھ یار۔۔۔۔۔"

آرز نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اُس کی جانب پھیلایا لیکن یہ کیا تھا؟ حیام نے دو قدم پیچھے کو لیے۔

"دور رہ کر بات کریں مجھ سے۔"

حیام کا لہجہ کاٹ دار تھا۔ آرز کے چہرے پر اضطراب نمایاں ہوا۔

"تم ڈر رہی ہو نا ان سب سے؟ تم مت ڈرو میں ہوں نا۔ ایک اکیلا آرز حسن ان سب پر بھاری ہو گا، یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔ چلو میرے ساتھ۔"

لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ میرا شہر، یا وہاں بسنے والے کسی فرد سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق اب اس گاؤں اور اس حویلی سے ہے۔ یہ سب میرے اپنے ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔ مجھے آپ کے والد کا بہت افسوس ہے۔ خدا اُن کی مغفرت کرے۔"

آج آرز حسن ڈر گیا تھا۔ وہ بدل گئی تھی۔ آرز حسن کو اس حیام بخاری سے محبت نہیں تھی، ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تمہارا اُس انسان سے کوئی تعلق نہیں جسے مرتے ہوئے بھی صرف تمہاری فکر تھی؟ جس کے آخری الفاظ تمہارا نام تھے۔ اُس انسان کے لیے تم یہ

سب کیسے کہہ سکتی ہو حیام جو تمہاری جدائی میں، تمہارے انتظار میں مر گیا؟ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ اُن کا دل بند ہو گیا تھا لیکن میں تمہیں سچ بتاتا ہوں انہیں تمہاری فکر کھا گئی۔"

وہ کتنا کڑوا سچ بولتا تھا۔ حیام جو نجانے کیسے ضبط کیے کھڑی تھی رو دینا چاہتی تھی لیکن نہ روئی۔ وہ ایک مرتبہ پھر بولنے لگا۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں لیکن ایک آنسو تک نہ بہا۔ شاید وہ مرد تھا اس لیے۔

"ٹھیک ہے مت جاؤ۔ تم یہیں رہو لیکن ایک بات دھیان سے سن لو اور اُسے حفظ کر لو، تمہیں مجھ سے شکایت تھی کہ میں پیچھے کیوں ہٹ گیا؟ دیکھو وقت گزر رہا ہے، گزر گیا ہے۔ آنے والے اگلے کسی بھی لمحے میں اب میں تمہارا گنہگار نہیں رہا، تمہارا مجرم نہیں رہا۔۔۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔۔۔۔اب تم میری مجرم ہو۔ آج، جس دن میرا باپ مرا ہے اُس دن میں، آرز حسن خود چل کر تمہارے پاس آیا ہوں اور تم۔۔۔۔۔؟ تم اب نہیں ہو یہاں۔ میں آرز حسن آج تمہیں ہر ان کہے رشتے سے آزاد کرتا ہوں حیام بخاری۔ تم آزاد ہو اب اور تمہیں تمہاری یہ آزادی بہت مبارک ہو۔"

وہاں برآمدے میں موجود ہر آنکھ اشک بار تھی سوائے ان دونوں کے۔ شاہ میر نے اپنی آنکھوں کے گوشے خشک کر آرز کے بازو تھامے جو اُس نے اگلے ہی لمحے آزاد کروا لیے۔

"اب تو اس کا وکیل بن کر مت آنا کیونکہ کچھ بچا ہی نہیں۔ آج میں ہر چیز سے بغیر ڈرے یہاں آیا تھا، نہ تو میں شہر میں سبھی میت دیکھ کر رکا اور نہ گاؤں میں لگی عدالت سے، آج کچھ بھی نہیں بچا یار۔۔۔۔"

شاہ میر نے اُسے تھاما۔

"آرز۔۔۔۔"

"اور تم حیام، تم نے جو سزا مجھے سنائی تھی؟ بد دعا دی تھی وہ دیکھو آج لگ گئی ہے اور قسمت کی ستم ظریفی کہ آج ہی تمہیں بھی سزا سنانے کا دن مقرر ہے۔"

حیام کی روح تک اُس کے الفاظ سن کانپ گئی۔ وہ اُسے روکنا چاہتی تھی لیکن نہیں روک سکی۔

"تم فکر نہیں کرو، بد دعا نہیں دوں گا تمہیں۔ بد دعا میں دعا آتی ہے تو توہین ہوتی ہے اس کی۔ میں تمہیں دعا دیتا ہوں کہ خدا کرے تمہیں کبھی دوبارہ آرز حسن کا چہرہ دیکھنا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تک نصیب نہ ہو۔"

حیام نے آنکھیں موندے وہ زہر نگلا تھا۔

"خدا کرے حیام بخاری کہ آرز حسن مر جائے اور تم اُس کا آخری چہرہ تک نہ دیکھ سکو۔ میں تمہیں ایک مرتبہ پھر اپنی محبت سے آزاد کرتا ہوں۔"

وہ کہہ کر جا رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے بھی اُس کا جانا محسوس کر سکتی تھی۔ اُس کی مہک حیام سے آج روٹھ کر جا رہی تھی۔ آج حیام بخاری نے قیامت دیکھی تھی۔ آج وہ مر گئی تھی۔ آج وہ آرز حسن کی جگہ تھی تو جانا تھا کہ وہ کتنی تکلیف میں تھا لیکن پھر بھی حیام بخاری نے جو اذیت سہی تھی اُس کا مداوا نہ کیا جا سکتا تھا۔ نہ آج اور نہ کل۔۔۔۔

میں دل پر جبر کروں گا تجھے بھلا دوں گا

مروں گا خود بھی تجھے بھی کڑی سزا دوں گا

یہ تیرگی مرے گھر کا ہی کیوں مقدر ہو

میں تیرے شہر کے سارے دیئے بجھا دوں گا

ہوا کا ہاتھ بٹاؤں گا ہر تباہی میں

ہرے شجر سے پرندے میں خود اڑا دوں گا

وفا کروں گا کسی سوگوار چہرے سے

پرانی قبر پہ کتبہ نیا سجا دوں گا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسی خیال میں گزری ہے شام درد اکثر

کہ درد حد سے بڑھے گا تو مسکرا دوں گا

تو آسمان کی صورت ہے گر پڑے گا کبھی

زمیں ہوں میں بھی مگر تجھ کو آسرا دوں گا

بڑھا رہی ہیں مرے دکھ نشانیاں تیری

میں تیرے خط تیری تصویر تک جلادوں گا

بہت دنوں سے مرا دل اداس ہے محسن

اس آئینے کو کوئی عکس اب نیا دوں گا

(محسن نقوی)

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُس کے جاتے ہی وہ زمین پر ڈھے گئی۔ شاہ میر بھی اُس کے پیچھے جا چکا تھا۔ ایک مرتبہ پھر وہاں صرف خواتین بچی تھیں۔ حیام ایک مرتبہ پھر رو دی تھی۔ اب کے اس کے رونے میں زیادہ درد تھا، زیادہ اذیت تھی، زیادہ کرب تھا۔ اب وہ صرف اپنے تایا کے لیے نہیں رو رہی تھی بلکہ اپنی محبت کی موت پر بھی رو رہی تھی۔ وہ وہاں شہر میں موجود نہ تھی لیکن دل کے بازار میں سرِ راہ دو دو میتیں سجی تھیں۔ منال نے اُسے اپنے ساتھ لگایا۔ وہ اُسے خاموش نہیں کروانا چاہتی تھی۔ حیام کے آنسو بہہ جانا ہی بہتر تھا۔

ورنہ ساری عمر کے روگ بہت برے ہوتے ہیں۔اماں بیگم چلتی ہوئیں اس تک آئیں اور وہیں اُس کے قریب زمین پر بیٹھ گئیں۔اُس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اُس نے چہرہ موڑ کر اُنہیں دیکھا۔آج وہ بھی رو رہیں تھیں۔

"تو چاہتی تھی نا کہ میں حویلی کے دروازے کھول دوں؟ جا آج میں کھول دیتی ہوں۔تو خوش ہو جا لیکن جا چلی جا شہر۔اُسے راضی کر لے ورنہ وہ کبھی نہیں مانے گا۔"

حیام نے انہیں غور سے دیکھا۔وہ آج اپنی تمام روایتیں، اپنے اصول توڑ رہیں تھیں۔آرزسچ ہی تو کہتا تھا کہ وہ اُس سے اتنی محبت کرتیں ہیں کہ اُسے اپنے سامنے دیکھ پگھل جائیں گی۔آج وہ ہوا کے جھونکوں کی مانند سامنے آیا تھا تو وہ مٹی ہو گئیں تھیں۔حیام کے آنسو تھم چکے تھے لیکن لہجہ اب بھی رُندھا ہوا تھا۔

"یہ بات آپ بھی جانتی ہیں کہ وہ اب کبھی نہیں مانے گا۔وہ جو مجھے دعا دے کر گیا ہے نا اماں؟ وہ خود بھی جانتا ہے کہ بددعا ہے وہ۔اب دیکھیے گا اُس کی بددعا میں جتنا مرضی بھاگ لوں میرا پیچھا کرتی رہے گی۔"

حیام کی سسکی اُبھری۔منال اُس کے کاندھے پر اپنا چہرہ ٹکائے رو رہی تھی۔

"آپ اُس سے کہیں کہ جاتے جاتے مجھے اپنی بددعا سے تو آزاد کرتا جاتا۔میں بہت غلط تھی۔آپ مجھے معاف کر دیں اماں، میں نے جو کچھ بھی کیا، مجھے معاف کر دیں۔آپ

کے دل سے بھی تو میرے لیے کوئی آہ نکلی ہو گی نا؟ دیکھیں وہی خدا کے عرش کو ہلا گئی اور میں سچ میں آج خالی ہاتھ رہ گئی ہوں۔"

حیام نے اپنے ہاتھ اُن کے سامنے پھیلائے۔

"یہ دیکھیں، میری دنیا اُجڑ گئی ہے۔ آپ کے شہزادے کو یہ کیوں نہیں معلوم ہوا کہ میں اپنے باپ کی شہزادی بھی تو آج یتیم ہوئی ہوں۔"

اماں بیگم ضبط سے اُسے سن رہیں تھیں۔ حیام کی آنکھیں رونے کے باعث سوجھ چکی تھیں۔ نفیسہ بیگم نے روتے ہوئے خالدہ بیگم کو دیکھا جو کہ آنے والی ملازمہ کے ہاتھوں منال کا بچہ تھام رہی تھیں۔ سعدیہ بھی رو رہی تھی۔ آج اُس کا درد سب کو رلا گیا تھا۔ حیام کا سر بھاری ہونے لگا۔ وہ اُٹھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن نہ اُٹھ سکی۔

منال نے اُسے تھام کر کھڑا کیا۔

مجھے کمرے میں جانا ہے۔ اُس کے کمرے میں لے جاؤ گی نا مجھے؟ اُسے میری "ضرورت ہے، وہ وہیں بستا ہے۔

وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

"میں لے چلتی ہوں، تم بس خاموش رہو۔"

وہ اور بھی کچھ بول رہی تھی لیکن اماں بیگم اُسے نہ سن سکیں۔ منال اُسے لے کر برآمدے سے چلی گئی تھی۔ اماں بیگم کو آج معلوم ہوا تھا کہ وہ جسے سب پاگل اور نادان کہتے تھے، وہی پاگل اپنی محبت میں بڑی سمجھدار نکلی تھی۔ وہ اس راستے پر بہت آگے نکل چکی تھی افسوس! کہ جس راستے پر وہ چل رہی تھی وہ راستہ سوائے تنہائی کے کچھ نہیں دیتا، کچھ بھی نہیں۔۔۔

منال اُسے اُس کے کمرے میں لے آئی۔ حیام کمرے میں آتے ہی چند قدم چل وسط میں آئی۔ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ منال اُس کی پشت کو تکے جا رہی تھی۔ سعدیہ بھی وہیں منال کے ساتھ آکر کھڑی ہوئی تو منال نے اُسے واپس بھیج دیا۔ آج وہ حیام کو مزید کسی کے سامنے ٹوٹتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کتنے ہی پل گزر گئے حیام ایک لفظ تک نہ بولی۔ کچھ دیر مزید گزری تو اُس کی سسکیاں ایک مرتبہ پھر گونجنے لگیں۔ حیام اپنا لکھا خط یاد کرنا چاہتی تھی۔ بار بار اپنے الفاظ اپنے ذہن میں دہراتی۔ اُس نے بھی کچھ ایسا ہی لکھا تھا جیسا آج وہ اس سے کہہ کر گیا تھا۔ اُس کا خط، اُس کے الفاظ اُس کی سماعت میں گونجنے لگے۔

(یہ بے وفائی کو بے وفائی کیوں کہتے ہیں؟ بے وفائی میں وفا آتی ہے تو وفا کرنے والے ہر محبوب کی تذلیل ہوتی ہے۔ تمہیں بے وفا نہیں کہوں گی۔)

ایک مرتبہ پھر سے اب کی بار کچھ ملتے جلتے الفاظ اُس کی سماعت میں بازگشت کرنے لگے لیکن وہ آواز اس کی نہ تھی بلکہ اُس سنگدل کی تھی۔

(بددعا نہیں دوں گا تمہیں۔ بددعا میں دعا آتی ہے تو توہین ہوتی ہے اس کی۔)

حیام نے اپنی بند آنکھیں وا کیں اور دیوانہ وار اُس کمرے کی ایک ایک دیوار، ایک ایک چیز کو ہاتھ لگا کر چھونے لگی جیسے کہ کہیں سے، کسی ایک جگہ پر ہی سہی شاید کہ اُسے اُس کی چھاپ مل جائے۔ وہ اُسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ وہ اُس کے ساتھ تھی لیکن شاید دیر ہو گئی تھی۔ منال اُس کے پاس وہیں موجود تھی لیکن ایک مرتبہ بھی اُسے نہ روکا تھا۔ وہ اُسے نہیں روکنا چاہتی تھی۔ وہ اُسے آزاد کرنا چاہتی تھی، ہر دکھ، ہر تکلیف سے۔ کچھ دیر کے بعد وہ تھک گئی تھی شاید یا پھر اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ جس کو وہاں ڈھونڈ رہی وہ جا چکا ہے تو چل کر منال کے سامنے آئی۔

"میں کچھ دیر اکیلے رہنا چاہتی ہوں۔"

کتنا بے رونق لہجہ تھا اُس کا۔ منال کا دل کٹ کر رہ گیا لیکن پھر بھی وہ اثبات میں سر ہلاتی چلی گئی۔ وہ اُس کے جانے کے بعد بھی وہیں کھڑی رہی۔ نجانے کتنی دیر ہو گئی

تھی، کتنا وقت گزر گیا تھا۔ جب دل کی کیفیت نہ بدلی تو کمرے کا دروازہ بند کر باہر راہداری میں نکل گئی۔ آج سیڑھیاں اُترتے وقت اُسے ڈر بالکل نہیں لگا تھا۔ آج وہ ماتم زدہ حویلی اُسے بالکل بھی ڈراؤنی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ برآمدے کے گرد راہداری عبور کرتے اماں بیگم کے کمرے تک آئی۔ اندر موجود لائیٹ جل رہی تھی۔ یقیناً وہ جاگ رہی تھیں۔ وہ دروازہ پورا کھولتی اندر آئی تو وہ بیڈ کی ٹیک سے لگیں بیٹھی تھیں شاید انہیں معلوم تھا کہ وہ آئے گی۔ اُن کے دیکھتے ہی وہ بولی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے اکیلے، میں یہاں سو جاؤں؟"

وہ معصوم صورت بنائے اجازت مانگ رہی تھی۔ اماں بیگم کو اُس پر ترس آیا۔

"آ جا، سو جا۔۔۔"

وہ دوسری طرف سے آتی بیڈ کی دوسری سائیڈ پر لیٹ گئی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کچھ سوچ کر وہ مزید آگر بڑھی اور تھوڑا کھسک کر اپنا سر اماں بیگم کی گود میں رکھ دیا۔ اُس کے ایسا کرتے ہی اماں بیگم کے چہرے پر ایک آسودہ مسکراہٹ اُبھری۔ وہ اپنا ہاتھ اُس کے سر پر رکھ گئیں۔ اُن کی انگلیوں کے پورے حیام کے بالوں میں حرکت کر رہے تھے۔ نجانے نیند کب اُن دونوں پر مہربان ہو گئی۔ اُن دونوں کو سکون کی شدید ضرورت تھی جبکہ شہر میں آج کی رات سب پر بہت بھاری تھی، بہت زیادہ۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

حیام زندگی میں پہلی مرتبہ فجر کے وقت اُٹھ بیٹھی۔ دیکھا تو اماں بیگم بھی جاگ رہی تھیں۔ وہ رات میں جس حالت میں بیٹھیں تھیں اب تک اسی حالت میں تھیں۔ اُسے شرمندگی نے آگھیرا۔ وہ اُس کی وجہ سے ساری رات تنگ رہیں تھیں۔

"آپ مجھے اُٹھا دیتیں۔۔۔"

"چل کوئی گل نئیں۔ تو سو جا میں زرا نماز پڑھ لوں۔"

"نہیں اماں، مجھے نماز پڑھنی ہے۔ وہ مجھے معاف کر دیں گے نا؟"

آنکھوں میں بے سکونی تھی۔

"کون کُڑیے؟"

"اللہ۔۔۔۔!!"

سرگوشی سی کی گئی۔

وہ تو ہر کسی کو معاف کر دیتا ہے پاگل۔ وہ تو اج وی تیرے دل میں ہے۔ تجھے صرف "آپ اُس تک چل کر جانا پڑے گا۔

"مجھے سکون بھی مل جائے گا نا؟"

ناں، سکون ایس فانی دنیا چے کسی کے پاس نہیں اور نہ ملے گا۔ سکون تو بس اُس کے"
پاس ہے۔"

کہتے ہوئے انہوں نے انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی۔

"آپ مجھے سیدزادی بننا سیکھا دیں گی نا؟"

آنکھوں میں شرمندگی سے آنسو چمکنے لگے۔

"وہ پاک ذات تجھے آپے ہی سیکھا دے گی۔"

اماں بیگم اُس کا ذہن پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"لیکن آپ مدد کریں گیں نا میری؟"

اماں بیگم نے جواباً محض مسکراتی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلاتے ہامی بھری۔ وہ روتے ہوئے ان کے سینے سے جالگی۔ دور فجر کی آذانیں شروع ہو گئیں تھیں۔

"چل اُٹھ جا اب۔ مجھے وضو کرنا ہے۔"

"میں بھی نماز پڑھ کر آتی ہوں۔"

آج حیام نے پہلی مرتبہ دل سے نماز پڑھی تھی۔ وہ اپنے اصل کو جاننا چاہتی تھی۔ وہ اپنے اصل کو لوٹنا چاہتی تھی۔ وہ خدا کو منانا چاہتی تھی تو ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ خدا منہ

موڑ لیتا؟ اُس پاک ذات نے اُس کو معاف کر دیا تھا۔ اُس کا واپس اپنے خدا کی طرف لوٹنا اُس کو معاف کر دیئے جانے کی نشانی تھا۔

☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘

اماں بیگم نماز ادا کر اب برآمدے میں بیٹھی تھیں۔ سورج ابھی مکمل کہاں نکلا تھا اور نہ ہی نکلنے کے آثار دکھ رہے تھے۔ موسم ابر آلود ہوئے جا رہا تھا۔ شاید کہ بارش ہونے کو تھی لیکن یہ بھلا کون سا موسم تھا بارش کا۔

حیام نماز ادا کر کے آئی اور اُن کے برابر میں جھولے پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ اگر اس کے بجائے کوئی اور ان کی اجازت کے بغیر بیٹھتا تو ضرور وہ کچھ کہتیں لیکن وہ حیام تھی۔ وہ اُسے کیونکر منع کر سکتی تھیں۔ وہ نجانے کیوں اُس کو لے کر بے بس تھیں۔ وہ چاہتیں بھی تو بھی اُس کے خلاف نہ جا سکتیں تھیں۔ ہوتے ہیں نا کچھ ایسے لوگ، کچھ ایسے رشتے۔۔۔۔

"ایک بات پوچھوں؟"

حیام نے آسمان کو دیکھتے بات کا آغاز کیا۔

"پوچھ۔۔۔۔"

وہ اُسے تک رہیں تھیں۔

"آپ منال سے ناراض ہیں؟"

اب کہ حیام انہیں دیکھ رہی تھی لیکن وہ آسمان کو۔

"نہیں، وہ ناراض ہے مجھ سے۔۔۔"

"نہیں، وہ نہیں ہے۔ وہ شرمندہ ہے۔ وہ آئے تو اُسے خود میں سمیٹ لیجیے گا۔"

"وہ آئے تو سہی۔۔۔۔۔۔"

اُن کے کہنے کی دیر تھی کہ منال برآمدے کا پردہ اُٹھا کر باہر آئی۔ اُس کے ہاتھ میں شاہ ویر تھا۔ اماں اُسے ہی دیکھ رہیں تھیں۔ وہ کچھ دیر اماں کو دیکھتی رہی اور پھر حیام کو۔ حیام کے ایک اشارے پر وہ چلتی ہوئی اُن تک آئی۔ حیام نے منال کے ہاتھ سے شاہ ویر لے لیا اور تھوڑا پیچھے کو کھسک گئی۔ منال مسکرا دی۔ وہ اُس کے لیے جگہ بنا رہی تھی۔ منال نم آنکھوں وہاں بیٹھی اور اماں کو دیکھتی بولنے لگی۔

"چاہے سے تھپڑ مار لیں، ڈانٹ لیں لیکن معاف کر دیں اماں۔"

اماں رو پڑیں تھیں۔ وہ اتنے سالوں بعد اُن سے ہمکلام تھی۔ اماں نے آگے بڑھ کر اُس کو خود میں سمیٹ لیا تھا۔ وہ کچھ دیر یوں ہی ایک دوسرے سے لپٹی روتی رہیں جب حیام

شاہ ویر سے کھیلتی بولنے لگی۔

"شاہ ویر!! تمہاری اماں بہت روندوں ہیں۔اُف تم ان پر مت جانا۔"

حیام کی بات پر منال اور اماں دونوں ہنسنے لگیں۔اماں بیگم نے ہاتھ آگے بڑھائے تو حیام نے شاہ ویر اُن کی گود میں ڈال دیا۔ماحول پر سکون تھا۔وہ تینوں خاموش جھولے پر بیٹھیں ایک دوسرے کی موجودگی کو جی رہیں تھیں جب اماں بیگم بول پڑیں۔

"تو شہر کیوں نہیں چلی جاتی؟"

حیام مسکرادی۔آنکھوں میں سوگ کے دیئے جل رہے تھے۔

"میں مسکرا رہی ہوں تو آپ دونوں یہ نہ سمجھیں کہ حالتِ جشن میں ہوں۔ابھی سوگ چل رہا تھا۔تین دن سوگ کرنے کا حق تو سب کو ہوتا ہے۔وہ تو کر لینے دیں۔"

وہ سرد آہ بھرتی آسمان تکنے لگی۔

"پھر بھی حیام؟"

منال نے اُسے دیکھتے سوال کیا۔وہ یوں بیٹھیں تھیں کہ اماں بیگم آدھے جھولے پر ٹیک لگا کر بیٹھیں تھیں جبکہ حیام اور منال بقیہ آدھے پر اُن کی جانب منہ کیے اپنی پیٹھ جھولے کے دائیں بازوں پر ٹکائے تھیں۔

"خود سوچو ناوہ شخص میرا سامنا کرنے سے ڈر رہا تھا کہ سامنے آئے گا تو میں اُسے مجرم کہہ کر سوال پوچھوں گی، گریبان پکڑوں گی اور دیکھو کہ میں تو زندہ تھی۔اب میری باری آئی ہے تو میں جس کی مجرم ہوں وہ اب اس دنیا میں نہیں، میں کیسے جاتی منال؟؟ میں کیسے دیکھتی انہیں؟۔۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔۔یہ جانتے ہوئے کہ یہ آخری مرتبہ ہے۔اور اگر وہ یہ خاموش سوال مجھ سے پوچھ لیتے کہ حیام جو تمہیں اتنی محبت دی ہے بچپن سے آج تک، تم اُس کا صلہ نہ دے سکی تو کیا کہتی میں؟؟ اگر جو وہ یہی پوچھ لیتے کہ تم جس شخص کو اپنا باپ کہتی تھی اُس کی بیٹی نہ بن سکی تو کیا کہتی میں؟ اور وہ جو پھر سزا سنا دیتے کہ جاؤ حیام بخاری میں تمہیں روزِ محشر اپنی محبت نہیں بخشوں گا تو کیا کہتی میں؟ کیا کرتی میں؟"

وہ پھر سے رونے لگی تھی۔لیکن ایک طرح سے اچھا ہی تھا وہ غبار نکال رہی تھی۔اماں بیگم نے ایک ہاتھ سے شاہ ویر کو تھاما ہوا تھا جو اُن کی چادر سے کھیل رہا تھا جبکہ ایک ہاتھ سے وہ حیام کا ہاتھ تھپتھپا رہیں تھیں۔منال بھی اُس کا بازو سہلا رہی تھی۔

ٹھیک اُسی وقت شہر میں فجر کے وقت نماز ادا کر حسن صاحب کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی تھی۔اُن کا جنازہ اُٹھاتے ہوئے اُن کی بیٹی، اُن کی بیوی، اُن کے تمام رشتے پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھے۔بخاری ہاؤس پر قیامت اُتری تھی۔آرزحسن نے خود اپنے

باپ کو منوں مٹی تلے دفنایا۔وہ کتنی دیر اپنے باپ کی قبر پر بیٹھا اُن سے باتیں کرتا رہا جو کچھ فاصلے پر کھڑا شاہ میر نہ سن سکا تھا۔آج کی تاریخ میں حیام اور آرزنے اپنے راستے الگ کر لیے تھے لیکن یہ بات تو صرف خدا جانتا تھا کہ کیا خبر اُن دو مختلف سمتوں کی طرف جاتے راستوں کی منزل ایک تھی یا نہیں؟

منال اور حیام کا یوں صبح سویرے اماں بیگم کے ساتھ بیٹھنا اور ایک دوسرے سے مسکرا کر باتیں کرنا حویلی کے باقی افراد کے لیے ایک حیرت کن اور خوشگوار اتفاق تھا۔وہ کہاں اُن تینوں کو یوں ایک ساتھ بیٹھے دیکھنے کے عادی تھے۔اس وقت خالدہ بیگم اور نفیسہ بیگم،اماں بیگم کے ساتھ چائے کا مزہ لے رہیں تھیں۔اُن تینوں خواتین کا ناشتہ بس چائے سے شروع ہوتا اور وہیں پر اُس کا اختتام بھی ہو جاتا۔ابھی فجر ہوئے مشکل سے ایک گھنٹہ ہوا تھا۔کچھ دیر پہلے جو موسم مینہ برسانے کی چغلی کھا رہا تھا اب ویسا کچھ بھی نہ تھا۔برآمدے سے اوپر دکھتے کھلے آسمان سے سورج چمکتا نظر آرہا تھا۔حویلی کا برآمدہ سورج کی مدھم روشنی سے روشن تھا۔لیکن اس گرمی کے موسم میں بھی صبح کی دھوپ نجانے کیوں بھلی لگ رہی تھی۔

"جاؤ،تم دونوں بھی ناشتہ کر لو۔باقی لڑکیاں بھی اب آتی ہوں گی۔"

خالدہ بیگم کے کہنے پر منال نے حیام کو دیکھتے جواب دیا۔

"میں تو کر لوں گی لیکن یہ حیام محترمہ، کب کہاں کچھ کھاتی ہیں ناشتے کے نام پر؟"

وہ اتنے عرصے سے وہاں رہتی آئی تھی لیکن مجال تھی کہ کسی کو یہ بات معلوم ہوتی۔

"اب ایسے مت دیکھیں مجھے، ٹھیک ہے آپ کے ہر مرتبہ پوچھنے پر میں کہتی تھی کہ ہاں کر لیا ناشتہ لیکن یہ بھی تو دیکھیں نا کہ جھوٹ آپ کا دل نہ دُکھے اس لیے بولا۔ اب آپ کو منہ بھر کر کہہ دیتی کہ مجھ سے نہیں کیے جاتے یہ دیسی گھی میں نچڑتے پراٹھے یا پھر چائے، تو برا لگتا نا؟"

خالدہ بیگم کو دیکھتے جواب دیتی حیام نے ساتھ بیٹھی منال کو زور سے مکا مارا۔

"مجھے کیوں مار رہی ہو؟ میں نے تو سچ بتایا ہے یار۔۔۔"

"تو کچھ اور مانگ لیتا ہے انسان اُف!! حیام، مجھے سچ میں افسوس ہو رہا ہے کہ تم اتنے مہینوں سے یہاں ہو اور ہم سچ میں تمہارا دھیان نہ رکھ سکے۔"

خالدہ بیگم کو سچ میں افسوس نے آ گھیرا۔

"ارے، مجھے ویسے بھی ناشتہ کرنا پسند نہیں ہے اور یہاں تو ویسے بھی دوپہر کا کھانا جلدی ہو جاتا ہے سو ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی کبھی۔ اب ایسا کریں گی تو میں سچ

میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔۔۔۔۔۔"

"اے خالدہ!!ایک کام کر۔ چھوٹے شاہ کے کمرے سے وہ نری کالی شے بنانے کی جو مشین ہے،وہ لا کر باورچی خانے میں رکھوادے اس کے لیے۔"

کافی کی اس عظیم بد تعریفی پر حیام کا تو منہ ہی کھل گیا جبکہ منال چہرہ جھکائے ہنس دی۔

اماں! دیکھیں آج یہ بات طے کر لیں، اگر دوبارہ آپ نے میری پیاری کافی کی شان" "میں یوں تعریف کی نا تو یہاں دنگل ہو جائے گا۔

اُس کی بات پر اماں بیگم مسکرادیں۔

"تُو تو انسانوں والا ناشتہ کر لیا کر، میں کچھ نہ بولوں گی۔"

"مجھ سے نہیں کھائے جاتے وہ پراٹھے۔"

رونی صورت بناتی وہ منال کو بہت پیاری لگ رہی تھی۔

ٹھیک ہے، کچھ اور کر لیا کریں گے ہم دونوں ناشتہ۔ کیا کرو گی؟ چلو بتاؤ، ابھی بنواتی"

"ہوں۔

"سپینش آملیٹ اور ساتھ گرم گرم کافی۔"

منال اُس کا منہ تکنے لگی۔

"سنو!!اوقات میں رہ کر بات کرو۔کافی تک تو ٹھیک ہے،وہ سعدیہ بنانا سیکھ لے گی لیکن یہ انگریزوں کی ایجاد کردہ آملیٹ یہاں کسی کو بنانا نہیں آتا۔خاصا سادہ ناشتہ کرنے کے عادی ہیں مرالہ کے لوگ۔۔۔"

"اماں!!دیکھ لیں اب اس سے زیادہ میں کمپرومائز نہیں کر سکتی۔"

خالدہ بیگم اور نفیسہ بیگم اب اُٹھ کے جا چکیں تھیں۔وہاں صرف وہ تینوں ہی موجود تھیں۔

"اچھا،ایک کام کر تو بنانا سیکھا دے بشیرا کو۔وہ بنا دیا کرے گی۔"

"اماں!!مجھے تو روز کچھ نیا کھانے کا دل چاہ پڑتا ہے۔"

وہ نظریں آسمان پر ٹِکاتی اُنہیں پاگل کر رہی تھی۔یا تو وہ سچ میں ایسی ہی تھی یا جان بوجھ کر کرنے پر تلی تھی۔

اور ویسے بھی میں نے سُنا تھا کہ یہاں تین وقت کا کھانا پینا باہر بن کر پورے گاؤں میں "بٹتا ہے۔ایسا کرتے ہیں رہنے دیتے ہیں۔"

وہ منال کو اشارے سے اُٹھنے کا کہتی وہاں سے اُٹھ گئی۔

"رک جا بی بی!! میری گل غور سے سُن۔ تجھے جو جو یہ عجیب وغریب چیزیں چاہیے ہیں نا باورچی خانے کے لیے؟ وہ لکھ کر دے دے بشیرا کو، سب منگوا دیتی ہوں۔ کل سے دونوں خود بنا لینا۔ اندر کا باورچی خانہ چھوٹے موٹے کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اب ایسی بھی بات نہیں کہ دن میں چار دفعہ چائے بنے تو چاروں مرتبہ باہر تیل جھونک آگ لگا کر پتیلے چڑھائے جائیں۔"

اُن کی باتیں سُن وہ مسکرا دی۔

"اچھا، ٹھیک ہے۔ لیکن ہاں، کافی پیوں گی میں۔۔۔"

وہ کہتی ہوئی جانے کو پلٹی جب منال کی بات اُسے رکنے پر مجبور کر گئی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کافی پاگل لوگ پیا کرتے ہیں۔"

دور کہیں سماعت میں کبھی بہت پہلے آرزحسن کا کہا جملہ گونجا۔۔۔

"میں چائے میں ہی خوش ہوں۔ محترمہ! یہ کافی تو پاگل لوگ پیتے ہیں۔"

وہ اداس مسکراہٹ مسکرا دی۔ پیچھے مڑ کر منال کو دیکھا جو زمین پر کھیلتے شاہ ویر کو گود میں اُٹھا رہی تھی۔

"اچھا سنو، کل سے میں چائے پیوں گی۔ اب خوش؟"

وہ اُس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنی سُنا کر برآمدے سے چلی گئی جبکہ پیچھے منال اور اماں بیگم اُس کے اس فیصلے پر ایک دوسرے کو تکتی رہ گئیں۔

وہ اس وقت اپنی ماں کے سامنے بیٹھا تھا۔اُس کی ماں اور اُس کے درمیان کھانے سے سجی ٹرے پڑی تھی۔وہ کب سے خاموش اُنہیں تکنے میں مصروف تھا۔

"امی!! بس کر دیں، کچھ کھا لیں۔کتنا روئیں گی آپ؟"

اپنی ماں کے ہاتھ پکڑتا وہ فکر مندی سے اُنہیں خاموش کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ خاموش نہ ہوئیں تو وہ ایک مرتبہ پھر بولنے لگا۔

"امی آپ ایسے کریں گی تو دیکھیں مجھے، میں کمزور پڑ جاؤں گا۔ابو جانتی ہیں کہ مجھے کیا کہہ کر گئے ہیں؟ وہ کہہ رہے تھے آرزا اپنی ماں کا خیال رکھنا۔آپ ایسے روتی رہیں گی تو وہ اس دنیا کو چھوڑ کر جو گئے ہیں، وہاں دوسری دنیا میں بھی کہاں چین سے جی سکیں گے؟ آپ ایسا چاہتی ہیں کیا کہ وہ وہاں بھی آپ کے لیے پریشان رہیں؟؟"

آرز کی بات پر ندا بیگم نے اپنے آنسو پونچھے اور نہ میں سر ہلانے لگیں۔ایک رات نے اُنہیں تھکا دیا تھا۔ابھی تو نجانے ایسی کتنی ہی راتیں اُنہیں تنہا گزارنی تھیں۔

"امی میں اور بازل تو خود کو سنبھال لیں گے لیکن مشعل، وہ بہت چھوٹی ہے۔اُسے آپ کو سنبھالنا پڑے گا۔میں اُسے اکیلا نہیں سنبھال سکتا۔"

وہ کتنا مجبور، کتنا بے بس تھا۔باپ مر جانے سے بیٹے کیسے یکدم زمہ داریوں کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔

"تم فکر نہیں کرو۔اب نہیں روئیں میں۔میں اپنے بچوں کو کیسے پریشان کر سکتی ہوں؟ آرز، میں نہیں کر سکتی۔میں نہیں چاہتی کہ حسن مجھ سے ناراض رہیں وہاں۔کسی ایک کے جانے سے زندگی کہاں رکتی ہے۔مجھے بھی جینا ہے اپنے بچوں کے لیے۔۔۔"

وہ ایک مرتبہ پھر رودیں تھیں۔وہ اپنی جگہ ٹھیک تھیں۔اُنہوں نے اپنے شوہر کو کھویا تھا۔اُن کے دکھ،اُن کی تکلیف کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔آرز بھیگی آنکھوں سے کھانے کو ایک سائیڈ کرتا اپنی ماں سے لپٹ گیا۔وہ رودینا چاہتا تھا لیکن نہیں رو سکتا تھا۔ پہلے اُس کا باپ زندہ تھا تو وہ رو لیتا تھا۔اب جب خود باپ کی جگہ بیٹھا تھا تو رونا چاہتا تو بھی نہیں رو سکتا تھا۔

چند لمحے وہ اپنے بیٹے کے سینے سے لگیں روتی رہیں۔جب آنسو مزید بہنا رک گئے تو اُس سے الگ ہوتیں، آنکھوں کے گوشے خشک کرتیں اُس سے پوچھنے لگیں۔

"وہ نہیں آئی؟ وہ نہیں آئے گی نا؟"

ندا بیگم کے اس سوال پر آرز نے اپنی ماں کو دیکھا۔

"وہ آجائے گی۔ آپ اُس کو چھوڑیں، کھانا کھائیں۔"

ایک مرتبہ پھر وہ کھانے کی ٹرے اُن کے سامنے رکھتا اُن کے لیے پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔

"مطلب وہ نہیں آئے گی۔ مجھے جھوٹے دلاسے مت دو آرز۔"

لہجہ پھر سے رندھ گیا تھا۔

میں گیا تھا امی اُسے لینے لیکن شاید آپ کے بیٹے کی جانب سے دی گئی تکلیف ابو کو کھو"
"دینے سے زیادہ بڑھ کر ہے کہ وہ آ تک نہ سکی۔

روٹی کا لقمہ بنا اُس نے اپنی ماں کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ندا بیگم اُس کے ہاتھ میں موجود نوالے کو تکنے لگیں۔ ہاتھ بڑھا کر اُس کے ہاتھ سے نوالہ پکڑ آرز کے آگے کیا۔

"تم ناراض ہو کر آئے ہو؟ اُس سے کبھی ناراض نہ ہونا۔ تم ناراض ہو گے تو تمہارے ابو کو تکلیف ہو گی۔ دیکھو، میں بھی ناراض نہیں ہوں۔"

ایک آنسو اُن کی پلکوں کی حدود سے باہر بہہ نکلا۔

میں اُس سے ناراض ہو ہی نہیں سکتا امی۔ میں دل کے ہاتھوں بہت مجبور ہوں، بہت "

"زیادہ مجبور۔

اپنی ماں کا ہاتھ تھام اُس نے لقمہ لیا۔

"تمہارے ابو کی آخری خواہش۔۔۔۔۔"

آرز نے اُن کی بات کاٹ اُنہیں پھر سے کھانا کھلانے کو ہاتھ بڑھایا۔ اب کے ندا بیگم نے کھالیا۔

"ابھی اُن سب باتوں کو بھول جائیں۔ ان باتوں کا وقت نہیں ہے امی۔ ابھی صرف آپ کھانا کھائیں۔ پھر مجھے مشعل کو بھی دیکھنا ہے۔"

شاید وہ ٹھیک کہتا تھا، ابھی ان سب باتوں کا وقت نہیں تھا۔ ابھی قدم سے قدم ملا کر ایک دوسرے کو سنبھالنے کا وقت تھا۔ ایک دن یہ سب بدل جانا تھا۔ ہاں، جو رشتوں کے چلے جانے سے کمی رہ جاتی ہے وہ کبھی پوری نہیں ہوتی۔ زندگی میں ایک خلا سا رہ جاتا ہے لیکن وقت گزرتے گزرتے انسانوں کو مضبوط بنا دیتا ہے۔ ہر قسم کے حالات سے لڑنا سیکھا دیتا ہے۔

وہ اپنی ماں کو سکون کی دوا دے سُلا کر کمرے سے نکلا۔لاؤنج مدھم جلتی روشنیوں سے روشن تھا۔روشنی اور اندھیرے کا یہ ملا جلا سا منظر آنکھوں کو سکون دے رہا تھا لیکن دل انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔بخاری ہاؤس میں چھائی خاموشی کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔وہ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر کی منزل پر آیا اور مشعل کے کمرے کی طرف چل دیا۔مشعل کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا جہاں بازل پہلے سے ہی ٹیک لگائے اندر کو کھڑا تھا۔آرز چلتا ہوا بازل تک آیا اور وہیں کھڑا ہوا اندر کا منظر دیکھنے لگا۔مشعل بیڈ کے کنارے سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھی تھی۔آنسو رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔سامنے کھانا پڑا ہوا تھا۔وہاں ہر ایک کو پکڑ پکڑ کر کھانا کھلانے کا سا حساب تھا۔پریشے وہیں زمین پر ایک طرف بیٹھی اُس کا ہاتھ تھام اُسے دیکھے جا رہی تھی۔مشعل کے آنسو آہستہ آہستہ اپنا وجود کھونے لگے شاید آنسوؤں کا سارا سمندر بہہ چکا تھا۔وقفے وقفے سے ہچکیوں کا سلسلہ جاری تھا۔

"مشعل !اب کھانا کھالو۔۔۔"

مشعل نے چہرہ اُٹھا کر پری کو دیکھا۔رونے کے باعث اُس کی آنکھیں بھی سوجھ چکی تھیں۔

"میرا باپ مرا ہے پری،میں کیسے کھالوں؟"

بازل نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

"ٹھیک کہتی ہو تم، تم کیسے کھا سکتی ہو؟ آج سے چند سال پیچھے جب میں تمہاری جگہ تھی تو میں بھی نہیں کھا سکی تھی۔ یہ جو باپ ہوتے ہیں، اُنہیں نہیں مرنا چاہیے۔ مشعل! یہ اپنے ساتھ ساتھ اولاد کے سر پر سے شفقت کا سایہ اور پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ جاتے ہیں۔"

مشعل نے چہرہ ایک مرتبہ پھر اُس کی جانب کیا۔ پری کے آنسو بہنے لگے تھے۔

"یہ بات ہم بہت دیر سے سمجھتے ہیں کہ جو چلا گیا اُس کے لیے شاید مزید زندگی بہت بھاری ہوتی۔ اُن کے لیے اس دنیا سے چلے جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہم اپنے پیاروں کو کیسے تکلیف میں دیکھ سکتے ہیں؟"

مشعل نے یاد کرنا چاہا اُس کے ابو کتنی تکلیف میں تھے؟

"خدا کے کیے پر صبر کر لینا اچھا ہوتا ہے۔ اور تم سوچو کچھ لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جن کے ماں باپ مر جاتے ہیں اور اُن کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی ہوتا ہی نہیں جبکہ تم ۔۔۔۔ یا میں بھی ۔۔۔ دیکھو ہم دونوں نے کسی ایک کو کھویا ہے لیکن ہم تنہا نہیں ہیں۔ ہمارے ساتھ سب سے قیمتی رشتے موجود ہیں۔"

مشعل اُس کی باتیں بہت دھیان سے سُن رہی تھی۔

"اور تم فکر کیوں کرتی ہو؟ یہ جو بھائی ہوتے ہیں نا اگر نبھانے والے ہوں تو وہ بھی دوسرے باپ ہوتے ہیں اور تمہیں کیا اپنے بھائیوں سے یہ اُمید بھی نہیں ہے کہ وہ تمہارے سر پر ہاتھ رکھ کر تمہارے دکھ سمیٹ لیں گے؟"

مشعل کی آنکھیں نجانے کیسے پھر بھر آئیں۔ سر نہ میں ہلاتی وہ بولنے لگی۔

ایسا تو نہیں کہا میں نے۔ مجھے معلوم ہے میرے بھائی میرے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"تو پھر بھائیوں کی بھی ماننا پڑے گی نا تمہیں؟"

بازل اب مزید کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ نم آنکھیں لیے چلتا ہوا وہیں مشعل کے پاس جا بیٹھا۔

"آپ جو کہیں گے مانوں گی۔ اب آپ ہی تو ہیں میرا سب کچھ۔۔۔"

بازل نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"چلو، پھر کھانا کھاؤ۔"

"آپ نے بھی تو کچھ نہیں کھایا ہو گا۔ آپ کو بھی کھانا پڑے گا۔"

اُس کا بالکل دل نہ تھا لیکن وہ اُسے کیسے منع کر سکتا تھا۔

"آرز بھائی! آپ بھی آجائیں۔"

پری نے کھڑے ہوتے ہی دروازے پر کھڑے آرز کو مخاطب کیا۔

"نہیں، میں کھا چکا ہوں۔"

بازل نے مڑ کر شکایتی نظروں سے اُسے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ آرز حسن باتوں میں لگا کر کسی کو بھی پاگل بنا سکتا تھا اور یقیناً اپنی ماں کے ساتھ اُس نے یہی کیا ہو گا۔ چند ایک لقموں کے علاوہ مجال ہو گی جو وہ کچھ کھا گیا ہوتا۔ بازل کے یوں دیکھنے پر آرز نے نگاہیں پھیر لیں۔

"میرے کہنے پر بھی نہیں کھائیں گے؟"

مشعل کی آواز پر وہ اپنی بہن کو دیکھنے لگا۔

"آجائیں۔۔۔"

اُس کے ایک بلاوے پر ایک بھائی کمزور پڑ گیا تھا۔ وہ چلتا ہوا اُن دونوں تک آیا اور وہیں بیٹھ گیا۔ اب وہ لوگ یوں کھانا کھا رہے تھے کہ آرز اور بازل ایک ایک کر اپنی بہن کی بھوک مٹا رہے تھے جبکہ وہ ایک بہن، ماں بن کر اپنے دونوں بھائیوں کو کھانا کھلانے

میں مصروف ہو گئی تھی۔اب ساری زندگی ان بہن بھائیوں کو یونہی ایک دوسرے کا خیال رکھنا تھا۔وہ تینوں دل ہی دل میں یہ عہد کر چکے تھے۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

پری مسکرا کر وہاں سے چلی گئی۔اُن تینوں کو ایک ساتھ وقت گزارنے کی ضرورت تھی۔اب پریشے رحمان، پریشے حسن تھی۔وہ اس گھر کا فرد تھی۔اُسے باقی گھر کے افراد کو بھی دیکھنا تھا۔وہ دل سے اپنی تمام زمہ داریاں، اپنے فرائض نبھا رہی تھی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام نے اماں بیگم کو اپنا موبائل دے دیا تھا جو وہ چھپا کر رکھتی آئی تھی۔اُس کے مطابق اب اُسے اس کی ضرورت نہ تھی۔اماں بیگم نے اُسے کچھ نہ کہا۔وہ جانتیں تھیں کہ حیام پہلے دن سے خالی ہاتھ نہ تھی لیکن خاموشی پر اکتفا کرنا ہار جانے سا نہیں ہوتا۔وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھی۔خاموش دیواروں کو تکتی کچھ سوچ کر وہ بیڈ سے اُٹھی۔کمرے میں روشنی کے نام پر محض بیڈ کے دونوں اطراف رکھی سائیڈ ٹیبلز پر جگمگاتے لیمپ تھے۔وہ چلتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل تک آئی۔اُسے یاد آیا کہ منال نے اُس کے متعلق کچھ کہا تھا۔نجانے وہ کون سی چیز تھی جس کی اُسے ضرورت پڑ جانی تھی۔شاید وقت آ گیا تھا کہ وہ اب دیکھ لے۔اُس کے اندر کچھ خالی پن تھا۔اُس نے ڈریسنگ

ٹیبل کی جانب ہاتھ بڑھا کر لگا ہینڈل کھینچا تو وہ کسی میز کی طرح باہر کو کھنچتا چلا آیا، بالکل ویسے ہی جیسے کہ شاید اُس نے کہیں آنلائن کسی ونٹیج شوٹ میں دیکھا تھا۔ بہت سی ماڈلز وہاں بیٹھ کر یوں ظاہر کرتیں جیسے کہ کوئی خط لکھ رہیں ہوں اور وہ بالکل ویسا ہی تھا۔ اور شاید اُسی کام کے لیے کیونکہ وہاں ایک لمبی قطار مختلف طرز کے قلموں سے بھری پڑی تھی۔ ایک طرف لکڑی کا بکسہ تھا، اُس سے ملتا جلتا ایک شہر میں بھی تھا حیام کے پاس جس کے اندر آرزکو لکھے ان گنت خطوط قید تھے۔ اُس بکسے کے ساتھ کوڑے کاغذوں کا پلندہ تھا شاید وہ لکھنے کے لیے تھا۔ سامنے پڑی کرسی وہ کھینچ کر بیٹھی۔ اُس کے ہاتھ کی انگلیاں ہر ایک چیز کو چھو کر محسوس کرنے لگیں۔ ایک قلم پر اُس کی نظر ٹھہر گئی، نہ صرف نظر بلکہ اس کی انگلیوں کی حرکت بھی۔ سیاہ رنگ قلم جس کی اوپری سطح پر سنہری رنگ سے کچھ لکھا گیا تھا۔ بہت غور سے دیکھنے پر وہ وہاں لکھے الفاظ پڑھ پائی۔ وہ الفاظ سرگوشی کی سی مانند اُس کے لبوں سے آزاد ہوئے۔۔۔۔

"خطوط، لکھو میرے نام۔۔۔۔"

شاید کہ وہ کوئی اشارہ تھا لیکن وہ عہد کر چکی تھی شہر میں کہ اب سے خط نہ لکھے گی۔ وہ اپنے درد کی داستان اتارنے میں کسی بے جان چیز کا استعمال نہ کرے گی لیکن اُس کا دل ضبط کی دیواریں توڑنے لگا۔ وہ آج لکھنا چاہتی تھی۔ اُسے لکھے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔

حیام کی روح زخمی تھی۔ وہ اپنے زخم مندمل کرنا چاہتی تھی۔ آخر کار اُس کا ضبط ہار گیا، عہد ٹوٹ گیا۔ وہ قلم کھولتی ایک کاغذ اپنے سامنے کرتی لکھنے لگی۔

سید زادے!!

کاش کہ تمہیں بتا سکتی تمہارا آ جانا میرے دل کی چلتی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر گیا ہے۔ میرا وجود تمہارے ساتھ کو مچلنے لگا ہے لیکن افسوس!! کہ میں مجبور ہوں۔ میرا بدن میری ہی سسکتی ہوئی آہوں کی قید میں ہے۔ ماضی میں جو ظلم تم نے مجھ پر کیے ہیں اُن کا کوئی مداوا نہیں، ایسا نہیں کہ میں چاہتی ہی نہیں ہوں کہ مداوا ہو بلکہ میں یہ چاہ رکھتی ہوں مجھ مظلوم کا دل بڑھ آئے اور وہ تمہیں معاف کر دے لیکن ایسا نہ ہو پائے گا۔

اب کہ میں جو تمہیں ٹھکرا چکی ہوں تو تمہارا پھر سے واپس آ جانا مجھے ایک خواب سا معلوم ہو رہا ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم چلے تو نہیں گئے، شاید کہ تم یہیں کہیں میرے پہلو میں ہی موجود ہو لیکن تم مجھے دِکھ کیوں نہیں رہے؟ مطلب کہ تم جا چکے ہو اور میری جھولی پچھتاؤں سے بھر گئے ہو۔ اب میں یہ سوچتی ہوں تو سو فیصد سچ ہی

سوچتی ہوں کہ تمہارا پھر سے آجانا ایک خواب ہے جس کی تعبیر خالی ہے، بے معنی۔۔۔۔

تمہاری اسیر

سیدزادی

خط مکمل کرتے ہی اُس کے آنسو بہنے لگے۔ سانسیں اٹک رہیں تھیں یا شاید وہ ہچکیاں تھیں۔ قلم بند کر واپس اُس کی جگہ پر رکھا اور خط موڑ کر بکسے میں ڈال دیا۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ چھت کو تکنے لگی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے وہ سو گئی تھی۔ اپنا حالِ دل قلم سے اتارنا بڑا بھاری کام ہے اگر کوئی سمجھے تو۔۔۔۔

نجانے وہ کس پہر مشعل کو سلا کر اپنے کمرے میں آیا۔ شاہ میر اُس کے کمرے میں صوفے پر ہی ٹیک لگائے سو چکا تھا۔ پاؤں زمین پر لٹکے تھے۔ وہ شاید اُس کا منتظر تھا۔ آرزاداس مسکراہٹ مسکرا کر اُس تک گیا تو دیکھا اُس کے پاؤں اب بھی جوتوں کی قید میں تھے۔ آرز نے جھک کر اُس کے جوتے اُتارے۔ وہ سچ میں اگر خود کو آرز کا دوست

کہتا تھا تو ٹھیک کہتا تھا۔ شاہ میر پل پل اُس کے ساتھ رہا تھا۔ سب گاؤں واپس جا چکے تھے لیکن شاہ میر بخاری، وہ وہیں رہا تھا۔ مجال تھی جو کسی کے کہنے پر بھی ہل جاتا۔

آرز جانتا تھا کہ شاہ میر اب حیام کو لے کر اُس سے کچھ اختلاف رکھتا تھا لیکن وہ تمام باتیں الگ تھیں۔ وہ دوستی نبھانا جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ رشتوں کے درمیان اختلافات کبھی ضرورت پڑنے پر جتائے نہیں جاتے بلکہ ایک دوسرے کو ڈھانپ لیا جاتا ہے۔ شاہ میر نے بھی آرز کو ڈھانپ لیا تھا۔ وہ وہیں شاہ میر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ جوتے اُتار کر پاؤں سامنے پڑی میز پر پھیلائے۔ آج پہلی مرتبہ وہ حیام بخاری کو نہیں سوچ رہا تھا۔ آج وہ اپنی ماں، اپنی بہن، اپنے بھائی اور سب سے بڑھ کر اپنے باپ کو سوچ رہا تھا۔ اُس کی رات اپنوں کی فکر میں کھلی آنکھوں ہی گزرنی تھی، یہ تو طے تھا۔

اُس کی آنکھ کان پڑتی فجر کی آذان سُن کر کھلی۔ وہ وہیں کرسی پر سوئی ہوئی تھی۔ اُس کا ڈوپٹہ ڈھلک کر کچھ اس کی گود میں جبکہ کچھ زمین پر تھا۔ اُس نے ارد گرد نظر گھماتے اطراف کا جائزہ لینا چاہا تو اپنا کمرہ پہچان کر پر سکون ہوئی۔ نگاہیں سامنے کھلی پڑی ڈریسنگ کی میز نما دراز پر پڑی جہاں رات وہ خط لکھ رہی تھی۔ تمام چیزیں ویسے ہی ترتیب سے پڑی تھیں۔ اُس نے سیدھے ہو کر لکڑی کا بکسہ کھولا تو سامنے وہ خط موجود تھا

جو اُس نے لکھا تھا مطلب کہ وہ خواب نہ تھا، ایک حقیقت تھا۔ سرد آہ بھرتی وہ اُٹھی۔ ہینڈل پکڑ کر واپس دراز کو دھکیلا تو ڈریسنگ پہلی سی حالت میں واپس آگئی۔ آئینے میں خود کو دیکھا تو چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے سے نشانات اب بھی تھے۔ پیچھے منظر پر سنائی دیتی آذان ہو چکی تھی۔ اب اُسے پہلا کام فریش ہو کر نماز ادا کرنا تھا۔ اُسے سکون کی ضرورت تھی۔

وہ نماز ادا کر ڈوپٹہ اچھے سے خود پر پھیلاتی کمرے سے نکل منال کے کمرے کی جانب چل دی۔ منال اُسے راستے میں ہی مل گئی۔

"تمہارے پاس ہی آرہی تھی میں۔"

"خیریت؟"

منال اُس کو اپنے ساتھ لیے اوپر سیڑھیوں کی جانب چل دی۔

"ہاں، ویسے ہی۔ شاہ ویر کدھر ہے؟"

سیڑھیاں عبور کرتی حیام نے اُس سے سوال کیا۔

کرن لے گئی ہے اُسے، چائے لے کر آجائے گی وہ بھی۔ تمہارے لیے بھی بنوائی ہے"

"میں نے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اب اوپر پہنچ گئیں تھیں۔ منال نے آگے بڑھ کر چھت کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھولتے ہی ٹھنڈی ہوا چلتی محسوس ہوئی۔ وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئیں۔ حیام باہر نظر آتے دودھیا اور آسمانی رنگ کا امتزاج سمیٹے آسمان کو تک رہی تھی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا تھا کہ مجھے لکھنے کی ضرورت پڑ جائے گی؟"

حیام نے سوال پوچھا۔ نگاہیں اب بھی باہر آسمان پر ہی تھیں۔

"آہاں!! مطلب کے تم نے وہ کھول لیا۔"

"ہمم!!"

یوں ہی تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو معلوم ہو گیا تھا کہ محبت کی مار جسے پڑ جائے، اُسے "محبوب سے گفتگو راحت بخشتی ہے۔ پھر سوچا کہ؟

منال بہت غور سے اُس کو تک رہی تھی۔

"کہ؟"

"کہ ایسا کون سا راستہ ہے جس سے تم محوِ گفتگو ہو سکو۔ ہر راستہ کھنگھالا لیکن کچھ بھی نہ ملا۔ پھر یاد آیا کہ ایک یہی راستہ ہے جو برسوں سے اپنایا جاتا رہا ہے۔"

منال کی بات پر حیام ہنس دی۔

"اچھا،اور کیسے جانتی ہو تم جو یہ راستہ طے کر چکا ہے؟"

اب کے حیام اُسے دیکھ رہی تھی لیکن منال نے چہرہ باہر کھلے آسمان کی جانب کر لیا۔

"باجی بیگم۔۔۔۔"

"باجی بیگم کون؟"

حیام نے سوال کیا۔

"اماں کی بیٹی ہیں اور ہماری پھپھو۔اسی حویلی میں رہتی ہیں۔"

"کیا واقعی؟ کتنے راز ہیں اس حویلی میں منال؟"

حیام کے لہجے میں بے سکونی اُبھری۔

"بہت سارے۔۔۔۔۔۔۔"

حیام کے چہرے پر کچھ جان لینے کو بے چینی تھی۔

"یہ لو چائے بہنوں وہ بھی گرم گرم۔۔۔"

کرن چائے لیے وہیں آبیٹھی۔

"شاہ ویر کدھر ہے؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

منال نے اُسے نہ پا کر سوال کیا۔

"مناہل لا رہی ہے اُسے۔"

اُس کے کہنے کی دیر تھی کہ مناہل، شاہ ویر کو گود میں لیے وہیں آ بیٹھی۔

"سلام!! آپیوں۔۔۔"

اُس کے یوں کہنے پر وہ سب ہنس دیں۔ شاہ ویر کو حیام اپنی گود میں لے چکی تھی۔ سب چائے کے کپ پکڑے ماحول سے لطف اندوز ہو رہیں تھیں۔ حیام نے گہری سانس بھر کر چائے کا کپ پکڑا اور گرم گرم گھونٹ بھرا۔ اُسے وہ پھیکا سا مشروب اچھا لگا تھا یا شاید وہ جس کے لیے پی رہی تھی اُس کا دل راضی کو چکا تھا۔

"تم میٹھا نہیں پیتی اس لیے تمہارے لیے پھیکی چائے بنوائی ہے۔"

منال نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو تم سب کیوں یہ پھیکا زہر پی رہے ہو؟"

اُس کے سوال پر کرن ہنس دی۔

"بے فکر رہو۔ ہم سب میٹھی چائے ہی پی رہے ہیں۔"

کرن نے ٹرے پر رکھی شوگر پاٹ ہاتھ میں پکڑ حیام کے سامنے کر جواب دیا۔حیام مسکرائی۔

"تم مجھے کچھ بتا رہی تھی؟"

حیام نے چہرہ منال کی جانب کرتے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔"

وہ بولتے بولتے رکی۔

"مناہل! جاؤ میرا بیٹا بڑوں نے بات کرنی ہے۔"

مناہل نے جواباً حیام کو یوں دیکھا جیسے کہ کہہ رہی ہو دیکھا میں کہہ رہی تھی نا۔

"بیٹھی رہو مناہل، جو بات ہو گی اس کے سامنے ہو گی۔اب چھوٹی بچی نہیں ہے۔"

حیام کی بات پر مناہل چہرہ جھکائے مسکرا دی جبکہ منال نے اُسے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"اماں، اکلوتی اولاد تھیں۔اُس زمانے میں سیدوں کو جو عزت ملتی تھی وہ آج سے دوگنا زیادہ تھی۔خاندانی جائیداد ورثے میں بھری پڑی تھی اور وارث صرف اکلوتی اماں، نہ کوئی آگے اور نہ کوئی پیچھے۔اب تو سیدوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر سی ہو گئی ہے لیکن

تب ہر اگلے جاننے والوں میں کوئی نہ کوئی برادری کا سید نکل آتا۔اماں کی شادی کی عمر ہوئی تو اُن کے ماں باپ کو یہ فکر کھا گئی کہ نجانے کہاں اپنی بیٹی کے نصیب ملے ہوں گے ؟اپنے خاندان میں تو بہت سے رشتے خود چل کر آئے،اماں کا حسن ہی ایسا تھا کہ ہر کوئی خواہش کرتا کہ اُن کی بہو بن جائیں۔"

منال رکی۔کپ میں موجود چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور کپ واپس رکھ دیا۔ایک مرتبہ پھر بات کا آغاز کیا گیا۔

"لیکن پھر کسی نہ کسی وجہ سے اماں لوگوں کی طرف سے انکار ہو جاتا اور کہتے ہیں نا کہ جہاں نصیب ہوں ہی نا وہاں جتنا مرضی ہاتھ پاؤں مار لو بات بنتی ہی نہیں ہے۔اماں کے معاملے میں بھی ایسا ہی تھا۔"

وہ تینوں بڑے غور سے اُس کی کہانی سُن رہیں تھیں۔کرن تو وہ کہانی پہلے سُن چکی تھی لیکن مناہل کے لیے وہ نئی تھی۔

"پھر ایک دن اماں کے لیے ایک اور رشتہ چل کر آیا۔دور پرے سے کوئی رشتہ بھی نکلتا تھا اُن سے لیکن اتنے سالوں سے کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی تو جان پہچان نہ ہونے کے برابر تھی۔لڑکے والے سادات تھے،یوں کہہ لو کہ اماں کی برابری کا رشتہ نکل آیا

تھا۔نہ پیسے کی کمی اور جائیدادوں،زمینوں کی بھرمار۔رشتے کی بات چلی،یہاں سے فوراًہاں ہوگئی۔ہاں کہنے کو یہ بات ہی کافی تھی کہ وہ سید زادے تھے۔"

وہ سانس لینے کو رکی۔

"شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔رخصتی کی تاریخ طے پاگئی اور تواور طے شدہ تاریخ اور وقت پر بارات چل کر آبھی گئی۔لیکن۔۔۔۔۔۔۔"

منال رکی۔

"لیکن؟"

حیام نے سوال کیا۔

"لیکن عین وقت پر معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جس سے نکاح ہوناتھاوہ سید زادہ نہیں تھا۔وہ اُن لوگوں کا سگابیٹانہ تھا۔اُن کے مطابق اس بات سے کیافرق پڑتاتھاکہ وہ سگا تھایا نہیں،یہ بات کافی تھی کہ وہ سیدوں کی سرپرستی میں تھا۔لیکن اُن کو کوئی بتاتاکہ غیر سیدوں کو سید کہلاناکس قدر عذاب ہے۔یہ بات توخداقرآن شریف میں خود کہتاہے کہ لے پالک تمہارے سگے بیٹے نہیں ہیں۔اُن کواُن کی ولدیت سے پکارواور تم سوچو

کہ ایک سیدزادی کا نکاح غیر سید سے کر دو تو پوری نسل خراب، نسب سے ہی منہ پھیر لیا جاتا ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

حیام نے پھر سوال کیا۔

"پھر کیا ہونا تھا؟ بارات واپس لوٹا دی گئ۔"

حیام نے حیرانی کے مارے اپنے ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپا۔ کتنی ہی دیر وہ یونہی بیٹھی رہی۔ سب خاموش تھے۔ مناہل بھی بہت غور سے وہ سب سن رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ کچھ بولتی سعدیہ وہاں چلی آئی۔

"سلام!! آپ سب کو اماں بیگم بلا رہی ہیں۔ ناشتے کا وقت نکل رہا ہے۔"

چلو بھئی حیام اُٹھو، آج تو مزہ آئے گا۔ آج باورچی خانہ ہمارا ہے۔ ہم جو جی چاہے کر "سکتے ہیں۔

لیکن حیام ابھی تک جو کچھ وہ سُن چکی تھی اُس کے اثر میں تھی۔

"کیا واقعی؟"

کرن نے سوال کیا۔

"ہاں، اماں نے خود اجازت دی ہے۔"

منال نے ایک مرتبہ پھر جواب دیا۔

"میں بھی مدد کروں گی۔۔۔"

مناہل نے شوق سے اجازت چاہی۔

جی بالکل، یہ جو آپ کی اماں بیٹھی ہیں انہوں نے کسی اجازت کا سوال ہی ختم کر دیا"
"ہے۔ آپ اب سب کچھ کر سکتی ہیں۔

اُس کی بات پر کرن اور مناہل دونوں ہنس دیں۔ منال نے حیام کی گود سے شاہ ویر کو لے سعدیہ کو پکڑایا۔

چلو بھئی، اسے جا کر اماں کو دے دو اور واپس باورچی خانے میں آؤ۔ بہت کام کرنا"
"ہے۔

حیام واپس وقتی طور پر حواسوں میں آچکی تھی۔ وہ سب اُٹھ کر آگے پیچھے سیڑھیاں اُترنے لگیں۔

آرزا اور شاہ میر اس وقت کمرے میں موجود تھے۔ آرز نے موبائل پر کوئی غزل چلا

رکھی تھی۔وہ دونوں اس وقت غزل کے بول سُنتے کھوئے ہوئے تھے۔

اگرچہ میں اک چٹان سا آدمی رہا ہوں

مگر ترے بعد حوصلہ ہے کہ جی رہا ہوں

وہ ریزہ ریزہ مرے بدن میں اتر رہا ہے

میں قطرہ قطرہ اسی کی آنکھوں کو پی رہا ہوں

تری ہتھیلی پہ کس نے لکھا ہے قتل میرا

مجھے تو لگتا ہے میں ترا دوست بھی رہا ہوں

کھلی ہیں آنکھیں مگر بدن ہے تمام پتھر

کوئی بتائے میں مر چکا ہوں کہ جی رہا ہوں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کہاں ملے گی مثال میری ستم گری کی

کہ میں گلابوں کے زخم کانٹوں سے سی رہا ہوں

نہ پوچھ مجھ سے کہ شہر والوں کا حال کیا تھا

کہ میں تو خود اپنے گھر میں بھی دو گھڑی رہا ہوں

ملا تو بیتے دنوں کا سچ اس کی آنکھوں میں تھا

وہ آشنا جس سے مدتوں اجنبی رہا ہوں

بھلا دے مجھ کو کہ بے وفائی بجا ہے لیکن

گنوا نہ مجھ کو کہ میں تری زندگی رہا ہوں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ اجنبی بن کے اب ملے بھی تو کیا ہے محسن

یہ ناز کم ہے کہ میں بھی اس کا کبھی رہا ہوں

(محسن نقوی)

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

غزل ختم ہو چکی تھی۔وہ دونوں کتنی دیر یونہی خاموش بیٹھے رہے۔شاہ میر کی نظروں کا رخ آرز پر ٹکا تھا جبکہ وہ زمین کو گھورنے میں مصروف تھا۔شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا یا شاید فیصلہ اور پھر وہ بول اُٹھا۔

"شاہ میر!!تو واپس حویلی چلا جا۔سب تیرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ اُسے دیکھ نہیں رہا تھا۔

"میں کیسے جا سکتا ہوں؟میں نہیں جاؤں گا۔"

"میں کہہ رہا ہوں نا کہ تو جا۔امی کی عدت کا عرصہ پورا ہو جائے تو امی اور مشعل کو چچا چچی کے ساتھ وہیں بھیج دوں گا۔اور کوشش کروں گا کہ بازل بھی پری کو لے کر وہیں چلا جائے۔"

وہ یقیناً فیصلہ کر چکا تھا۔

"اور تو؟"

"میں؟ میں یہیں رہوں گا۔"

"اکیلا؟"

وہ اُس کے لیے پریشان تھا۔

"ہاں، کسی کو تو یہاں رہنا ہو گا نا۔ کام بھی دیکھنا ہے سب کچھ چھوڑا تو نہیں جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے، پھر میں تیرے ساتھ یہاں رہوں گا۔"

میں نے کہہ دیا نا کہ نہیں، بس ضدمت کر۔ واپس چلا جا، خالہ اماں کو تیری ضرورت ہو گی۔"

شاہ میر مجبور ہو گیا۔ وہ بھی ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ اماں کو اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ ایک وہی تو تھا جو دن دہاڑے حویلی کے اندر آ جا سکتا تھا۔ اُسے واپس جانا پڑے گا۔ اُس نے بہت بھاری دل سے یہ فیصلہ کیا تھا۔

وہ تمام لڑکیاں جن کی عمریں اتنی تو تھیں کہ سگھڑپن کی ڈگریاں اُن کے پاس ہوتیں

لیکن اس وقت اپنے پھوہڑ ہونے کا اعلان چیخ چیخ کر کر رہیں تھیں۔ باورچی خانے کی حالت کسی جنگ کے میدان کی سی تھی۔ شاید ہی کسی نے کبھی چولہا بھی جلا کر دیکھا ہو۔اُن کے لیے کام کا مطلب ملازماؤں کی نگرانی کر اپنی من پسند چیز تیار کروالینا تھا۔ جہاں تک بات تھی حیام کی،اُسے کوکنگ کے نام پر محض دو طرح کا آملیٹ بنانا آتا تھا جس پر وہ فخر سے کہتی کہ ماشاءاللہ اتنا اچھا ناشتہ بنا لیتی ہوں اور ہاں،چائے اور کافی کو کیسے بھول سکتے ہیں؟ وہاں سب باورچی خانے میں لائن سے کھڑی تھیں۔کوئی اپنا ہاتھ سہلاتی پائی جاتی اور کوئی اپنا سر پکڑ کر کھڑی تھی۔کسی نے گرم گرم آئل اپنے ہاتھ پر گرالیا تو کسی نے فرائنگ پین کیبنٹ سے نکالتے ہوئے اپنے سر پر گرالیا چونکہ وہ تمام ملازماؤں کو باورچی خانے سے نکال چکی تھیں۔اب بچیں تھیں حیام اور سعدیہ،نہ نہ سعدیہ محترمہ کو بھی کہاں کچھ آتا تھا؟ایک روٹی تو ٹھیک سے بنانا آتی نہ تھی البتہ کام کرنے کا ڈھنگ ضرور آتا تھا۔آخر کو اپنی ماں کے پیچھے وہی اپنے چھوٹے بھائی کو کھانا دیتی تھی۔

"اب ایسے کیوں کھڑی ہو سب کی سب،بیٹھ جاؤ۔"

اُبلے ہوئے آلوؤں کے چھلکے اُتارتے حیام نے تینوں کو ڈائننگ پر بیٹھنے کو کہا تو سب کی سب فوراً کرسیاں دھکیلتی بیٹھ گئیں۔

"سعدیہ!!ان کو گول گول کاٹ دو جلدی۔"

حیام کے کھڑے ہوتے سعدیہ نے فوراً آلوؤں سے بھری پلیٹ اپنے سامنے کھسکائی اور کھڑے کھڑے ہی اُنہیں کاٹنے لگی جبکہ باقی تینوں بڑے دھیان سے حیام کو کام کرتے دیکھ رہیں تھیں۔

حیام نے کٹی ہوئی پیاز کو گرم آئل میں ڈال کر فرائی کرنا شروع کیا۔پیاز کے رنگ بدلتے ہی فوراً کٹی ہوئی ٹماٹر اور مصالحہ جات چھڑکنے لگی۔مناہل اور کرن تو اُس سے خاصی متاثر دکھائی دیتی تھیں۔

"سیدہ بی بی! یہ لیں کاٹ دیئے آلو۔اب کیا کروں؟"

حیام نے پین میں چمچ چلاتے ہوئے اُسے ہاتھ کے اشارے سے پلیٹ مانگی جو کہ اُسے فوراً تھما دی گئی۔اب حیام تیار کیے ہوئے آمیزے میں آلو کے قتلے ڈال رہی تھی۔پھر اُسے اچھے سے مکس کرنے کے بعد اُنہیں پورے فرائنگ پین میں پھیلا یا گیا۔

"سعدیہ! جلدی سے انڈے پھینٹ کر دو۔"

حیام کے ہر مرتبہ کی طرح کہنے پر اس مرتبہ بھی وہ کسی بوتل کے جن کی طرح حکم کی تکمیل کرنے لگی۔چند منٹ گزرنے کے بعد حیام نے پھینٹے ہوئے انڈوں کو تیار کردہ

آلوؤں کے آمیزے پر اچھے سے پھیلا دیا۔ چولہے کی آنچ ہلکی کر پین کو ڈھکن سے ڈھک دیا۔ مڑ کر چاروں کو دیکھا۔

"تم تینوں میں سے کس کو چائے بنانا آتی ہے؟ کرن؟"

سوال پوچھتے ہی کرن کو مخاطب کیا یوں جیسے کے پوچھنا چاہتی ہوا بھی کچھ دیر پہلے جو چائے پی تھی وہ خود بنائی گئی تھی یا۔۔

"ہاں، ہاں چائے بنانا آتی ہے۔"

کرن نے جھٹ سے جواب دیا۔

"تو پھر انتظار کیا کر رہی ہو؟ اُٹھو، جلدی سے بناؤ۔"

"سعدیہ! تم ٹوسٹ۔۔"

سعدیہ نے اُس کی بات خود ہی پوری کر دی۔

"ابھی کرتی ہوں سیدہ بی بی۔"

"مناہل! جاؤ فریج سے سوس نکال کر لاؤ۔"

جواباً وہ سر ہلاتی اُٹھ فریج کھول کر کھنگالنے لگی۔ حیام چل کر منال تک گئی۔ اُس کے جلے ہاتھ کو دیکھا اور باورچی خانے سے نکل گئی۔ تقریباً ایک منٹ کے بعد وہ واپس آئی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Poetry|Interview

تواب بھی سب کو جیسے چھوڑ کر گئی تھی سب ویسے ہی تھیں۔ہاں، لیکن مناہل کرن کے ساتھ کھڑی چائے کو اُبلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔سوس کی بوتل ڈائننگ ٹیبل پر پڑی تھی۔حیام منال کے ساتھ رکھی کرسی دھکیل کر بیٹھی اور اُس کا ہاتھ جس پر تھوڑا سا جلے کا نشان جو کہ ابھی قدرے مدھم تھا، تھام کر ہاتھ میں موجود کریم کی ڈبیہ کھول کر اُس پر لگانے لگی۔

"رہنے دو۔۔۔"

منال نے منع کرنا چاہا لیکن سامنے بھی حیام تھی۔

"ابھی لگا لو گی تو زخم جلدی بھر جائے گا اور نشان بھی چلا جائے گا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے ان سب نشانات سے؟ اور یہ کریم بھی کیا کرے گی؟ زخم چھپا کر کیا کروں گی حیام؟ کیا روح پر لگے زخم مندمل ہو سکتے ہیں؟"

حیام نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔اُس کی آنکھوں میں جھانکتی وہ چہرہ موڑ گئی۔کتنا درد تھا ان آنکھوں میں؟ حیام کیسے نہ جان سکی تھی؟ کیسے انجان رہی؟ منال تو حیام کو دیکھ اُس کی تکلیفوں کا اندازہ لگا لیا کرتی تھی۔تو کیا حیام سچ میں دوستی نبھانے میں پیچھے رہ گئی تھی؟

حیام خاموشی سے اُٹھتی واپس چولہے تک گئی۔فرائنگ پین کاڈھکن اُٹھاکراندر موجود آملیٹ کو محارت سے چمچ کی مدد سے اُلٹایااور واپس ڈھک دیا۔

"حیام!چائے تیار ہے۔"

کرن نے چائے کوٹی پاٹ میں ڈالتے ہوئے آگاہ کیا۔

"اور ٹوسٹ بھی۔۔۔"

سعدیہ کے کہنے پر حیام نے اُسے دیکھاتووہ ہلکے براؤن رنگ رنگے ٹوسٹ گھرے پاٹ میں رومال بچھاکراُس میں ترتیب سے یوں رکھ رہی تھی جیسے کہ گرم گرم بریڈ بن کر تیار ہوئی ہو۔

ہاں،ایک کام کرو۔جاؤ پچھلے برآمدے میں جاکر ٹیبل سیٹ کروتم لوگ،میں اور" "منال باقی سامان لے کر آتے ہیں۔

کچھ دیر کے بعد پچھلے برآمدے میں رکھی میز پر ساراسامان سجاتھا۔اماں بیگم بھی وہیں تخت پوش پر بیٹھی تھیں۔گرمیوں میں اماں بیگم کابسیرا وہیں ہوتاچونکہ دوسرا برآمدہ کھلاتھا،سورج کی دھوپ سیدھی سر پر پڑتی تھی جبکہ یہ حصہ بند تھا،سر پر چھت اور ارد گرد سجے پودے اسے مزید ٹھنڈا کر دیتے۔گرمی کااحساس تک نہ ہوتا۔

ٹیبل پر سپینش آملیٹ بنا پڑا تھا جو کہ دکھنے میں بالکل کسی پیزے کی طرح تھا۔حیام نے اُسے کاٹا بھی بالکل پیزہ کے سلائس کی طرح تھا۔ایک آملیٹ کا سلائس اپنی پلیٹ میں رکھ رومال میں سے ٹوسٹ نکالا۔ایک طرف چھوٹی پیالی رکھ اُس میں سوس نکالی اور چائے کا کپ بنا کر اماں بیگم کے سامنے جا کر رکھ دیا۔

"کھائیں۔۔۔"

اسے لے جا۔نجانے کیا بنا لائی ہے تو اور میں ناشتہ کر چکی ہوں۔تو جانے ہے ایس "ویلے کہاں کھاتی ہوں۔

"اب میں اتنے پیار سے بنا لائی ہوں تو کھانا پڑے گا۔"

حیام نے گھور کر دیکھا تو وہ مجبور ہو کر کھانے لگیں۔وہ سچ میں بہت مزے کا تھا۔وہ سادہ کھانا کھانے کی عادی تھیں لیکن نت نئی چیزیں کھانے سے کیا فرق پڑتا تھا۔

حیام واپس جا کر کرسی پر بیٹھی۔اپنے لیے بھی پلیٹ تیار کرنے لگی۔باقی سب بھی ناشتہ کر رہیں تھیں،بس سعدیہ نہیں تھی۔حیام کے اتنی مرتبہ بلانے پر بھی وہ نہ آئی تھی۔حیام نے سب سے پہلے ایک پلیٹ تیار کر اُسے بھجوائی تھی۔وہ اُس کے بغیر کیسے کھا سکتی تھی؟آج یہ تو طے ہو گیا تھا کہ باہر دکھنے میں حویلی کی سیدزادیاں جتنی سلیقہ مند لگتیں تھیں،قریب سے اتنی پھوہڑ تھیں۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

سورج ڈھل چکا تھا۔حیام اپنے کمرے میں بیڈ پر پاؤں زمین پر لٹکائے بیٹھی تھی جب سعدیہ دروازہ کھول اجازت مانگ اندر چلتی آئی۔

"ادھر آکر بیٹھو۔۔۔"

حیام نے اُسے بیٹھنے کا کہا تو وہ چل حیام کے سامنے آکر وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔اُس کے یوں زمین پر بیٹھنے پر حیام فوراً کھڑی ہوئی اور اُسے دیکھ بولنے لگی۔

یہ کیا کر رہی ہو؟زمین پر کس نے بیٹھنے کو کہا ہے؟ادھر اوپر بیٹھو میرے برابر"

"میں۔۔۔

حیام کو معلوم تھا کہ حویلی کی تمام ملازمائیں یوں ہی کبھی کسی سیدزادی کے برابر نہ بیٹھی تھیں۔ملازمین تو دور کی بات،مراله کی کوئی عورت بھی کبھی اُن کے برابر نہ بیٹھی تھی۔

"مجھے بیٹھنے دیں سیدہ بی بی۔"

اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔حیام نے جھک کر اُس کے ہاتھ تھام اُسے کھڑا کیا اور ایک طرف رکھی کرسی کھینچ کر اُسے بٹھایا۔جب اُس کی تسلی ہو گئی کہ وہ اُس کے برابر

نہ سہی لیکن زمین پر بھی نہیں تھی تو وہ واپس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ ایسا کیوں کر رہی ہو؟ مجھے گنہگار مت کرو۔"

حیام کی نظریں سعدیہ کے جھکے چہرے پر رینگتے آنسوؤں پر تھیں۔

"یقین کریں سیدہ بی بی! اگر سے میں کچھ عرصہ پہلے والی سعدیہ ہوتی تو دھڑلے سے آپ کے برابر میں بیٹھ جاتی لیکن اس حویلی نے جہاں آپ کو بدلہ ہے وہاں میرے اندر کا بھی کچھ حصہ بدل گیا ہے۔"

حیام نے جواباً کچھ نہ بولا۔

"آپ کو معلوم ہے جب آپ یہاں آئیں تھیں؟ میں پہلی مرتبہ آپ سے ملی اور دیکھا کہ آپ اس حویلی سے، یہاں کے لوگوں سے کتنی نفرت کرتی ہیں تو میں جی ہی جی بڑا خوش ہوئی تھی۔ جانتی ہیں کیوں؟"

سعدیہ نے چہرہ اُٹھا کر حیام کو دیکھا جس نے محض نفی میں سر ہلایا۔

"ایک مرتبہ میں حویلی آئی تھی پہلے بھی بے بے کے ساتھ، تب بہت چھوٹی تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اپنی بے بے کو اماں بیگم کے قدموں میں بیٹھے دیکھا۔ میری بے بے نے اُن کے گھٹنوں کو تھام رکھا تھا۔ بس وہ ایک نظر ایک کم عمر، کچے ذہن کی

لڑکی کی یادداشت میں بڑی پکی ہو گئی۔ اُس لمحے مجھے اماں بیگم سے حقارت محسوس ہوئی۔ وہ میری بے بے تھی، میرا کل جہان اور وہ کسی عورت کے قدموں میں بیٹھی تھی تو میرا جگر چھلنی ہوئے جاتا تھا۔ جوں جوں وہی کم عمر لڑکی بڑی ہوتی گئی، وہ نفرت پکی ہوتی گئی۔ پھر نجانے کیا سوچ کر اُس لڑکی نے حویلی آنے کا فیصلہ کیا اور آ گئی۔ اب دیکھیں مجھے، میں وہی ہوں نا اور آج میں خوشی خوشی اپنی بے بے کی جگہ بیٹھنے کو تیار ہوں۔"

"کیوں؟"

حیام نے سوال کیا۔

"کیونکہ آج جانی ہوں کہ اس مرالہ میں موجود ہر شخص کیوں اس حویلی کے لوگوں کے سامنے جھک جاتا ہے۔ یہ عزت ہے جو لوگ دل سے یہاں کے مکینوں کی کرتے ہیں۔ اس حویلی کے لوگوں کی پاکدامنی ہے جو مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں بھی بدل جاؤں اور پھر آپ نے ہی تو کہا تھا منال بی بی سے کہ سب نفرتیں بے بنیاد ہیں۔ میرا بھی بغض بے بنیاد نکلا ہے۔ سیدہ بی بی! اور جانتی ہیں میری بے بے مجھے ہمیشہ کہا کرتیں کہ حویلی سے آئے کھانے پر دروازہ نہ بند کیا کر، اللہ کا رزق ہے۔ اُس کے رزق کی بیحرمتی کرو تو وہ لے لیتا ہے سب اور مجھے ہمیشہ یہ گمان رہتا کہ میں حویلی کے لوگوں کا

www.neweramagazine.com

جوٹھ کیوں کھاؤں؟ کیا دولت انسانوں میں اس قدر تفریق کر دیتی ہے؟ لیکن آج جب آپ نے اپنی پلیٹ بھرنے سے پہلے، اپنے منہ کا نوالہ خود سے چھین کر میرے حصے کی جھولی میں ڈال دیا تو معلوم ہوا ہے کہ میرا گمان صرف گمان ہی تھا۔اور گمان تو ہوتے ہی ٹوٹنے کے لیے ہیں۔اب دیکھیں میرے اس جھکے سر اور میری آنکھوں میں موجود شرمندگی کو، میں بہت گنہگار ہوں۔میں جانتی ہوں کہ آپ ایک دن اس حویلی کو سر تا پاؤں بدل دیں گی، آپ نے بدل دیا ہے۔میں بے بے سے کہتی تھی کہ سیدہ بی بی خاص ہیں۔وہ باقی سب کی طرح نہیں ہیں۔اب میں بدل رہی ہوں تو مجھے بدلنے سے نہ روکیں۔میں اس لیے نہیں آپ کی برابری میں بیٹھنے سے انکاری ہوں کہ حویلی کے اصولوں سے ڈر گئی ہوں، اس لیے نہیں بیٹھنا چاہتی کہ کوئی اصول ہیں ہی نہیں۔ اس حویلی میں عزت ہے جس کا بیج میرے دل میں بو کر اُس کا تنا یوں مضبوط ہو کر نشوونما پا گیا ہے کہ اُس کا بوجھ مجھے جھکنے پر مجبور کر رہا ہے۔مجھے جھکنے سے مت روکیں۔"

اب کے حیام کے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"لیکن سب لوگ خدا کی نظر میں برابر ہیں سعدیہ۔ تمہیں خود کے سامنے جھکنے کی اجازت دے دوں گی تو میرا غرور، میرا فخر جھک جائے گا۔اماں ٹھیک کہتی تھیں کہ

میری ماں، میرے بابا نے میری پرورش اچھی نہیں کی۔اُنہوں نے مجھے سیدزادی بننا نہیں سیکھایا۔خیر آج مجھے لگتا ہے کہ اُنہوں نے مجھے ایک مکمل عورت بننا بھی کہاں سیکھایا ہے؟ہاں، لیکن مجھے انسانیت ضرور سیکھائی ہے۔اب اگر انسانیت کی ڈور بھی چھوڑ دوں گی تو میرے ماں بابا بالکل فیل ہو جائیں گے۔مجھ پر یہ ظلم مت کرو۔"

"انسانیت کہتی ہے کہ میں آپ کے قدموں میں نہ بیٹھوں تو نہیں بیٹھوں گی لیکن دیکھیں آج جہاں میں بیٹھی ہوں،اس سے اونچا کوئی مقام ہے بھی تو بھی مجھے وہاں نہ بٹھائیے گا۔مجھے اپنے برابر مت آنے دیجئے گا۔"

حیام نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا اور بولی۔

"فلحال تو میں تم سے بھی کہیں نیچے،پستی میں ہوں۔مجھے خود کو تلاشنے دو پھر فیصلہ کریں گے کہ خدا کی عدالت میں کون کس کے برابر میں بیٹھے گا اور یقین کرو کہ میں سیدزادی ہو کر بھی ہار جاؤں گی۔اُس کی عدالت میں سب برابر ہو جائیں گے،چاہے سے کوئی بھی زات نکلتی ہو اور یہ میرا وعدہ ہے کہ بیشک اس حویلی کے ملازم عزت میں سر جھکا کر رکھیں لیکن ایک دن وہ جھکے ہوئے سر میں بھی ہم سب کے برابر میں بیٹھیں گے۔"

حیام وہاں سے اُٹھ کر باتھ روم کی جانب چل دی جب رُک کر ایک مرتبہ پھر سعدیہ کو پکارا۔

"تمہیں یہ کیوں لگتا ہے کہ میں یہ حویلی بدل دوں گی؟"

اُس کے سوال پر سعدیہ مسکرا کر کھڑی ہوئی۔ آنسو پونچھتی چل کر حیام کے قریب آئی۔

دھیان سے دیکھیں، اس حویلی کے لوگوں کے دل آپ نے بدل دیئے ہیں تو کیا آپ "کے لیے مشکل ہے کہ یہ حویلی بدل جائے؟"

وہ کمرے سے جا چکی تھی جبکہ حیام وہیں اپنی جگہ پر جم گئی۔

اماں بیگم کی بارات لوٹانے کے بعد ماحول میں بے چینی سی تھی، یوں تو پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ کسی سیدزادی کی یوں تذلیل ہوتی۔ لیکن فیصلہ بھی اُسی وقت کر دیا گیا تھا۔ اماں بیگم کے والد کی سرپرستی میں ایک سیدزادہ تھا، محمد افضل جو عرصے سے اُن کے ساتھ اُن کے کام دیکھتا، اُن سے سیکھتا، اُن کی بہت عزت کرتا۔ اُس کے ماں باپ نہ تھے سو اُنہوں نے بھی اُسے اپنے بیٹے کی طرح پالا۔ ایک وہی تھا جو اُن کی عزت ڈھانپ سکتا

تھا۔ وہ رتبے میں کہیں بھی اماں بیگم کے برابر نہ تھا لیکن وہ سادات تھا اس سے بڑھ کر کیا دولت چاہیے تھی اُنہیں؟ اُن کے ایک کہنے پر اُس کل کے لڑکے نے سر جھکا لیا تھا۔ اگلے چند گھنٹوں میں اماں بیگم اُس افضل نامی سید زادے کے نکاح میں تھیں۔

یہ حویلی جہاں سب رہتے تھے، یہ ورثے میں ہی تو اماں کو ملی تھی۔ جب تک وہ سہاگن رہیں کبھی اپنے شوہر کو اُس کی غربت اور اپنے رتبے کا طعنہ تک نہ دیا۔ اماں بیگم نے جیسے اپنی پرورش کا مان رکھا تھا، اپنا رشتہ نبھایا تھا، جس محبت کے ساتھ اپنے ہمسفر کے ہمراہ زندگی گزاری، پورا خاندان اُن پر رشک کرتا۔

لیکن زندگی میں جہاں انسان خوشیاں جیتا ہے، وہیں غم بھی تو جھیلتا ہے۔ اماں بیگم نے بھی زندگی میں بہت کچھ دیکھا، بہت کچھ سہا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد اپنے ماں باپ کھو دیئے اور پھر اپنا شوہر لیکن زندگی تو چلتے رہنے کا نام ہے۔ اپنی اولاد کو سینے سے لگائے جیتی رہیں۔ وقت نے اُنہیں سخت اور کڑوا بنا دیا لیکن اُن کا اندر ابھی بھی کسی روئی کے گالے کی طرح نرم تھا، بس کسی اپنے کی توجہ کا پیاسا۔ اولاد جوان ہو گئی، یہ کوئی اُن سے پوچھتا کہ اکیلی عورت اور وہ بھی سید زادی اس معاشرے میں کیسے اولاد کی سرپرستی کرتی ہے؟ اُنہیں کیسے پالتی ہے؟ شوہر کی وفات کے بعد اماں بیگم اپنے بچوں کو لیے حویلی میں آ گئیں۔ وہی حویلی جہاں اُن کا بچپن گزرا تھا۔

اولاد کی زمہ داریوں سے بھی جان بخشی کی لیکن کہیں نا کہیں غلط فیصلے انسانوں سے ہو جایا کرتے ہیں۔ایک غلطی اماں بیگم سے اپنی بیٹی کے معاملے میں ہو گئی۔خاندان میں کسی شادی پر جانا ہوا تھا وہیں اُن کے ننھیال میں ہی کسی دور پڑے کے جاننے والوں میں سے کسی لڑکے کا دل حاجرہ پر آگیا اور عورت ذات جو شروع سے ہی کم عقل، نجانے کب، کیسے، کیوں وہ بھی اُس کی نظروں کے سامنے موم ہو گئیں۔وہ حاجرہ کو خط لکھنے لگا جو حویلی میں اُن کی خاص ملازمہ کے ہاتھ اُن تک پہنچتے۔اُنہوں نے کبھی پلٹ کر کسی خط کا جواب تک نہ دیا لیکن مرد کی محبت بھری دو باتیں عورت کو ہرانے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔وہ کب اُس خاموش محبت کے سفر میں بہت آگے نکل گئیں، اُنہیں معلوم ہی نہ ہوا۔قیامت تو تب نازل ہوئی جب ایک دن اُن کے لیے لکھا گیا خط اماں بیگم کے ہاتھ لگ گیا۔اپنے بیٹوں کو اس سب معاملے سے انجان رکھا کہ کہیں کل کو نازل ہونے والا عذاب آج ہی نہ آجائے لیکن حقیقت کہاں چھپتی ہے؟ اُن کے بیٹوں کو سب کچھ معلوم ہو گیا لیکن حیرت اس بات کی تھی کہ کوئی عذاب نازل نہیں ہوا تھا۔ وقار شاہ جو اپنی تہذیب کو لے کر سخت مزاج تھے، اپنی بہن کی محبت کے آگے ہارے ہوئے جواری کی مانند سر جھکائے اپنی ماں کے آگے بیٹھے تھے۔

بات صرف حویلی کی چار دیواری میں قید تھی تو اُسے قید ہی رہنا چاہیے تھا۔جو کچھ اُس

حویلی میں ہوچکا تھا اُس سب کے بعد حویلی کے دروازے بند کر دیئے گئے، ہر عورت کے لیے۔ معاشرہ اس سے پہلے اُس حویلی میں موجود سیدزادیوں کی کردار کشی کرتا، یہی بہتر تھا کہ اُن کو معاشرے کے شر سے محفوظ کر لیا جاتا، اُس کا سایہ بھی اُن پر نہ پڑنے دیا جاتا۔

محبت کوئی گناہ تو نہ تھا، پسند کرنا کوئی گناہ نہیں تھا لیکن جس لڑکی کے سر پر باپ کا سایہ نہ ہو کہ وہ وقت آنے پر اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھے بتا تجھے آیا ہوا رشتہ پسند ہے کہ نہیں؟ تیری مرضی ہے یا نہیں؟ کوئی اور پسند ہے یا نہیں؟ تو وہ گناہ ہی ہوتا ہے۔ جب لڑکی کی پرورش اکیلی ماں نے کی ہو تو وہ گناہ ہی ہوتا ہے، ہوتا ہے نا؟ لیکن اماں بیگم تو سمجھتی تھیں چاہے سے جاہل معاشرہ سمجھتا یا نہیں، وہ جانتیں تھیں کہ پسند نہ پسند کا اُن کی بیٹی کو حق تھا۔ اور دیکھا جاتا تو حاجرہ نے کوئی غلط راستے کا انتخاب نہ کیا تھا، نہ تو وہ چھپ چھپ کر اُس لڑکے سے ملیں تھیں نہ ہی محبت کے دعوے کیے تھے۔

صلح مشورہ کر لینے کے بعد اُس لڑکے کو بلاوہ بجھوایا گیا۔ بیٹھ کر بات کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سیدزادہ ہی تھا لیکن اماں بیگم خود اُس کے خاندان کو نہ جانتیں تھیں۔ اُس کا خاندان کسی دوسرے گاؤں بستا تھا۔ اپنے ماں باپ سے کچھ رنجشیں تھیں کہ وہ اُن کو لے کر نہ آ سکتا تھا۔ چاہے سے وہ لڑکا ان کی بیٹی سے سچی محبت کرتا تھا لیکن کچھ اصول

تھے جنہیں پورا کرنا فرض تھا۔وہ فرائض تھے اُن کے اپنی بیٹی کو لے کر لیکن اُن فرائض میں اُن سے کوتاہی ہوگئی۔

کرنا تو یہ چاہیے تھا کہ اُس لڑکے،اُس کے خاندان کو جانچا جاتا۔کہنے کو تو پہلی مرتبہ یوں تھا کہ کوئی سیدزادی برادری سے باہر جارہی تھی لیکن بیٹی کی محبت کہ دو بول نکاح کے پڑھوا کر رخصت کر دیا گیا۔کہتے ہیں کہ جب مقدر کی دھول چہرے پر پڑنی ہی ہو تو انسان اندھا ہو جاتا ہے۔اس حویلی کے لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔رخصتی کے دو ہفتوں بعد ہی حاجرہ واپس حویلی میں آگئی،ایک سہاگن کے روپ میں نہیں بلکہ ایک بیوہ بن کر۔جب پانی سر کے اوپر سے گزر گیا تو معلوم ہوا کہ وہ لڑکا چاہے سے اچھا، خاندانی،نیک کیوں نہ تھا؟اُس کی اپنی ماں باپ سے رنجشیں وقتی نہ تھیں،بہت مہنگی پڑ گئیں۔کہنے کو زمین جائیداد کے جھگڑے تھے دو خاندانوں کے مابین۔اُس لڑکے کے گھر والے اپنا حصہ چھوڑنے کو تیار نہ تھے جبکہ وہ چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ دیا جائے۔یہ جھگڑے نسلیں اُجاڑ دیتے ہیں لیکن کوئی نہ سمجھا،کوئی نہ مانا۔۔۔۔

اور وہی ہوا تھا،جائیدادی جھگڑوں نے نسل کے ساتھ ساتھ زندگیاں بھی اُجاڑ دیں۔وہ وقت تھا اور اب یہ وقت تھا کہ حاجرہ یعنی کہ حویلی اور مرالہ کی باجی بیگم نے خود کو

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کمرے میں قید کر لیا تھا۔اب اُن کی زندگی محض اپنے خدا سے معافی، بخشش کی طلب گزاری میں گزرنی تھی۔اُنہوں نے خود کو دنیا سے الگ کر لیا تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

جب انسان خود سے حالتِ جنگ میں ہو، ہر جانب سے اُس پر وار کیے جا رہے ہوں، زخموں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہو تو کہیں نا کہیں جلد بازی میں انسان اپنے ماضی میں کیے غلط فیصلوں کے باوجود پھر سے غلطیاں دہرا جاتا ہے۔اماں بیگم نے اپنی زندگی میں رشتوں کی ڈور الجھ کر سُلجھتے بھی دیکھی تھی اور معاشرے کے خلاف جا کر ایک سیدزادی، نہیں بلکہ ایک عورت کو محبت کی اجازت بھی دے کر دیکھی تھی لیکن اُن کے ہاتھ دونوں صورتوں میں خالی رہ گئے۔اب وقت تھا کہ الجھی ہوئی کچھ ڈوریں جو باقی تھیں، اُنہیں مضبوط گرفت میں لے کھینچ لیا جاتا۔اُن کی الجھنیں خود سُلجھائی جاتیں۔

حویلی میں بسنے والوں کے دلوں میں خوف پروان چڑھ رہا تھا۔اُنہیں حویلی کے دروازے بند کر دینے سے کچھ نہ ملا تھا۔اُنہیں اب دلوں کے دروازے بند کرنا تھے اس سے پہلے کہ ہتھیلی میں موجود خاک چُھٹتی چلی جاتی۔

منال کی عمر ابھی شادی کے قابل کہاں تھی؟ لیکن اُس کی زندگی کے فیصلے وقت سے بہت پہلے کر لیے گئے۔ اُس کی بات پکی کر دی گئی اور کچھ ہفتوں، یا نہیں شاید دنوں کے بعد رخصتی بھی کر دی گئی۔ اب کے رشتہ بھروسے مند تھا، لڑکا وقار شاہ کا خاص تھا لیکن شاید قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ بعض اوقات انسان کو اپنوں کی بھی تفتیش کر لینی چاہیے، نجانے اُن اپنوں کے کتنے چہرے ہوں؟

وہ لڑکا انسان نہیں تھا، درندہ تھا۔ نجانے کیسے اتنے سال انسان ہونے کا ڈھونگ رچاتا رہا۔ اُس کا تن من تو انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ وہ اُسی خاندان کا تھا جن کو اماں بیگم کے لیے لوٹایا گیا تھا۔ نجانے کہاں سے اُن کے خاندان میں کوئی شاہ بن کر اُٹھ آیا تھا؟ نجانے وہ کس کا بیٹا تھا؟ لیکن وہ اُسی بے عزتی کا بدلہ لینے آیا تھا اور بدلہ بھی کیا خوب لیا، حویلی کی سب سے حساس لڑکی اُس کی زد میں آگئی۔ کیا کچھ نہ سہا اُس نے؟ منال اُس اذیت ناک رشتے میں محض ایک سال قید رہی لیکن وہ ایک سال اُس کے لیے سو صدیاں تھیں۔ کیا کچھ نہ سہا اُس نے اُس جاہل انسان کے ہاتھوں؟ کبھی اپنی عزتِ نفس پر چوٹ، تو کبھی اُس انسان کی مار۔ وہ مرد درندے ہی ہوتے ہیں جو عورتوں پر ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔ وہ انسان سیدزادہ کہلانے کے بھی لائق نہ تھا۔

یہ سادات کب سے اپنی نسلوں کو انتقام اور نفرت کی گھٹی دینے لگ گئے تھے؟ سادات بدل رہے تھے، وہ بھی دنیا جیسے ہوتے جارہے تھے۔ اُنہیں دنیا جیسا نہ ہونا تھا۔ اگر پھر پوری دنیا میں اکیلی اماں بیگم نے آگے بڑھ کر اپنا رتبہ اپنے اصول بنا کر محفوظ کرنا چاہا تو کیا غلط تھا؟ جوں جوں دنیا میں جہالت بڑھتی جارہی تھی، سادات کی عزت کرنے والے کم پڑتے جارہے تھے۔ دنیا اب کبھی مردوں کے ہاتھ جالگتی تو کبھی عورتیں اُسے اُن سے چھین اپنی انگلیوں پر نچانے لگتیں لیکن سیدزادیوں کو یہ نہیں سیکھنا تھا۔ اُنہیں مردوں سے دو قدم پیچھے ہی چلنا تھا۔

منال۔۔۔ آہ! منال، اُس نے لوگوں کی زبان سے چلنے والے نشتر بھی سہے اور کبھی اپنے کم ظرف شوہر کے تھپڑ۔ اُس کی صحت گھٹتی گئی اور بدن تیلی کی طرح سوکھتا گیا۔ وہ ماں بننے والی تھی تو بھی اُس کے چہرے پر وہ خوشی نہ تھی جو ایک عورت کے چہرے پر ہونی چاہیے۔ اُس کا جسم زخموں سے بھرا پڑا تھا۔ وہ لوگ اُس کے زخم بھرنے ہی نہ دیتے تھے۔

وہ عرصہ حویلی والوں کے لیے بڑا سکون دہ تھا۔ اُن کے لیے ان کی بیٹی خوش حال تھی لیکن وہ تو مر رہی تھی۔ ہاں، اُس کی سانسیں اٹک رہیں تھیں۔ اُس نے خود کو ایک رات

پھر مار کھاتے دیکھا۔اُس کی نظر دھندلا رہی تھی۔اُس کے بدن میں ٹھیسیں اُٹھنے لگیں۔درد بڑھ رہا تھا۔

ہر طرف تاریکی تھی۔بڑی مشکل سے آنکھوں کی جھالر کھلی تو تیز روشنی نے اُس کا استقبال کیا۔وہ اُٹھنا چاہتی تھی لیکن اُس کے بدن کا درد،اُسے سب یاد آنے لگا۔اُس کے آنسو شدت سے بہنے لگے۔وہ چیخ وپکار کر رہی تھی۔اُس کی سسکیاں درودیوار ہلا رہیں تھیں۔وہ ہاسپٹل میں موجود تھی۔اُس کے رونے میں موجود اذیت اُس کے کمرے میں موجود اُس کے بھائی،شاہ میر بخاری کے لیے موت کا سا فرمان تھا۔وہ خود کو اُس بستر پر پڑی لڑکی کا بھائی کہتا تھا تو کیسے وہ اپنی بہن سے غافل رہا؟نجانے کس نے اُسے فون کر کے وہاں بلایا تھا۔منال کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی لیکن اُس کی اولاد اُس سے چھین لی گئی تھی۔سب رابطے توڑ دیئے گئے تھے محض ایک طلاق نامہ اُس کا منتظر تھا۔

جہاں اُسے لگا کہ اذیتوں سے بھرا وہ ایک سال ختم ہوا،اب یہ بدن کی درد رفتہ رفتہ ماند پڑتی جائے گی وہیں اُس پر بڑی بے دردی سے وار کیا گیا تھا۔اُسے جسم کی آزادی تو مل گئی تھی لیکن اُس کی روح چھین لی گئی تھی۔وہ دن تھا کہ وہ لڑکی کٹھور ہو گئی،نہ صرف حویلی والوں کے لیے بلکہ خود کے لیے بھی۔

وہ چاروں اس وقت حیام کے کمرے میں کھلے گلاس ڈور کے سامنے زمین پر بیٹھی تھیں۔ باہر چلتی ہوا اُنہیں سکون بخش رہی تھی لیکن اُن کے اندر جو آگ اُبال کھا رہی تھی وہ اُنہیں سکون کہاں لینے دیتی تھی؟ اُن چاروں کی آنکھیں نم تھیں۔ منال نے آج پہلی اور آخری مرتبہ اپنے زخم اپنے ہی ہاتھوں سے کریدے تھے۔ حیام نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اُس کے ساتھ لگتے ہی منال کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ وہ آج اتنے سالوں بعد ماضی میں ہو کر آئی تھی۔ حیام نے اُس کا چہرہ اپنے سامنے کر اُس کے آنسو پونچھے۔

"تم نے آج مجھ سے پوچھا تھا نا کہ جسم پر لگے نشانات مندمل ہونے سے روح کے زخم بھر جاتے ہیں کہ نہیں؟"

حیام کے پوچھنے پر منال نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں خدا سے دور تھی، تم تو نہیں تھی نا؟ پھر تم کیسے نہ دیکھ سکی؟ شاہ ویر، وہ تمہاری دوا ہے۔ کیا اُسے دیکھ کر تمہیں نہیں لگتا کہ تم بالکل ٹھیک ہو؟ تمہیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں؟"

منال نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر اتنی بے یقینی؟"

حیام کے سوال پر وہ بول پڑی۔

"میں بے یقینی کے نہیں بلکہ خوف کے سمندر میں گھری ہوں۔میرے بیٹے کی رگوں میں اُس درندے کا خون گردش کرتا ہے۔اگر وہ بھی اُس جیسا۔۔۔"

کرن نے اُس کی بات کاٹی۔

"اللہ نہ کرے۔۔۔"

منال نے اُسے چہرہ موڑ کر دیکھا۔

"وہ کیوں ہو گا اُس جانور جیسا؟ادھر دیکھو منال۔۔۔"

منال اب حیام کو تک رہی تھی۔

"شاید کہ اُس درندے کی پرورش میں کوئی کوتاہی رہی ہو،اُس کے لیے ایک ماں کم پڑ گئی ہو گی لیکن شاہ ویر۔۔۔اُس کے پاس تم ہو،تم سے اچھی اور مکمل ماں اُسے کہاں ملے گی؟اُس کے پاس کرن ہے،اُس کی سگی خالہ اور خالہ بھی تو ماں ہوتی ہے؟یہ کرے گی تمہارے ساتھ مل کر اُس کی پرورش اور مناہل؟یہ چھوٹی ضرور ہے لیکن اس کا دل شاہ ویر کے لیے یونہی دھڑکتا ہے جیسے کہ تمہارا یا کرن کا۔خون کے رشتوں میں

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عمر کہاں معنے رکھتی ہے؟ رویے معنی رکھتے ہیں اور شاہ میر بھائی؟ دیکھنا وہ اس کے اتنے لاڈ اُٹھائیں گے کہ تم تنگ پڑ جاؤ گی لیکن وہ اسے بگڑنے نہیں دیں گے۔ اسے انسان بننا سیکھائیں گے اور اس حویلی کے بڑے۔۔۔"

حیام ہنس دی۔

"وہ تو اس کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔"

"اور آپ؟ آپ کیا کریں گی اس کے لیے؟"

مناہل نے سوالوں کا رُخ اُس کی جانب موڑ دیا تو حیام ہنس دی۔

"دیکھا، ابھی کہہ رہی تھی نا میں کہ یہ چھوٹی دِکھتی ضرور ہے لیکن ہے نہیں۔"

حیام کہہ کر اُٹھ گئی تو منال نے اُس کا ہاتھ کھینچ کر اُسے واپس اپنے سامنے بٹھایا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے وہ، تم کیا کرو گی شاہ ویر کے لیے؟"

حیام کتنی ہی دیر اُس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ آنسو کا ایک قطرہ اُس کی پلکوں سے ہو کر چہرے پر پھسلتا چلا گیا۔ حیام نے نگاہیں پھیر لیں۔

"میں کیا کروں گی کچھ کر کے؟ اُس کے لیے اُس کے اپنے ہیں نا؟ میں اُس کی کچھ بھی نہیں لگتی۔ میرا شاہ ویر سے بس اتنا تعلق ہے کہ میں نے اُس کا نام رکھا ہے بس۔"

"تم کتنی کٹھور ہو حیام؟ تم نے میری بہن کی زندگی میں مجھ سے بھی اہم جگہ لے لی ہے اور کہتی ہو کہ اُس کے بیٹے کی کچھ نہیں لگتی۔ آج اگر منال کو کسی اپنے کی ضرورت ہو تو وہ آنکھیں بند کر کے میرا نام بھول جائے گی، اپنی سگی بہن کا اور جھٹ سے تمہارا نام اُس کے لبوں سے آزاد ہو جائے گا۔"

کرن کی بات پر حیام کے آنسوؤں میں اضافہ ہوتا گیا۔

"تم حیام، تم میری محبت کی یوں تذلیل تو مت کرو۔"

منال نے اپنے ہاتھوں میں قید حیام کا ہاتھ چھوڑ دیا تو حیام نے تڑپ کر اُس کے ہاتھ پھر تھامے۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ میں خالی ہاتھ ہوں۔ میرا دل، سب کچھ خالی ہے۔ میں کیا دے سکوں گی؟ تم اُسے میرے سائے سے بھی محفوظ رکھنا منال۔۔۔"

منال نے اُس کو بولنے سے روکا۔

"چپ کر جاؤ تم۔ تم سے کیسے دور کر دوں میں اُسے؟ میں جانتی ہوں میرے علاوہ اگر کوئی ہے جو اُسے ماں کی نظروں سے دیکھ سکتا ہے تو وہ تم ہو۔ جب ہم سب اُسے انسان بنانے کی تگ و دو میں جُت جائیں گے تو اُسے ماں بن کر کون دکھائے گا؟ تم اُس کی ماں

بن جانا۔تم سی سچی محبت تو کوئی نہیں کر سکتا اور میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تم میری بہن ہو، تم شاہ ویر کی آنی ہو، اُس کی ماں ہو۔"

حیام روتے ہوئے اُس کے گلے لگ گئی۔کوئی تو تھا جس کے لیے وہ ضروری تھی، اہم تھی۔جس کو اُس کے ہونے یا نہ ہونے سے فرق پڑتا تھا۔کرن اور مناہل بھی اُن دونوں کے ساتھ چپک گئیں۔اُن چاروں میں جو رشتہ تھا وہ دل کا رشتہ تھا۔خون کے رشتے تو بہت بعد میں آتے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ سب کی سب رات حیام کے کمرے میں ہی سو گئیں تھیں۔منال، حیام کے ساتھ بیڈ پر جبکہ کرن فرشی قالین پر بستر بچھا کر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی تھی اور مناہل کمرے میں موجود واحد صوفے پر سوئی ہوئی تھی۔فجر کی آذان شروع ہوتے ہی حیام کی آنکھ معمول کے مطابق کھل گئی۔سامنے منال کا چہرہ دیکھ مسکرانے لگی۔اتنے تھوڑے سے عرصے میں وہ حیام کو کتنی پیاری ہو گئی تھی۔ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ منال کی بھی آنکھ کھل گئی۔حیام کو اپنی جانب مسکراتا دیکھ وہ بھی مسکرانے لگی۔

"یوں کیوں مسکرا رہی ہو؟"

دور فجر کی آذان ہو چکی تھی لیکن وہ دونوں اب بھی جوں کی توں لیٹی تھیں، شاید رات دیر تک جاگنے کی بدولت۔

"یوں ہی، کچھ سوچ رہی تھی۔"

"کیا سوچ رہی تھی؟"

منال نے آنکھیں چھوٹی کر سوال پوچھا۔

"یہی کہ اگر تم لڑکا ہوتی تو شاید مجھے تم سے دوسری محبت ہو جاتی۔"

حیام ہنستے ہوئے اُٹھ بیٹھی اور بیڈ سے ٹیک لگا کر چھت کو تکنے لگی۔ بیڈ کے ارد گرد سفید پردے ہوا سے جھول رہے تھے۔

"کیا پہلی محبت کے بعد دوسری محبت ہو جاتی ہے؟"

منال نے اُس کے چہرے کے تاثرات جانچتے ہوئے سوال کیا۔

"معلوم نہیں، لیکن اب لگتا ہے کہ ہو جاتی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"دیکھو نا، جس سے پہلی محبت ہوتی ہے وہ نہ ملے تو زندگی تنگ ہونے کا گمان ضرور ہوتا ہے لیکن ہوتا کچھ بھی نہیں۔ وہ شخص ملتا بھی نہیں۔ ایک نہ ایک دن کوئی دوسرا

مجبوری کے نام پر، تو کبھی ماں باپ کی عزت کے نام پر آپ کی زندگی میں شامل ہو جاتا ہے۔ پھر انسان اُسے خدا کی رضا سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ کچھ پہلی محبت کو سینے سے لگا کر ہی خوشیوں کی تلاش میں دوسرے کا ہاتھ تھام لیتے ہیں، تو کچھ اُسے دوسری محبت کا لیبل لگا دیتے ہیں۔ تو ہو جاتی ہے نا پھر سے محبت؟"

"میں بتاؤں کچھ؟"

"کیا بتاؤ گی؟"

حیام نے چھت سے نظریں ہٹا کر منال کو دیکھا۔

"وہی جو تم سوچ رہی ہو لیکن تمہارے الفاظوں میں اُس کی جھلک تک نہیں۔"

"کیا اول فول بولے جا رہی ہو؟ میں وہی بول رہی ہوں جو سوچ رہی ہوں۔"

اب کے حیام نگاہیں پھیر گئی۔

"تم سوچ رہی ہو کہ لعنت ہو ایسی محبت پر، جس کے بعد دوسری محبت ہو جائے اور تھوں ہے ایسی ہر مجبوری پر، جس کے بعد دوسری محبت کا لیبل اُٹھانا پڑے۔ تمہارا دل تمہیں چیخ چیخ کر ہر روز یہ بتاتا ہے کہ تم اب ہر محبت کے لیے ناکارہ ہو گئی ہو۔ محبت تو

انسان ایک بار ہی کرتا ہے۔فرق بس اتنا ہے کہ کچھ لوگوں کی محبت یکطرفہ ہوتی ہے،
کچھ لوگوں کی دوطرفہ اور۔۔"

حیام کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے وہ خوب واقف تھی۔

"اور؟"

حیام کے پوچھنے پر اب کی بار منال مسکراتے ہوئے اُٹھ بیٹھی۔

"اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یکطرفہ اور دوطرفہ محبت کا فلسفہ تمہارا لوگوں سے بہت مختلف ہے۔دنیا کہتی ہے کہ محبت دوطرفہ ہوتی ہے اور مل جاتی ہے، عشق یکطرفہ ہوتا ہے اور قربان ہو جاتا ہے۔لیکن تم کہتی ہو کہ محبت یکطرفہ ہوتی ہے،لوگ بچھڑتے رہتے ہیں جب تک کہ دو امن پسند روحوں کا ملاپ نہ ہو جائے۔محبت کی اینڈنگ،اُس کا اختتام ہمیشہ خوبصورت ہوتا ہے۔لیکن جو یہ عشق ہوتا ہے نا،یہ دوطرفہ ہوتا ہے۔ یونہی تو نہیں اس کی تاثیر کالے جادو کی سی طاقتور ہوتی ہے۔دوروحیں،ایسی روحیں جو بچھڑ کر بھی خود کو ڈھونڈ لیتی ہیں،وہ جو کبھی ایک دوسرے کی نہیں ہوتیں لیکن مر کر بھی ایک دوسرے سے جُڑی رہتی ہیں۔اور وہ مرنا، مر جانا نہیں ہوتا،فقط روح کی موت ہوتا ہے۔"

حیام کے چہرے پر حیرانی واضح تھی۔

"تم۔۔۔"

منال نے حیام کی بات کاٹ دی۔

"تم۔۔۔ تم نے کبھی خود کو آئینے میں غور سے دیکھا ہے؟"

"کیوں؟"

"تم مر گئی ہو۔"

منال کی بات پر حیام ہنس دی۔وہ ہنسی خوف سے بھرپور تھی۔

"میں زندہ ہوں۔"

"تمہیں خود بھی یقین نہیں۔ تم تو زندہ ہو حیام لیکن تمہاری روح مر چکی ہے۔ تم محبت کو کہیں بہت پیچھے چھوڑ آئی ہو۔ غور سے خود کو دیکھو، آنکھیں بند کر اپنے ارد گرد کی دنیا کو محسوس کرو۔ تم اس زمین کی نہیں ہو۔اس زمین کے لوگ بہت ظالم ہیں اور تم مہربان روح ہو، جس کا اندر اور باہر بے حد شفاف ہے۔"

حیام جو کہ منال کی باتوں پر آنکھیں موندے سچ میں کھو گئی تھی، آنکھیں کھولتی منال کو تکنے لگی۔اب کی بار حیام کی پلکیں نم تھیں۔

"تم غلط سمجھی ہو۔میں عشق کی منزل پر چلنے والے مسافروں میں سے نہیں ہوں۔میں محبت کی بھی سب سے نچلی سطح پر ہوں۔میری روح ابھی اپنی پسندیدہ آماجگاہ کی متلاشی ہے۔"

منال اُس کی بات پر کھل کر ہنسی۔

"تم انجان بنناچاہو تو شوق سے بنو۔خود کو تکلیف دیناچاہو تو چاہے سے دو لیکن آنسو بہاؤ گی تو اس عمل کی اجازت میں تمہیں ہر گز نہیں دوں گی۔آج تمہیں یہ بتادیتی ہوں اور تم اسے حفظ کرلو کہ آرز حسن تم سے چاہ کر بھی منہ نہیں موڑ سکتا۔وہ انسان تمہارے چہرے پر محبت سے انکاری ہو گیا ہے اور بیشک وہ زندگی بھر انکاری رہے، تم جان لو کہ وہ خود سے انکاری نہیں ہو سکتا۔اُس انسان کی روح تمہاری اسیر ہے۔تم دونوں ہر مرتبہ، ہر حالات، ہر مشکل کے بعد بھی ایک دوسرے کو پالو گے۔دیکھ لینا۔"

حیام کے وجود میں وہ تمام باتیں سکون گھول رہیں تھیں لیکن وہ ان میٹھی باتوں میں ڈوبنا نہیں چاہتی تھی۔

"تم اُٹھ جاؤ، فجر میں دیر ہو گئی ہے۔میں ان دونوں کو بھی اُٹھادیتی ہوں۔تب تک تم فریش ہو جاؤ۔"

حیام سر ہلاتی اپنے پاؤں گھسیٹتے اُٹھ گئی۔اُس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا جبکہ منال اب کرن اور مناہل کو اُٹھا رہی تھی۔

⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜

شہر میں بھی نئی صبح نکھری نکھری سی معلوم ہوتی تھی۔آج تو سورج کی گرمی میں بھی زور کچھ کم تھا۔آرزا اپنے کمرے میں آفس کے لیے تیار کھڑا فون پر ای میلز چھانٹ رہا تھا۔

"تجھے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو،تو وعدہ کر مجھے سب سے پہلے بتائے گا۔"

شاہ میر جو کہ بیڈ پر بیگ رکھے اپنا سامان سمیٹ رہا تھا،ساتھ ساتھ پچھلے ایک گھنٹے سے نجانے آرز سے کتنے وعدے لے چکا تھا۔

"ہاں،میرے یار!!وعدہ،وعدہ،پکا وعدہ۔اب تو نجانے کتنے وعدے لے چکا ہے تو کہ مجھے یاد بھی نہیں۔ایک بات بتا،یہ وعدہ تو نہیں لیا کہیں تو نے کہ میں سانس بھی لوں تو تجھے خبر کر دوں؟"

آرز کے مذاق پر شاہ میر نے اُسے ناراض نظروں سے دیکھا۔وہ اُس کے لیے فکر مند تھا اور اُسے کوئی خیال ہی نہ تھا۔

"اچھا،اب یوں روٹھی ہوئی محبوبہ کی طرح مت دیکھ مجھے۔کہا ہے ناکہ کچھ ہوا تو بتاؤں گا؟"

شاہ میر اپنا بیگ پیک کر چکا تھا۔سیدھا ہو کر آرز کو تکتے ہوئے بولنے لگا۔

"مجھے چھوڑ،گاؤں میں جو ایک عدد روٹھی ہوئی محبوبہ چھوڑ کر آیا ہے اُس کا کیا کرنا ہے؟"

حیام کے ذکر پر آرز کے تاثرات سخت ہوئے۔

"تو چلنے کے لیے تیار ہے تو چل ساتھ ہی نکلتے ہیں۔ورنہ میں چلتا ہوں۔ضروری میٹنگ ہے۔"

شاہ میر اُسے خاموش نظروں سے کچھ دیر دیکھتا رہا،پھر اپنا سامان اُٹھا کر اُسے ایک طرف کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔آرز گہری سانس خارج کرتا اُس کے پیچھے ہی چل دیا۔سب گھر والوں سے مل کر وہ باہر اپنی گاڑی تک آیا اور پچھلا دروازہ کھول کر سامان رکھا۔اس سے پہلے کہ وہ چلا جاتا،آرز نے اُسے بازو سے پکڑ اپنے مقابل کھڑا کیا۔

"اب تجھے کیا ہوا ہے؟"

"تو تو جانتا ہی نہیں جیسے۔"

وہ سچ مچ ناراض ہو گیا تھا۔

"تو جانتا ہے شاہ میر، آج تک ہم دونوں میں کبھی کوئی ناراضگی نہیں ہوئی اور اب ہم کسی دوسرے کے لیے۔۔۔"

شاہ میر نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے بولنے سے روکا۔

"تو اُسے دوسروں میں شامل کر کے مجھے مزید تکلیف دے رہا ہے۔ بچپن میں ہم دونوں نے ایک وعدہ کیا تھا کہ کبھی ایک دوسرے کے مخالف کھڑے نہیں ہوں گے۔ اسی لیے گاؤں میں اپنی بہن سے بھی وعدہ کر آیا تھا کہ اُس کے مخالفین میں شامل نہیں ہوں گا۔ میں سمجھا تھا کہ تو اُس کے برابر میں کھڑا ہے۔ بس اُس کے دیکھنے میں فرق ہے۔ وہ چہرہ موڑ کر دیکھتی ہے تجھے تو تو مخالف ہی نظر آتا ہے۔ اُس دن تو گاؤں گیا تھا، اُس کے سامنے کھڑا تھا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں غلط تھا اور وہ ٹھیک کہتی تھی۔ کوئی اُس کا یقین نہیں کرتا لیکن اُس دن ہی تیرے پیچھے حویلی سے نکلتے ایک وعدہ میں نے خود سے بھی کیا تھا کہ اُسے اپنی بہن کہا ہے تو اپنا کیا وعدہ نبھاؤں گا چاہے سے وہ غلط ہو لیکن شکر ہے کہ تو غلط ہے۔ اُس سے کیا وعدہ ہر قیمت پر وفا کرنا ہے مجھے۔ اس لیے تجھ سے کیا وعدہ آج توڑ رہا ہوں میں۔"

شاہ میر کے کہنے کی دیر تھی کہ آرز کی گرفت اُس کے بازو پر کمزور ہو گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں سمجھا تھا کہ تو سمجھتا ہے مجھے۔میرا دوست،میرا بھائی ہے لیکن تو میرا کچھ نہیں لگتا"

"آج جانا ہوں یہ۔

شاہ میر نے نگاہیں پھیر لیں۔دونوں کی آنکھیں نم تھیں لیکن آنسو بہتے ہی نہ تھے۔

"تو جو کہنا چاہتا ہے کہہ دے،میں سُن لوں گا۔تو جو سمجھنا چاہتا ہے سمجھ لے،میں ایک دن تجھے سب سمجھادوں گا لیکن ابھی اس وقت میں تیرا ساتھ نہیں دے سکتا۔"

آرز کا ہاتھ خود پر سے ہٹاتا وہ گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول اندر بیٹھ گیا۔اُسے ایک نظر دیکھ وہ بخاری ہاؤس کی سرحد پار کر گیا۔وہ جاچکا تھا،شاید اُس کا چلے جانا ہی بہتر تھا۔

وہ پچھلے برآمدے میں اماں بیگم کی گود میں سر ٹکائے لیٹی تھی۔سیاہ رنگ لباس اوڑھے اُس کا چہرہ روشن تھا حتیٰ کہ اُس کا رنگ پہلے سے کملا گیا تھا لیکن پھر بھی وہ دودھیا رنگت سمیٹے ہوئے تھی۔

بس کر دے اب کتنے عرصے سوگ منائے گی؟یہ سفید اور کالے رنگ کے سوا بھی"

"کچھ پہنا کر۔

حیام مسکرائی۔

"دل نہیں چاہتا۔"

وہ شاید اب بھی منال کی باتوں کے زیرِ اثر تھی۔کچھ سوچ کر وہ اُٹھی اور گھوم کر اماں بیگم کو تکنے لگی۔

"کچھ مانگنا چاہے ہے؟"

حیام نے سرہاں میں ہلایا۔

"بول۔۔۔۔"

"مجھے باجی بیگم سے ملنا ہے۔"

"رہنے دے، واپس لیٹ جا۔"

حیام نے آگے ہو کر اماں بیگم کے ہاتھ تھام معصوم شکل بنائی۔

"پلیز۔۔۔۔"

وہ نہ ملے گی تجھ سے۔وہ جانتی ہے کہ اتنے مہینوں سے تو یہاں ہے لیکن اب تک تجھ "

"سے نہ ملی تو سمجھ جا، نہیں ملنا چاہوے ہے۔

"آپ مجھے اجازت دے دیں کہ اُن سے مل لوں۔پھر اگر میں اُنہیں راضی نہ کر سکی تو آجاؤں گی واپس۔اُن کے کمرے میں جانے کا کبھی ذکر تک نہیں کروں گی۔"

اماں بیگم تذبذب کے عالم میں اُسے کچھ دیر دیکھتی رہیں اور بولیں۔

"ٹھیک ہے، چلی جائیں۔"

اُن کے اجازت دیتے ہی حیام فوراً اُٹھ کر چلنے لگی تو اماں بیگم نے اُسے بازو سے کھینچ واپس بٹھایا۔

"ابھی مت جا، صبح فجر کے بعد جائیں۔ تھوڑی پر سکون ہو گی تو شاید آنے دے تجھے۔"

حیام اثبات میں سر ہلاتی واپس اپنی پہلی سی حالت میں اماں کی گود میں سر رکھ لیٹ گئی۔

"آپ کو پتہ ہے جب میں شہر میں ہوا کرتی تھی تو مجھے بہت عادت تھی، میں کان میں ٹوپس یا جھمکے کچھ بھی، ہاتھوں میں بھر بھر کر چوڑیاں اور انگوٹھی تو لازماً پہن کر رکھتی تھی۔ اماں مجھے ہمیشہ کہتی تھیں کہ کچھ تو چھوڑ دو جو تم شادی کے بعد کر لو۔ اپنے سارے شوق پہلے ہی پورے کر لو گی کیا؟ اور میں کہتی تھی کہ اماں وقت کے ساتھ ساتھ انسان کے شوق بدلتے رہتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے شوق بدل جائیں اور مجھے یہ افسوس رہے کہ میں نے کچھ کیا ہی نہیں۔"

"تو پھر اب کیوں نہیں پہنتی؟ شوق بدل گئے تیرے؟"

نہیں، شوق تو اب بھی ویسے ہی ہیں لیکن دل بدل گیا ہے نا میرا۔اب شوق پھر سے"

"پورے کر بھی لوں تو دل تو خائف ہی رہے گا نا؟

اماں مسلسل اُس کے بالوں میں اپنی انگلیاں چلا رہیں تھیں۔

"تو جب آئی تھی تو یہ بال بھی کھول کر رکھتی تھی، یہ عادت کیوں بدل دی؟"

اماں اُس کے چہرے کو تکتیں سوال کر رہی تھیں۔

"کہا ہے نا، دل بدل گیا ہے میرا۔۔۔"

"چل اُٹھ کر بیٹھ۔"

"کیوں؟"

حیام نے لیٹے ہوئے ہی اپنا چہرہ پیچھے کو کر سوال کیا۔

"اُٹھ تو سہی۔"

حیام کے اُٹھتے ساتھ ہی اماں بیگم نے اپنے کانوں میں موجود چھوٹی سی بالیاں جن کے نیچے ننھا سا ستارہ لٹکتا تھا، اُتار کر حیام کو تھمادیں۔

"اب کیا دیکھتی رہے گی یا پہنے گی بھی؟"

"یہ سونے کی ہیں نا؟"

"ہاں، میری ماں کی ہیں۔اُنہوں نے مجھے دیں تھیں۔ساری زندگی دل کے قریب سجا کر رکھیں۔اب تو سنبھال لے انہیں۔میں تھک گئی آں ایناں دی چاکری کر دے کر دے۔"

"اماں!! میں یہ نہیں لے سکتی۔"

حیام نے وہ اُنہیں واپس تھمانی چاہیں لیکن وہ بھی اماں تھیں۔اماں کے گھورنے پر وہ خاموش ہو گئی اور مجبوراً وہ ننھی بالیاں پہن لیں۔

اب یہ پہن لیں ہیں تو سمجھ دل تیرا پہلے سا ہو رہا ہے۔اس کے لیے آسانیاں پیدا کر، "دوست بن اپنی، دشمن نہ بن۔۔۔۔

حیام اماں کی اس حرکت کو اب سمجھی تھی۔وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن بشیرا بی آگئیں۔

"اماں بیگم! شہر سے چھوٹے شاہ آگئے ہیں۔وہ آپ سے ملنے ادھر ہی آرہے ہیں۔"

"اچھا، تو جا۔کھانا لگانے کی تیاری کر، ایسا کر ادھر ہی میز سجا دے۔جا جلدی۔"

شاہ میر کا نام سُن کر اماں کا چہرہ کھل گیا تھا۔حیام نے جلدی سے خود کو سمیٹا اور ڈوپٹہ پھیلا کر سر پر اوڑھا۔کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ شاہ میر مسکراتا ہوا برآمدے میں چلا

آیا۔

"سلام، اماں!"

اُسے دیکھ اماں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ سیدھا آکر اُن کے گلے لگ گیا۔ نجانے کتنی ہی دیر وہ اُن سے گلے لگا رہا۔ الگ ہوتے ہی حیام کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار دیا اور اماں کے ہاتھ تھام وہیں تخت پر بیٹھ گیا۔ اماں اُسے بتا رہیں تھیں کہ اُنہوں نے اُسے کتنا یاد کیا۔ اُس کے پیچھے حویلی میں کیا کیا ہوتا رہا۔ حیام مسکرا کر وہاں سے خاموشی سے اُٹھ آئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دوپہر کے کھانے کے بعد ایک مرتبہ سب پھر پچھلے برآمدے میں موجود تھے سوائے منال کے۔ حیام اماں بیگم کے تخت پوش کے آگے زمین پر کرن کے ساتھ بیٹھی تھی۔ خالدہ بیگم اماں کے ساتھ تخت پوش پر تھیں جبکہ نفیسہ بیگم ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ سامنے رکھی میز کے گرد پڑی کرسیوں پر شاہ میر کے ساتھ مناہل ٹک کر بیٹھی تھی۔ شاہ میر، شاہ ویر کو اُٹھائے اُس سے باتیں کر رہا تھا جس پر سب مسکرا رہے تھے۔

"حیام۔۔۔"

کچھ یاد آنے پر شاہ میر نے حیام کو متوجہ کیا۔

"جی، بھائی!"

دوپٹہ سر پر ٹکائے وہ اس کی جانب متوجہ کوئی۔ہاں، وہ اب ڈوپٹے کی احتیاط کرتی تھی لیکن چہرہ وہ اب بھی نہ ڈھانپتی تھی۔ خیر چہرہ تو کوئی لڑکی بھی شاہ میر سے نہ چھپاتی لیکن ملازماؤں کے سامنے زرا عزت کا خیال کیا جاتا تھا۔

یاد ہی نہیں رہا پہلے بھی آیا تھا گھر تو بھول گیا تھا۔ تمہاری امانت میری گاڑی میں پڑی ہے۔"

"کون سی امانت؟"

اُسے تو اب یاد تک نہ تھا۔

"تم نے مجھ سے شال منگوائی تھی، یاد ہے نا؟"

"اوہ ہاں، شکریہ۔۔۔"

وہ مسکرا کر واپس چہرہ جھکا گئی۔

"ویسے حیام، تمہاری سالگرہ کب آتی ہے؟"

کرن کی جانب سے اس غیر متوقع سوال پر حیام نے اُسے حیرانی سے دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry

"کیا مطلب؟ تمہیں یوں یکدم میری سالگرہ کا خیال کیسے آگیا؟"

"یونہی، شاہ میر بھائی کی سالگرہ آرہی ہے نا ایک ہفتے بعد تو اسی لیے پوچھ لیا۔"

"اچھا!! ہم سیلیبریٹ کریں گے نا؟"

"معلوم نہیں، اگر تو یہ جناب ہمیں اجازت دے دیں تو سوچا جاسکتا ہے۔"

کرن نے شاہ میر کی جانب اشارہ کرتے کہا تو حیام نے اُس کی جانب دیکھا۔ وہ پہلے ہی سے حیام کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ دے ہی نہ دے اجازت تم لوگوں کو لڑکیوں، میں اجازت دے رہی ہوں جو جی چاہے کرنا۔"

خالدہ بیگم نے خود ہی اُن کی مشکل آسان کردی جس پر مناہل اور کرن نے دل ہی دل اُن کو دعائیں دیں تھیں۔ اب اتنا تو اُن لڑکیوں کا حق تھا کہ چار دیواری میں قید جو چاہے کرتیں۔

"حیام! تم نے تو بتایا ہی نہیں کہ تمہاری سالگرہ کب آتی ہے؟"

نفیسہ بیگم نے سب کو واپس حیام کی جانب متوجہ کیا۔

"مجھے سالگرہ منانا پسند نہیں ہے تو کیا فرق پڑتا ہے کہ کب آتی ہے سالگرہ اور کب نہیں؟؟"

حیام جواب دیتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں منال کو دیکھ کر آتی ہوں۔ابھی تک چائے لے کر نہیں آئی۔"

حیام کے جاتے ہی شاہ میر نے کرن کو مخاطب کیا۔

"ابھی کچھ وقت ہے ان محترمہ کی سالگرہ میں۔تب تک امید ہے کہ شہر سے سب یہیں آجائیں گے۔پھر کریں گے کچھ۔۔۔"

جس پر مناہل اور کرن محض سر ہلا کر رہ گئیں۔کچھ دیر بعد منال نے بشیر ابی کے ہاتھ چائے کے ساتھ لوازمات سے بھری ٹرے برآمدے میں بھجوادی تھی۔وہ خود نہ آئی تھی یقیناً حیام کے ساتھ تھی۔بس پھر کیا تھا، مناہل اور کرن، وہ کیسے پیچھے رہ سکتیں تھیں؟اُٹھ کر اُن کے پیچھے ہولیں جبکہ باقی بڑے شہر کے متعلق باتیں کرنے لگے تھے۔

پریشے اس وقت باورچی خانے میں موجود کام کرنے میں مصروف تھی۔اس سارے عرصے میں اُسی نے ہی سب کو سنبھالا تھا۔وہ کام میں اس قدر مصروف تھی کہ اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ تک نہ سُن سکی۔

"پریشے!!"

بازل کے پکارنے پر اُس کے ہاتھ میں موجود گلاس گر کر ٹوٹ گیا جس کی کرچیاں پورے فرش پر بکھر گئیں۔

"یہ کیا کر دیا؟کانچ لگی تو نہیں؟"

بازل اب قریب آ احتیاط سے اُس کے پاؤں کا جائزہ لے رہا تھا۔

نہیں، نہیں لگی۔آپ ایسے خاموشی سے کیوں آئے تھے بھلا؟ڈر گئی ہوں میں۔حد "ہوتی ہے۔"

وہ الٹا اُسے سنانے لگی۔

"ہیں،ایسے ہی آتے ہیں اور کیسے آتے ہیں؟اب میں آتے ہوئے راستے میں پڑی ہر چیز اُٹھا اُٹھا کر پٹخ تو نہیں سکتا نا کہ سارے جہان کو بادشاہ سلامت کی آمد سے آگاہی مل جائے۔"

جواباً پَری نے اُسے گھور کر دیکھا تو وہ سیریس ہوا۔ حسن صاحب کے بعد یہ پہلی مرتبہ تھا جو وہ تھوڑا بہتر ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں کہنے آیا تھا کہ آفس جا رہا ہوں۔ میرے آنے تک تیار رہنا۔ تمہیں لے کر جانا ہے مجھے۔"

"کہاں جانا ہے؟"

کانچ اب تک زمین پر یونہی بکھرا پڑا تھا۔

"خالہ کی طرف۔۔ جب سے رخصتی ہوئی تم اُن سے ملنے نہیں گئیں محترمہ۔ وہ ہی امی سے ملنے آتیں رہیں اور تمہیں موقع بھی نہیں ملا اُن سے باتیں کرنے کا۔"

وہ اُسے آگاہ کر خاموشی سے جواب کا منتظر تھا۔

"میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟"

"کیا مطلب کیا کروں گی؟ وہ تمہارا گھر ہے۔"

"میرا گھر اب یہ ہے بازل، وہ کبھی میرا گھر تھا ہی نہیں۔"

وہ چہرہ جھکائے اُس کے سامنے کھڑی تھی۔

"لیکن وہاں رہنے والے تو اپنے ہیں نا؟"

"میں نہیں جانا چاہتی۔۔۔"

"پری!! خالہ نے جو کچھ کہا، جو کچھ کیا، میں کچھ نہیں بھولا ہوں لیکن میں پرانی باتوں کو فلحال درمیان میں نہیں لانا چاہتا کیونکہ اس سب سے میری ماں کو تکلیف ہو گی۔ میری ماں جس تکلیف سے اس وقت گزر رہیں ہیں، میں مزید اُن پر ظلم نہیں کر سکتا۔ جب میں اُن باتوں کو محض کچھ دیر کے لیے دفن کر رہا ہوں تو پلیز تم اُن کو چھیڑ کر مجھے اذیت مت دینا۔ میں تمہیں شام میں چھوڑ آؤں گا، رات وہیں گزار لینا۔"

وہ اپنی کہہ کر چلا گیا تھا۔ حیام کا نام نہ بھی لیا جاتا تو اُس سے متعلق کوئی بھی بات بازل کو یونہی سخت مزاج بنا دیتی تھی۔ سرد آہ بھرتی اُس نے نظریں فرش پر کانچ کی جانب کیں۔ اُسے اب یہ سارا کام سمیٹنا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شام ہونے کو آئی تھی۔ آفس سے نکل کر وہ لگاتار پچھلے پندرہ منٹ سے گاڑی ادھر اُدھر سڑکوں پر گھما رہا تھا۔ گھر جانے کا اُس کا دل نہ تھا۔ آخر کار اُس نے گاڑی کا رخ قبرستان کی جانب موڑ دیا۔ قبرستان کے سامنے گاڑی روکتے ہی وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا۔ شاید دل ہی دل اپنے ابو سے جو باتیں کرنا تھیں اُنہیں ترتیب دے رہا تھا۔ گاڑی سے اتر کر سامنے ایک طرف کھلی چھوٹی سی پھولوں کی دکان سے پھول لیے اور اندر چلا

گیا۔اپنے باپ کی قبر پر پہنچتے ہی اُس کی آنکھوں میں نمی گھلنے لگی۔اپنے باپ کے سرہانے بیٹھ کر اُن کی قبر کی مٹی پیار سے سہلانے لگا۔

حسن صاحب کی قبر کی مٹی نم تھی اور ایک طرف کو کچھ پھول پڑے تھے،وہ پھول تازہ نہ تھے لیکن بہت پرانے بھی نہ تھے۔ضرور کل یا پرسوں بازل وہاں آیا تھا۔وہ ایک مرتبہ پھر نئے تازہ لائے پھول قبر پر پھیلانے لگا۔پھولوں کی خوشبو رفتہ رفتہ پھیل رہی تھی۔اندھیرا ابھی ہر سو پھیل رہا تھا شاید تاریکی اور خوشبو مل کر ہی ماحول کو پراسراریت سے بھرپور بنا رہے تھے۔

"ابو۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

خاموشی۔۔

"ابو۔۔۔۔"

وہ جیسے کوئی جواب چاہتا تھا لیکن اُسے جواب دینے والا اب زندہ نہ تھا۔

"آپ کو معلوم ہے نا اُس دن میں بیٹھا تھا آپ کے پاس؟آپ سے معافی بھی مانگی تھی؟بتایا تھا نا میں نے آپ کو کہ میں اُسے غلط باتیں جان بوجھ کر نہیں بول کر آیا؟بس غصے میں بول دیا سب کچھ۔"

خاموشی۔۔۔۔۔۔۔

"وہ بھی تو کوئی لحاظ نہیں کرتی۔آپ نے ہی اُسے سر پر چڑھایا تھا اب دیکھیں وہ سب کے سر پر ناچنا چاہتی ہے۔"

وہ اداس مسکراہٹ مسکرانے لگا۔

"آپ چاہتے تھے کہ میں اُسے نہ چھوڑوں لیکن اب وہ نہیں چاہتی میرا ہاتھ تھامنا تو کیا کر سکتا ہوں میں؟آپ مجھے یہ تو بتا کر ہی نہیں گئے کہ وہ نہیں مانے گی تو کیسے مناؤں گا اُسے؟"

اُس کے ہاتھ مسلسل قبر کی مٹی میں رینگ رہے تھے۔

"مجھے تو اُسے منانا بھی نہیں آتا۔یہ کام تو صرف آپ کر سکتے تھے۔"

ایک آنسو اُس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر بہہ نکلا جس کے پیچھے پیچھے آنسوؤں کا سمندر بہنے لگا۔

"وہ مان نہیں رہی تھی تو میں الٹا اُسے سخت باتیں سنا آیا کہ شاید وہ روک لے مجھے،شاید کہ وہ بھی مجھے کھونے سے ڈرتی ہو لیکن روکا ہی نہیں اُس نے۔آپ فکر نہ کریں وہ روک لے گی مجھے،پکارے گی مجھے اور جب وہ پکارے گی نا مجھے؟میں سب باتیں بھول

کر اُس تک بھاگا بھاگا چلا جاؤں گا۔ میں انا کو درمیان میں نہیں لاؤں گا۔ اُسے تو یہی لگتا ہے ناکہ میں انا میں قید، قیدی ہوں۔ میں اُسے غلط ثابت کر دوں گا۔"

وہ دور آسمان کو تکتے باتیں کر رہا تھا۔

"اور اگر اُس نے مجھے نہ پکارا تو؟"

اس سوال، اس سوچ پر آرز کا دل ڈوبنے لگا۔

"پھر میں کیا کروں گا ابو؟ میں کیا کروں گا؟"

وہ یہاں اپنے باپ کو تسلی دینے آیا تھا، اپنا دل ہلکا کرنے آیا تھا لیکن اُس کا اپنا دل بھاری ہو گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کو ایک نئی پریشانی دے جانا نہیں چاہتا تھا۔

"لیکن فکر نہ کریں۔ اُس نے مڑ کر مجھے نہ دیکھا، کسی نئے ہاتھ کو تھام بھی لیا تو میں سائے کی طرح اُس کے ساتھ اُس کی خبر رکھوں گا۔ اُس سے غافل نہیں رہوں گا۔"

ایک آخری نظر اپنے باپ کی قبر کو دیکھ وہ وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا۔

وہ گھر آ کر فریش ہو چکا تھا۔ کھانا کھانے کا اُس کا دل نہیں تھا۔ آج پھر وہ میز کا حصہ کھول کر بیٹھا تھا جہاں بہت سی یادیں تھیں۔ اُس نے چیزیں ادھر اُدھر کر اُس میں سے

وہ خاکی ڈائری کھولی جو منگنی والے دن شاہ میر کو دکھائی تھی۔

پہلا صفحہ:

پہلی سالگرہ

گلابی رنگ گلاب

(Pink Rose)

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

خوشی کی علامت؛خوشی کی عمر دراز ہونے کی جو دعا دی گئی تھی، پھول کی پتیوں کے مرجھاتے ہی وہ بھی ماند پڑ گئی تھی۔۔۔

دوسرا صفحہ:

دوسری سالگرہ

صدابہار بیل (سفید پھول)

(Ivy Flower)

صدا رہنے والی دوستی کی علامت؛ بچپن کی دوستی کے نام جو خدا کرے کہ سلامت رہے۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تیسرا صفحہ:

تیسری سالگرہ

لال رنگ گلاب

(Red Rose)

محبت کی علامت؛گلاب کی پنکھڑیاں مرجھا گئیں تھیں لیکن محبت میں کمی نہیں آئی تھی۔۔۔

چوتھا صفحہ:

چوتھی سالگرہ

کالا للی

(Calla lily)

سفید سوسن کی نسل کا پودا

خوبصورتی اور خوش قسمتی کی علامت؛شاید دینے والے کا دل محبت کی خوبصورتی کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا۔۔۔

پانچواں صفحہ:

پانچویں سالگرہ

سفید رنگ گلِ لہمی

(White Carnation)

معصوم اور پاک محبت کی نشانی؛دینے والے کی محبت بھی اسی پھول کی طرح پاک تھی، بہت پاک۔۔۔

چھٹا صفحہ:

چھٹی سالگرہ

صبح کا جلال پھول

(Morning Glory)

خیال اور فکر کی علامت؛وہ پھول دینے والی کی فکر اور محبت کا عکاسی تھا۔جہاں محبت ہو وہاں خیال اور فکر تو ہر سو،ہر دم ہوتی ہے۔۔۔

ساتواں صفحہ:

ساتویں سالگرہ

گلابی آستر

(Pink Aster)

محبت کی نشانی؛محبوب محب کو محبت کی جتنی نشانیاں دے وہ کم ہی ہو تیں ہیں،تو ایک اور سہی۔۔۔

آٹھواں صفحہ:

آٹھویں سالگرہ

سفید سوسن

(White Lily)

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پاک ہونے کی علامت؛وہ لمحہ بہ لمحہ خود کو یاد کرواتا تھا کہ وہ معصوم ہے،بہت معصوم۔
وہ اُس کی معصومیت محبت کی ڈور تھا کر ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔

نواں صفحہ:

نویں سالگرہ

گلِ چاندنی

(Gardenia)

خفیہ محبت کی علامت؛اس پندرہ سالہ لڑکے کی محبت اُس نو سال کی لڑکی کے لیے اب بھی دنیا سے مخفی تھی اور نجانے کب تک رہنا تھی۔۔۔

دسواں صفحہ:

دسویں سالگرہ

گلِ لالہ

(Yellow Tulip)

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مسکراہٹ کی علامت؛ حسین مسکراہٹ جو کہ ہر دیکھنے والے کو کچھ پل ٹھہرنے پر مجبور کر دے۔۔۔

گیارہواں صفحہ:

گیارہویں سالگرہ

بوناسورج مکھی

(Dwarf Sunflower)

سراہنے کی علامت؛ دینے والے کی آنکھیں محبوب کو دیکھ لمحہ بہ لمحہ چمکنے لگتی تھیں۔

محبوب کی ہر ادا پر جان نثار ہونا محب پر فرض ہے۔۔۔

بارہواں صفحہ:

بارہویں سالگرہ

سورج مکھی

(Tall Sunflower)

مغروریت کی علامت؛ حسن ہو اور محبوب مغرور نہ ہو تو تھوں ہے پھر ایسے حسن پر۔۔۔

تیرھواں صفحہ:

تیرھویں سالگرہ

گلِ خطمی

(Hibiscus)

نسوانیت کی علامت؛ محبوب کی خوبصورتی کو پھولوں کی زبان دینے کا ہنر بھی کیا خوبصورت عمل ہے۔۔۔

چودھواں صفحہ:

چودھویں سالگرہ

گولڈنروڈ

(Goldenrod)

خوش قسمتی کی علامت؛ وہ لڑکی اپنے انجانے محبوب کے لیے خوش قسمت ثابت ہوتی تھی۔۔۔

پندرہواں صفحہ:

پندرہویں سالگرہ

نرگسِ آبی

(Daffodil)

محبت میں بچھڑ جانے کی علامت؛وہ اُسے خود سے دور کر دینے کی داستان رقم کرنا چاہتا تھا۔۔۔

سولہواں صفحہ:

سولہویں سالگرہ

سالویہ کا پھول

(Blue Salvia)

کسی کی یاد میں شفا ڈھونڈنے کی نشانی؛ وہ اُسے خود سے الگ کر، اُسے سوچ خود کو بکھرنے سے بچانا چاہتا تھا۔۔۔

سترھواں صفحہ:

سترھویں سالگرہ

سرخ سالویہ

(Red Salvia)

ہمیشہ ایک دوسرے کا رہنے کی نشانی؛ شاید وہ اُسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ بچھڑ کر بھی ایک ہیں، جدا نہیں ہیں۔۔۔

اٹھارہواں صفحہ:

اٹھارہویں سالگرہ

سفید رنگ سہ شاخہ

(White Clover)

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تحفظ کی علامت؛ وہ اُس سے دو قدم پیچھے رہ کر بھی اُس کا تحفظ کرنا جانتا تھا۔۔۔

انیسواں صفحہ:

انیسویں سالگرہ

بالچھڑ/ سنبل کا پودا

(Heliotrope)

ابدی محبت کی نشانی؛اُس کی محبت آخری سانس تک زندہ رہنے والی تھی۔۔۔

بیسواں صفحہ:

بیسویں سالگرہ

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لیوینڈر رنگ گلاب

(Lavender Ross)

پہلی نظر میں محبت کی علامت؛وہ اُس لڑکی کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ پہلی نظر میں ہی اُس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔۔۔

اکیسواں صفحہ:

اکیسویں سالگرہ

عودالصلیب

(Peony Flower)

محبت اور عزت کی نشانی؛وہ جتنی اُس لڑکی سے محبت کرتا تھا اُس سے کئی گنا زیادہ عزت کرتا تھا اُس کی۔۔۔

بائیسواں صفحہ:

بائیسویں سالگرہ

گلابی رنگ کیمیلیا پھول

(Pink Camellia)

کسی کو یاد کرنے کی علامت؛ وہ اُسے خود سے دور کر کے بھی یاد کرتا تھا۔ ایک یہی کام تو اُس کے بس میں تھا جو وہ دل سے کرتا تھا۔۔۔

تئیسواں صفحہ:

تئیسویں سالگرہ

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سرخ رنگ کیمیلیا پھول

(Red Camellia)

دل میں رہنے کی علامت؛ اُس لڑکی کا نام کسی انگارے کی صورت اس لڑکے کے دل میں جلتا تھا۔۔۔

چوبیسواں صفحہ:

چوبیسویں سالگرہ

سرخ رنگ گلِ لَہمی

(Red Carnation)

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دل دکھنے کی علامت؛اس کا دل اُس لڑکی کے لیے تڑپتا تھا،وہ اذیت میں تھا،بہت اذیت میں۔۔۔

کمرے میں تاریکی چھائی تھی۔آرز نے ہاتھ میں موجود ڈائری کا مزید ایک صفحہ پلٹا۔ آگے کے تمام صفحات خالی تھے۔وہ تمام پھول وہ تھے جو اُس نے حیام کے لیے لیے تھے،اُس کی ہر سالگرہ پر کوئی نیا پھول اور کوئی نیا جذبہ۔۔۔

کچھ پھول تو وہ اُسے دے چکا تھا لیکن اُس بچپن کی حیام کو اُن پھولوں کی قدر نہ تھی سو وہ کسی نہ کسی طرح آرز تک واپس آ گئے۔ اور کچھ تو وہ تھے جو اُس پاگل لڑکی نے اب تک اپنے سینے سے لگائے رکھے تھے، نجانے کہاں؟ وہ تب کی بات ہے جب اُسے پھولوں سے محبت ہو گئی تھی۔ وہ تمام پھول پھر آرز حسن تک کبھی نہ لوٹے لیکن آرز کو عادت ہو گئی تھی ہر سالگرہ پر ایک پھول قید کر لینے کی، سو وہ ہر مرتبہ ایک جیسے دو پھول لاتا۔۔۔ ایک تو اُس پاگل لڑکی تک پہنچا دیا جاتا جب کہ ایک اس ڈائری کی زینت بن جاتا۔

پھر کچھ پھول ایسے بھی تھے جو وہ اُسے اپنے سامنے ہوتے ہوئے بھی نہ دے پایا تھا، اُسے خود سے دور جو کر چکا تھا لیکن پھولوں کی گنتی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ پھر بھی ہم جنس دو پھول ہی منگواتا جن میں سے ایک ایک پھول تو باخوشی تمام عمر قید کی سزا سن کر مچل جاتے اور دوسرے کانچ کے ڈبوں میں قید اپنی رہائی کا پروانہ سننے کو اب تلک بے تاب تھے۔ وہ اُنہیں ہمیشہ کانچ کی ڈبیہ میں قید کر حیام کو دیتا۔ شاید اُسے اچھا لگتا تھا کہ وہ تمام عمر پھولوں کو آزادی نصیب کرتی رہے۔ بس کچھ ہفتے اور، پھر ان پھولوں میں مزید ایک اور پھول کا اضافہ ہونے والا تھا، آہ!!

صبح فجر کی نماز ادا کرتے ہی اُس نے خود کو آئینے میں ایک مرتبہ پھر غور سے دیکھا۔ سفید رنگ لباس، ڈوپٹہ حجاب کی صورت باندھا ہوا تھا۔ چہرہ اب بھی نمی سمیٹے ہوئے تھا۔ وہ دھلا ہوا سا چہرہ، وہ ہو بہو اپنی ماں سی تھی۔ اپنی ماں کو یاد کر مسکرانے لگی لیکن بہت جلد وہ مسکراہٹ ماند پڑ گئی۔ وہ ناراض تھیں اسی لیے تو بات تک نہ کرتیں تھیں۔ حسن صاحب کے بعد پچھلے کچھ دنوں میں جب جب اُن کا کال آیا، کسی نے حیام سے بات نہ کی تھی۔ نہ اُس کی اماں، نہ بابا اور نہ کسی اور نے اور بازل۔۔۔۔

وہ آہ بھرتی جس کام کے لیے تیار ہوئی تھی، یاد آنے پر اس کے لیے کمرے سے نکل گئی۔ حیام کے قدم با جی بیگم کے کمرے کی جانب تھے۔ اُن کا کمرہ حویلی کے دوسرے حصے میں تھا۔ حیام نے وہاں زیادہ ملازماؤں کو بھی جاتے نہ دیکھا تھا۔

وہ اُن کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ نجانے کیوں اُس کے قدم وہاں سے بھاگ جانا چاہتے تھے لیکن اُس کا دل چاہتا تھا کہ جائے، جا کر دیکھے کہ کیا واقعی محبت کرنے والوں کا انتقام، اُن کی سزا اتنی سخت ہوتی ہے کہ ملنے والے بھی بچھڑ جاتے ہیں؟ کہ تنہائی مقدر ہو جاتی ہے؟

آنکھیں بند کر ایک گہری سانس بھری اور کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کچھ ہی لمحوں کی دیر سے اُس نے دنیا کی خوبصورت ترین آواز سنی۔ شیریں لہجہ، ایسا لہجہ حیام نے پہلے تو نہ سنا

تھا۔اب اُس کے قدم بھی اندر جانے کو بے قرار تھے لیکن دل نے اپنا فیصلہ بدل لیا تھا۔

اب تو خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ ایسا نہ ہو جائے کہ اُنہیں دیکھ لے تو محبت سے حسد ہونے لگے۔

وہ پھر بھی ہمت کر کے ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔کمرے کی ہر شے سفید رنگ رنگی تھی۔کمرے کا فرنیچر،پردے،چادریں، حتیٰ کہ زمین پر بچھا قالین،سب سفید تھا۔باجی بیگم کا چہرہ دوسری جانب تھا۔اُنہوں نے اُسے نہیں دیکھا تھا لیکن وہ جہاں تھیں، تھم گئیں تھیں۔اُنہوں نے کسی نئے وجود کی موجودگی محسوس کر لی تھی۔

"کون؟"

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام کی جانب پُشت کیے سوال کیا گیا۔

"میں،حیام۔۔۔"

"چلی جاؤ یہاں سے۔تم کس کی اجازت سے یہاں آئی ہو؟"

چہرہ اب بھی نہ موڑا۔حیام کے دل میں خواہش بڑھتی جا رہی تھی کہ وہ اُنہیں دیکھے۔

میں،میں اماں۔۔۔اماں سے پوچھ کر آئی ہوں۔میں حیام ہوں،شہر سے آئی ہوں۔۔۔"

حیام سمجھی تھی کہ وہ اُسے نہیں جانتیں۔ اپنا تعارف کروانے لگی لیکن اُنہوں نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"میں تم سے تو کیا، کسی سے نہیں ملنا چاہتی۔ جانتی ہوں میں تمہارے بارے میں سب۔"

"ایک مرتبہ مل لیں۔ پھر کبھی نہیں آؤں گی۔"

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ نجانے اُن کے دل میں کیا آیا تھا کہ مڑ کر حیام کو دیکھنے لگیں۔ حیام کی سانس اٹک گئی۔ وہ بہت حسین تھیں، بہت زیادہ۔ نجانے اُس نے یہ کیوں سوچا تھا کہ محبت کی سزا بد صورت ہو گی؟ محبت کی سزا تو بہت خوبصورت تھی۔ اُسے حاجرہ بخاری میں اپنا آپ نظر آ رہا تھا، وہ وہی تھی۔ اُس کے نقش، وہ پوری کی پوری اُن جیسی تھی۔ آج اُسے لگا تھا کہ وہ اپنی ماں سے نہیں ملتی۔

"ضروری نہیں کہ ملنے والی سزا کو سزا کی صورت ہی کاٹا جائے۔ نصیب بدلنا چاہو تو بدل سکتے ہیں۔ تھوڑی ہمت اور کوشش کرنا پڑتی ہے۔"

وہ پھر سے بول رہیں تھیں۔ وہ کیسے اُس کے دل کی بات جان گئیں تھیں۔

"نہیں، ایسی بات۔۔۔ میں نے ایسا کچھ نہیں پوچھا۔"

"تم نے نہیں پوچھا لیکن میں نے پڑھ لیا ہے۔"

وہ اب فرشی قالین پر بیٹھی تھیں۔ سامنے چھوٹی سی میز پر قرآن کھلا پڑا تھا۔ ساتھ ایک ڈائری اور قلم بھی تھا۔

"کیا پڑھ لیا؟"

"تمھیں، تمہارا دل اور تمہاری آنکھیں۔۔۔"

وہ قرآن کو بند کرتیں، اُسے چوم کر اب غلاف میں لپیٹ رہیں تھیں۔ شاید حیام نے اُن کی عبادت میں خلل ڈالا تھا۔

"آؤ بیٹھ جاؤ۔"

اُن کے کہنے پر حیام نے خود کو دیکھا تو وہ واقع کھڑی تھی۔ وہ تو سمجھی تھی۔۔۔۔۔ یہ اُس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ وہ سست قدم اُٹھاتی، ایک طرف کو جوتا اُتارتی قالین پر بیٹھ گئی۔ اُس کی نظریں کھلی ڈائری پر تھیں جہاں ابتداء میں بڑی لکھائی میں لکھا گیا تھا، اے اللہ!!۔۔۔۔۔

"شاید آپ قرآن پڑھ رہیں تھیں اور میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔"

"میں قرآن پڑھ چکی ہوں۔ فلحال سیکھ رہی ہوں۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام ایک مرتبہ پھر بے چینی میں مبتلا ہوئی۔

"قرآن تو زندگی میں بہت مرتبہ پڑھ چکی ہوں اور ایسی عادت لگی ہے خدا کو سُننے کی، اُسے پڑھنے کی کہ اب چھوڑنا چاہوں گی بھی تو نہیں چھوڑ پاؤں گی۔ پڑھنے میں اور سیکھنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ سیکھنا جانتی ہو کیا ہوتا ہے؟"

حیام نے نہ میں سر ہلایا۔

"یہ قرآن محض ایک کتاب نہیں ہے جسے پڑھ لینا کافی ہو گا۔ اس کا اثر، اس کا مقصد تو تب پورا ہو گا جب اس میں لکھی گئی ہدایت میرے دل میں اُتر جائے گی۔ میں اب اسے دل سے سُنتی ہوں، پڑھتی ہوں کہ آج کے روز خدا نے مجھے کیا بتانا ہے، کیا سیکھانا ہے؟ اور جب معلوم ہو جاتا ہے تو، یہ ڈائری دیکھ رہی ہو؟"

حیام نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"اس میں لکھ دیتی ہوں کہ اللہ پاک! مجھے معاف کر دینا۔ یہ باتیں، یہ احکام تو مجھے آج معلوم ہوئے ہیں۔ مجھے معاف کر دیں اور مجھے توفیق دیں کہ ان احکامات کی پیروی کر سکوں۔"

"لیکن قرآن تو صرف پڑھا جاتا ہے۔ مجھے تو کبھی سمجھ نہ آیا کہ کیا لکھا ہے؟"

حیام نے اُنہیں تکتے ہوئے سوال کیا۔ وہ حیام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتیں اُس کو اس دنیا سے دھکیل کر اپنی دنیا میں لے جا رہیں تھیں، وہ دنیا جو پُر روشن تھی۔

"جب ارادہ دل سے کرو گی تو سب سمجھ آ جائے گا۔"

"اور اگر پھر بھی نہ سمجھ آیا تو آپ سمجھا دیں گی؟"

اب کے سوال حیام نے کیا تھا جس کا جواب نہ دیا گیا۔

"جاتے ہوئے دروازہ بند کر دینا۔"

وہ اُٹھ کر بیڈ کی جانب چل دیں۔ شاید اب اُن کے آرام کا وقت تھا۔ وہ خاموشی سے اُٹھ گئی۔ جوتے پہن کر دروازہ کھولا تھا تو وہ ایک مرتبہ پھر بول پڑیں۔

"اگلی مرتبہ آؤ گی تو جوتا باہر اُتار کر آنا۔"

اُن کی بات پر حیام مسکرا دی۔ اُسے اُس کا جواب مل گیا تھا۔ باہر نکلتے ہی وہ خود کو سکون کے سمندر میں غوطے کھاتی محسوس کر رہی تھی۔ وہ خدا کا پہلو جس مضبوطی سے تھامے ہوئے تھیں شاید یہی وجہ تھی کہ اُن کی زندگی کتنی پُر سکون تھی۔ حیام کو بھی وہی سکون چاہیے تھا۔ اُسے اب اس بے چینی کی زندگی نہیں گزارنی تھی۔

وہ منال کے ساتھ برآمدے میں بیٹھی تھی۔سامنے شاہ ویر، مناہل اور کرن کے ساتھ کھلکھلاتا کھیل رہا تھا۔ کبھی کسی طرف کو بھاگتا تو کبھی کسی۔وہ اپنی عمر کے بچوں سا ہو گیا تھا۔پیار، محبت کی جو کمی تھی وہ اب پوری ہو گئی تھی۔

"ایک بات کہوں؟"

منال نے حیام کو تکتے سوال کیا۔

"کہو۔"

لیکن وہ مسلسل شاہ ویر کو تک رہی تھی۔

"تم اُنہیں کال کیوں نہیں کرتی؟بات کرواُن سے حیام۔۔۔۔"

"کن سے؟"

وہ انجان بنی جوں کی توں بیٹھی رہی۔

"آرزبھائی سے اور کس سے؟"

آرز کے نام پر ایک تاریک سایہ اُس کے چہرے پر لہرایا تھا جو منال کی آنکھوں سے اوجھل نہ رہ سکا۔

"مت نام لیا کرواُن کا۔"

"کیوں؟"

اب کے حیام نے چہرہ موڑ کر منال کو دیکھا۔حیام کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"وہ یاد آتے ہیں۔"

ساتھ ہی ہنس دی۔

"کوئی اُن کی بات کرتا ہے تو زیادہ یاد آتے ہیں۔"

اُس کی ہنسی اداس مسکراہٹ میں ڈھل گئی۔آنکھوں میں موجود آنسو بہنے کو تڑپ رہے تھے۔وہ پلکیں مضبوطی سے جھپکتی آنسو اپنے اندر اُتارنے لگی۔

خیر چھوڑو، یہ بتاؤ شاہ میر بھائی کو کیا تحفہ دو گی؟کل سالگرہ بھی تو منانا ہے اُن"
کی۔۔۔"

منال اُس کا دھیان بٹانے لگی۔

"میرا تو تحفہ تیار ہے۔تم اپنی فکر کرو۔میں تمھیں نہیں بتاؤں گی۔"

وہ مسکراتی ہوئی مناہل لوگوں کی جانب بھاگی تھی۔اُسے آتا دیکھ شاہ ویر مسکراتا ہوا اُس تک بھاگا۔

"آنی۔۔۔"

وہ گھٹنوں کے بل اُس کے سامنے بیٹھتی اُسے اپنے گلے سے لگا گئی۔

"آنی کا پیارا بیٹا، آنی کی جان۔۔۔"

وہ اُسے دیوانہ وار چوم رہی تھی جس پر وہ کھل کر ہنس دیا۔اُسے گدگدی ہو رہی تھی۔ اُن دونوں کو یوں ہنستا مسکراتا دیکھ منال بھی اداس مسکراہٹ مسکرا دی۔

آرزا اپنے کمرے میں بیٹھا مسلسل ہاتھ میں موجود موبائل فون کو تکے جا رہا تھا۔ بارہ بجنے والے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں گردش کرتیں تاریخ، وقت سب بدلنے والیں تھیں۔ کچھ منٹ باقی تھے۔ وہ شاہ میر کو کال کرنا چاہتا تھا، اُسے سالگرہ کی مبارک باد دینا چاہتا تھا لیکن بار بار رُک جاتا۔ کیا ایک تلخ کلامی اُن کے درمیان موجود رشتے کو کھا سکتی تھی؟ وہ ہمیشہ سب سے پہلے اُسے وِش کرتا تھا۔ ارادہ بدل کر اُس نے میسیج ٹائپ کرنا چاہا۔ وہ بار بار لکھتا، بار بار مٹا دیتا۔ ہمت کر کے اُس نے کال کا بٹن دبایا۔ دوسری طرف رنگ ٹون بج رہی تھی۔ کال ریسیو کر لی گئی۔ آرز نے نظر گھما کر گھڑی پر وقت دیکھنا چاہا۔ بارہ بج چکے تھے۔

"سالگرہ مبارک!"

شاہ میر خاموش رہا لیکن جب بولنے لگا تو دروازے پر دستک نے اُسے روک دیا۔ دستک دے کر حیام مناہل کے ساتھ اندر آئی۔

"Happy Birthday Shahmeer Bhai!"

"سالگرہ مبارک بھائی!"

حیام کے ساتھ ساتھ مناہل بھی اُسے وش کرتے آکر اُس کے بازو سے چپک گئی۔ فون کے دوسری طرف آرز حسن تو صرف حیام کی آواز سن کر ہی تھم گیا تھا۔ یہ کوئی پہلی مرتبہ تو نہ تھا۔

"بہت شکریہ تم دونوں کا۔"

وہ اُن دونوں کو جواب دیتا خاموش ہو گیا۔

شکریہ سے کام نہیں چلے گا۔ چلیں ہمارے ساتھ، ابھی ہم نے کیک بھی کٹ کرنا" "ہے۔ انکار مت کیجئے گا، ہم اجازت لے چکے ہیں۔

جواباً وہ مسکرایا۔

"اچھا بھئی، انکار کب کر رہا ہوں میں؟ تم لوگ چلو میں آتا ہوں۔"

"بالکل نہیں، ہم ساتھ لے جائیں گے آپ کو۔۔۔"

وہ بضد تھی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں حیام آپی۔"

مناہل نے بھی حیام کی طرف داری کی۔

"اچھا رکو۔"

ہاتھ میں موجود موبائل دوبارہ اپنے کان پر لگا کر دوسری طرف سنتے آرز حسن کو جواب دیا گیا۔

"بہت شکریہ!! پھر بات ہو گی۔"

"ہمم!!"

لائن کٹ چکی تھی۔دونوں الجھ گئے تھے۔وہ کیا کرنا چاہتے تھے اور کیا ہو رہا تھا؟وہ سمجھنے سے قاصر تھے۔

شاہ میر حویلی کا لاڈلا تھا تو کیسے نا اُس کی پیدائش کا دن منایا جاتا۔سب لڑکیوں نے خوب ہلا گلا کیا۔اماں بیگم تو بس خالدہ بیگم اور نفیسہ بیگم کے ہمراہ مسکرا کر اُنہیں دیکھ رہیں تھیں۔

کیک کچھ خاص ذائقہ دار نہ تھا لیکن یہی بہت تھا کہ وہ محبت سے اُن لڑکیوں نے مل کر بنایا تھا۔ خیر اب تو شاہ میر کو عادت ہو گئی تھی۔ پچھلے ہفتے میں اُس نے اُن لڑکیوں کے ہاتھ سے بنی ایسی ایسی چیزیں کھائی تھیں کہ خدا کی پناہ۔۔۔

لیکن وہ سب کھانا اُس کی مجبوری تھی کیونکہ اُسے اجازت کہاں تھی اُن کے بنائے میں خامی نکالنے کی۔ ظاہر ہے اپنا بنایا کہاں کسی کو بُرا لگتا ہے؟ اُن سب کا بھی حال یہی تھا۔

"بہت شکریہ!! اس سڑے ہوئے کیک کے لیے۔۔۔"

وہ ہاتھ میں موجود کیک کی پلیٹ واپس میز پر رکھتا اُٹھ کھڑا ہوا۔ آج تو ہمت کر کے اُس نے کہہ ہی ڈالا۔

"ابھی کدھر کو چلے، بیٹھیں واپس۔۔۔"

کرن نے اُسے آنکھیں دکھاتے واپس بیٹھنے کا حکم دیا جس کی تکمیل کرتے وہ بیٹھ گیا۔

اور کوئی سڑا ہوا کیک نہیں کھلایا ہم نے آپ کو۔ اتنا لذیذ کیک تو میں نے کبھی لاہور "میں بھی نہیں کھایا۔"

ظاہر ہے حیام اپنی غلطی کیسے نہ جسٹیفائی کرتی؟

"توبہ کرو، کیوں شہر کی بے عزتی کر رہی ہو؟"

جواباً حیام نے اُسے گھورا تو وہ مسکراہٹ دبا گیا۔

میری بات سُنیں، یہ کیک بنتا ہی ایسے ہے۔ تھوڑا سا جلانا تو لازمی تھا، اُسی کا تو ذائقہ "

"ہے سارا۔

منال کی ڈسکرپشن پر تو وہ عش عش کر اُٹھا۔

"اوہ، تو یہ بات پہلے بتانی تھی نا۔ خیر اب کیوں روکا ہے مجھے؟"

"تحفے نہیں چاہیے؟"

نفیسہ بیگم کے پوچھنے پر وہ کھل کر ہنسا۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ؟ جلدی کریں، دے بھی دیں۔"

سب نے اُسے کچھ نا کچھ دیا سوائے حیام کے۔ وہ اُٹھ کر اماں بیگم سے چپک کر بیٹھ گئی تھی۔

"تو نہیں دے گی؟"

اماں نے سرگوشی میں اُس سے سوال کیا جس پر وہ نہ میں سر ہلا گئی۔

جب کہا تھا کہ شہر سے منگوا دیوے ہوں تو کیوں منع کیا تھا؟ یہاں سب کی طرف "

"سے تحفے آنے ہی تھے تو۔

حیام نے اُن کی بات کاٹ دی۔

"تحفہ ہے میرے پاس لیکن بعد میں دوں گی۔"

اماں بیگم سمجھ گئیں تھیں کہ وہ اُسے اکیلے میں تحفہ دینا چاہتی تھی۔اُس کا ہاتھ تھپتھپا کر ہاں میں سر ہلایا۔

چلو کڑیوں سب سمیٹو اور سونے کو چلو۔ایک تو اتنا شور مچاوے ہو سب، سر پھٹ گیا"

"میرا۔

سب مسکراتے ہوئے اُٹھ گئے۔وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔آج تو بہت دیر ہو گئی تھی۔ اس وقت تو حویلی رات کے اندھیرے میں نہائی ہوئی ہوتی تھی جبکہ آج دن کا اجالا رات پر حاوی ہوئے تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

وہ ابھی اپنے کمرے میں آیا ہی تھا کہ حیام ایک مرتبہ پھر دروازے پر دستک دے اندر کو جھانکنے لگی۔فرق بس اتنا تھا کہ اب کے وہ اندر نہ آئی تھی۔

"وہاں کیوں کھڑی ہو؟ آجاؤ۔"

اُس کے بلانے پر وہ جھجھکتے ہوئے اندر آئی۔ وہ ارد گرد نظریں گھماتے ہوئے کمرے کا جائزہ لینے لگی جو کہ اب تک جتنی مرتبہ بھی آئی تھی نہ لے سکی تھی۔

"بیٹھو۔"

شاہ میر نے قریب رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ صوفے پر ایک طرف تھوڑا فاصلے پر وہ خود بھی آ کر بیٹھ گیا۔

"یہ لیں، آپ کا تحفہ دینے آئی تھی۔"

حیام نے ایک ہاتھ میں موجود چھوٹا سا پیک شدہ باکس اُس کے سامنے کیا تو شاہ میر نے مسکرا کر وہ تھام لیا۔ شاہ میر نے اُسے کھولا تو باکس میں بہت خوبصورت سیاہ رنگ رسٹ واچ تھی۔

"یہ بہت خوبصورت ہے۔"

"میں نے آج تک کبھی آپ کو واچ پہنے بغیر دیکھا ہی نہیں۔۔۔"

حیام کے کہنے پر وہ کھل کر ہنسا۔ وہ آج کل کچھ زیادہ ہی مسکراتا تھا، نجانے کیوں؟

"اتنا نوٹس کرتی ہو تم مجھے؟"

جواباً وہ بھی مسکرا دی۔

اسے دیکھ کر لگتا نہیں کہ اس حویلی کا کوئی ملازم تمہارے کہنے پر خرید لایا ہے۔ یہ ویسی "

"ہے جیسے کہ تم نے خود اسے پسند کیا ہو۔

"یہ میں نے خریدی تھی، جب شہر میں تھی۔"

وہ ہنسی۔

"ویسے خریدی تو بازل بھائی کے لیے تھی لیکن دی ہی نہیں۔ یہاں آتے ہوئے بھی نجانے کیوں رکھ لی۔ میں سوچتی تھی کہ جب لی اُن کے نام سے تھی تو اُنہیں دے کیوں نہیں سکی۔"

"پھر، جواب ملا؟"

"ہمم!! آج مل گیا۔ چیزیں نام لے لینے سے نہیں کسی کی ہو جایا کرتیں۔ یہ بھی ہم انسانوں کی طرح قسمت لکھوا کر آتی ہیں۔ جس کا نام ان پر اندیکھی سیاہی سے لکھا ہوتا ہے، یہ بس اُسی کی ہوتی ہیں۔ اس پر لکھا نام آج مجھ پر واضح ہو گیا۔"

وہ مسکرایا۔

"بہت شکریہ!!"

"چلتی ہوں۔"

وہ جانے کے لیے اُٹھ کر دروازے تک گئی تو وہ بول پڑا۔

"وہ نہیں کہو گی، جو کہنا چاہتی ہو؟ اور جو میں سُننا چاہتا ہوں؟"

شاہ میر کی بات پر حیام چہرہ جھکائے اداس مسکراہٹ مسکرا دی۔

"اگر کہہ دوں گی تو بے وفا تو نہیں کہلاؤں گی؟ بے وفائی سے بڑا ڈرتی ہوں میں۔"

میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی بے وفا تو دور کی بات، کچھ بھی کہہ نہیں سکتا۔ اب"
"تک جان تو گئی ہو گی نا؟

اثبات میں سر ہلاتے اُس نے شاہ میر کو دیکھا۔

"مجھے اپنے دل سے ڈر لگتا ہے، معلوم تو ہو گا نا؟ پھر بھی کہہ دیتی ہوں۔"

"رکو، مت کہنا۔ میں جانتا ہوں، صرف یہی کافی ہے۔ میں کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا
کہ تمہیں تکلیف دے تو خود کیسے دے سکتا ہوں؟"

"آپ مجھے بازل بھائی کی طرح ہی عزیز ہیں، نہ اُن سے زیادہ نہ اُن سے کم۔۔۔"

وہ کہہ کر چلی گئی تھی۔ شاہ میر نے اُس سے جو وعدہ کیا تھا، اُسے پورا کرنے کے لیے
بہت اہم رشتوں کو چھوڑ دیا تھا تو یہ کیسے ممکن نہ تھا کہ وہ خاموش وعدہ جو کر چکی تھی، وہ
پورا نہ کرتی۔ وہ اپنے الفاظ، وعدوں کی بہت پکی تھی اور وہ اُنہیں پورا کرنا جانتی تھی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

کمرے میں آتے ہی حیام نے ڈریسنگ کا نچلا حصہ کھول کر اُس میں سے قلم اور کاغذ نکالا اور کمرے کا گلاس ڈور کھول کر باہر منظر پر موجود چاند کو دیکھ گہری سانس بھری۔ بالکونی میں نکل کر وہیں کرسی دھکیل کر بیٹھی اور چھوٹی سی میز جو کرسی کے برابر پڑی تھی، اُس پر بازو ٹکا کر کاغذ اور قلم رکھ پھر سے چاند کو محویت سے تکنے لگی۔ کچھ لمحے چاند کو یک ٹک دیکھنے کے بعد سامنے ریلنگ سے نظر آتے کھیتوں کو تکنے لگی۔ بالآخر تمام سوچیں جھٹک کر قلم تھام لکھنے لگی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سیدزادے!!

ہم عجیب آنکھ مچولی کھیلنے میں لگ گئے ہیں۔ کبھی تم مجھ سے چھپتے پھرتے ہو، تو کبھی میں۔ کبھی تم مجھے ڈرا دیتے ہو اور کبھی میں تمہاری جان نکال لیتی ہوں۔ آج خوب سوچا ہے میں نے۔ پورا دن سوچوں میں گزارا تو اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اس کھیل میں بھی میں زندگی کے کھیل کی مانند ہار گئی ہوں۔

اس سے پہلے کہ تم پوچھو، کیسے؟ میں خود بتا دیتی ہوں۔ میں زندگی بھر کے لیے ڈر اور خوف کی گرفت میں آ گئی ہوں۔ پہلے صرف میں تم سے باغی تھی، تم سے منہ موڑا تھا

میں نے، آج لگ رہا ہے کہ تمہارے ساتھ ساتھ اپنوں کو بھی چھوڑ دیا ہے میں نے۔ میرے اپنے رشتوں کی جگہ کچھ دوسرے نئے رشتے میرے لیے اہم ہونے لگے ہیں جن کو یاد کرتے کرتے میں پرانے رشتوں کو بھولنے لگی ہوں۔

اگر اب کبھی میرے اپنوں نے مجھ سے اس لاتعلقی کا حساب مانگا تو جوابدہ تم ہو گے، صرف تم۔ اور تم بتاؤ کہ اس خط کو غور سے پڑھ رہے ہو نا تم؟ اگر پڑھ رہے ہو تو جان گئے ہو گے کہ تمہیں اپنوں میں شامل نہیں کیا میں نے۔ دل تو دکھا ہو گا نا؟ چلو یہ بھی اچھا ہے لیکن ایک بات بتاؤ؟ بڑا دل بھاری کر کے تمہیں غیر لکھا ہے۔

تمہاری اسیر

سیدزادی

قلم بند کر کے خط کو موڑا اور واپس اندر آ کر اُسے بند کر دیا، اُسی لکڑی کے بکسے میں۔ وہ چل کر بیڈ تک آئی، ہوا سے لہراتے پردے سرکا کر ایک طرف کیے اور بیڈ پر سیدھی لیٹ گئی۔ نجانے اب اُسے کب سونا تھا؟ سونا بھی تھا کہ نہیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ پوری تیاری کے ساتھ اپنا موبائل پکڑتا اپنے کمرے سے نکلا جب اُس کی ماں نے اُسے آواز دے کر روکا۔

"برہان؟ کدھر کو چلے ہو؟"

کمرے سے نکلتے ہی کھلے لاؤنج میں بیٹھی اُس کی ماں حلیمہ فاروقی نے اپنے بیٹے کو گھور کر سوال کیا۔

"ماما! ! کام سے جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر تک آجاؤں گا۔"

تو ایسے کہو نا کہ کام کے لیے چھٹی کی ہے تم نے ڈیوٹی سے۔میں یونہی سمجھ بیٹھی تھی"

"کہ ماں کے ساتھ وقت گزارنے کا ارادہ ہے۔

وہ مسکراتا ہوا اپنی ماں کے پاس جا بیٹھا۔

"ظاہر ہے آپ کے لیے ہی چھٹی کی ہے۔"

"پھر دفع کرو میرا بیٹا ان کاموں کو۔"

"اچھا سُنیں ! ! شاہ میر سے ملنے جا رہا ہوں۔اُس کی برتھڈے ہے آج،اُسے واپسی پر گھر لے کر آؤں گا۔لنچ آپ کے ساتھ مل کر کریں گے۔آپ اُس کی مرضی کا کھانا ہی تیار کروا لیں۔"

بد تمیز!! تو پہلے بتاتے نا، پیچھے ہٹو مجھے تیاری کرنے دو۔ میرا بیٹا آئے گا آج، میں "قربان جاؤں۔"

وہ جلدی سے وہاں سے اُٹھ کر ایک طرف موجود باورچی خانے کو چل دیں جبکہ برہان فاروقی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ وہ اُن کا سگا بیٹا تھا بھی یا نہیں۔ وہ ہمیشہ شاہ میر کا نام سن اُس کی تمام غلطیاں معاف کر دیتیں تھیں، اُسے دیکھ اپنے بیٹے سے تمام ناراضگیاں بھول جاتیں تھیں۔ خیر، وہ مسکرا کر وہاں سے اُٹھ گیا۔ اُسے جلدی جانا تھا۔ ضرور شاہ میر اُس کا منتظر ہو گا۔

پولیس کی نوکری کر لینے کے بعد وہ اور اُس کی ماں ہمیشہ اپنے گھر میں ہی رہے تھے۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے دیا گیا گھر وہ لوٹا چکا تھا۔ اُن کے مطابق اس گھر میں اس کے باپ کی یادیں تھیں۔ وہ اس دنیا میں نہ تھے تو کیا، وہ پھر بھی ان کے قریب رہنا چاہتا تھا۔ وہاں جہاں اُنہوں نے اپنی زندگی گزاری، اپنی آخری سانسیں لیں۔۔۔۔

وہ بہت چھوٹا سا گھر تھا۔ محض چھوٹا سا لاؤنج جس کے ایک حصے کو ڈرائنگ روم اور لاؤنج دونوں کے طور پر استعمال کیا جاتا اور ایک حصے میں ڈائننگ ٹیبل تھی جس کے سامنے چھوٹا مگر خوبصورت باورچی خانہ تھا۔ جبکہ دوسری جانب دو کمرے تھے۔ گاؤں

میں موجود چند ایک خوبصورت بنے پکے گھروں میں ایک گھر وہ بھی تھا۔اُنہیں دولت کی کمی نہ تھی،وجہ بس اُس گھر کے افراد کو ضرورت سے زیادہ چیزوں کی عادت نہ تھی۔

وہ جلدی سے گاڑی روکتا،نکل کر بھاگا بھاگا شاہ میر تک گیا جو سامنے ہی ایک میز کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک پر ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔وہ اس وقت ڈھابے پر تھے۔وہ دونوں ہمیشہ وہیں ملا کرتے تھے۔برہان کے بیٹھتے ہی شاہ میر سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"ملاقات کا وقت ختم ہو چکا،چلتا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ وہ اُٹھتا برہان بول پڑا۔

"منحوس بیٹھا رہ،ماما نے روک لیا تھا ورنہ میں تو وقت سے نکلنے والا تھا۔"

ساتھ ہی ڈھابے میں کام کرتے بچے کو اشارہ کر کے بلانے لگا تو شاہ میر نے روک دیا۔

"میں منگوا چکا ہوں۔یہ تو آنٹی کو بھیج میں لے آیا ہے تو معاف کر رہا ہوں تجھے۔"

"جی جی،بالکل بالکل!!"

یوں جواب دیا گیا جیسے کہ مذاق بنا رہا ہو۔

"تو تو اُس سین کے بعد بالکل ہی غائب ہو گیا۔نہ میسج پر رابطہ اور نہ کال پر۔۔۔"

شاہ میر اچھے سے جانتا تھا کہ وہ شاہ ویر والے معاملے سے متعلق بات کر رہا تھا۔

"یہاں نہیں تھا میں، شہر گیا ہوا تھا۔"

کم عمر پٹھان بچہ جو ہمیشہ سے ہی وہاں ملازم تھا، اُن دونوں کو اچھے سے جانتا تھا۔اُن کا مطلوبہ آرڈر جس میں چائے اور گرم گرم پراٹھے شامل تھے اُن کے سامنے لا کر رکھے اور سلام کرتا واپس چلا گیا۔

"خیریت؟"

"آرز کو جانتا ہے ناتو؟"

ساتھ ہی چائے کا ایک کپ اپنے سامنے کھسکایا۔

"ہاں، تو نے بتایا تھا۔"

"اُس کے بابا کا انتقال ہو گیا تھا تو اُدھر ہی تھا میں۔"

"اوہ!! افسوس ہوا مجھے۔ خیر یہاں کب کا آگیا ہے تو؟"

"ایک ہفتہ ہو گیا۔"

شاہ میر کے جواب پر وہ ایک مرتبہ پھر اُسے گھورنے لگا جبکہ شاہ میر سکون سے پراٹھے کے لقمے بنا تا چائے میں ڈبو کر کھانے میں مصروف تھا۔

"تو مجھ سے ملنا آج یاد آیا ہے؟"

"نہیں تو نے یاد کیا تھا آج مجھے، بھول گیا؟"

"مطلب میں تجھے نہ بلاتا تو تو نہ آتا؟"

جواباً شاہ میر نے مسکراہٹ دبائے نہ میں سر ہلایا۔

"منحوس ایسے ہی نہیں کہتا میں تجھے، مر ہی جا۔"

اُس کے غصے پر شاہ میر سر پیچھے کو کرتا دل کھول کر ہنسا۔

"اچھا میری محبوبہ، کھالے ٹھنڈا ہو جائے گا سب۔"

نتیجتاً وہ منہ پھلائے چائے کا کپ پکڑنے لگا تھا جب شاہ میر کی کلائی میں موجود گھڑی دیکھ اُس نے فوراً اُس کا بازو تھاما۔

"سُن تو آج سے پہلے بہت سی رسٹ واچز خریدیں ہیں، میں مانتا ہوں تجھے عشق ہے اور آج تیری سالگرہ بھی ہے

Happy Birthday

، واپس اپنی بات پر آتے ہیں لیکن میں نے تجھے کبھی اپنے معمول سے ہٹ کر کوئی

دوسری گھڑی پہنے تو نہیں دیکھا؟ تو ہمیشہ ایک وہی گھڑی پہن کر گھومتا ہے جو تیرے بابا نے تجھے تحفے میں دی تھی۔"

شاہ میر مسکرایا تو برہان نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔

"کسی لڑکی نے دی ہے؟"

شاہ میر نے محض ہاں میں سر ہلایا۔اُسے تنگ کرنے میں مزہ آنے والا تھا۔

"محبت کرتا ہے تو اُس سے؟"

کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد شاہ میر نے جواب دیا۔

"بہت۔۔۔۔"

"گرل فرینڈ؟"

"نعوذ باللہ!! بہن ہے میری، کمینے۔"

"لو! محبت ہے تو ایسے کہہ رہا جیسے کہ۔۔۔۔"

"کیوں بہنوں سے محبت نہیں ہوتی بھائیوں کو؟"

اب کے شاہ میر اُسے گھور کر دیکھ رہا تھا اور وہ چائے میں پراٹھے کو ڈبکیاں لگا لگا کر کھا رہا تھا۔

"تو بولنا تھا نا کہ مناہل نے دی ہے۔"

"مناہل نے نہیں دی۔"

چائے کا کپ واپس رکھتے وہ ایک مرتبہ پھر متوجہ ہوا۔

"کرن نے یا پھر منال نے؟"

"نہیں، ان دونوں نے بھی نہیں دی۔"

"تو پھر کون سی بہن پیدا ہو گئی تیری؟ جس کا مجھے نہیں پتا؟"

"حیام۔۔شہر سے آئی ہے۔ چھوٹے چچا کی بیٹی ہے۔"

"حیرت ہے کہ تجھے کل کی آئی کوئی لڑکی اپنی بہن سی عزیز ہو گئی۔ مجھے تو معاملہ ابھی بھی کچھ معقول معلوم نہیں ہو رہا۔ دیکھ لے، کچھ بتانا چاہے تو بتا سکتا ہے۔"

ڈھنگ کی بات کرنا تو تجھے آتا ہی نہیں۔ نجانے کس نے تجھے پولیس کی وردی پہنائی "ہے؟ سمجھداری کا کام ہے وہ۔"

اب شاہ میر اُسے سنا رہا تھا اور وہ آگ لگا کر سکون سے بیٹھا تھا۔

"سب ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ گرم گرم منگوانا یار دوبارہ سے۔"

شاہ میر نے پلیٹ کو دیکھا جو وہ چٹ کر چکا تھا۔ وہ کبھی نہیں سدھرنے والا تھا۔ افسوس میں سر ہلاتا وہ دوبارہ آرڈر دینے لگا۔ وہ دونوں ایسے ہی تھے، دیسی ٹام اینڈ جیری۔۔۔۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

آرزا اپنی ماں کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ ندا بیگم کے ہمراہ نائلہ بخاری بھی وہیں موجود تھیں۔

چچی!! آپ سمجھائیں انہیں، میں نے بہت سوچ کر فیصلہ کیا ہے اور ابھی تو بہت وقت "پڑا ہے سب کے جانے میں۔"

اور میں بھی تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں یہیں "رہوں گی تمہارے ساتھ۔"

"چچی؟"

"بھابھی!! وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ آپ کو آب و ہوا میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔"

نائلہ!! مجھے کسی بھی بدلاؤ کی ضرورت نہیں۔ یہاں میری اور حسن کی یادیں ہیں۔" "میں نہیں جاؤں گی۔"

امی!! میں یہ گھر بند تو نہیں کر رہا ہوں، یہ بالکل ایسا ہی رہے گا۔ بس آپ تھوڑا بہتر ہو جائیں گی تو آ کر لے جاؤں گا آپ لوگوں کو۔"

"کیوں فکر کرتیں ہیں آپ؟ ہم سب ساتھ چلیں گے اور ساتھ واپس آئیں گے۔ میری بڑی قیمتی چیز ہے وہاں، مجھے وہ بھی واپس لانی ہے۔"

وہ ماں بیٹا سمجھ گئے تھے کہ وہ اپنی بیٹی کی بات کر رہی تھیں۔

"ہاں، وہ صرف کسی ایک کا نہیں پورے کے پورے بخاری ہاؤس کا خزانہ ہے۔ اُسے کیسے بھول جائیں گے ہم؟ میں چلی جاؤں گی لیکن تم اکیلے نہیں رہو گے۔"

اُف امی بات پھر گھوم پھر کر وہیں آ رہی ہے، آپ فکر نہ کریں میری۔ بس آپ ابھی سے جانے کی تیاری کر لیں۔"

وہ چلا گیا تھا۔ وہ جانا نہیں چاہتیں تھیں لیکن جانا اُن کی مجبوری تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

چار مہینے بعد:

رمضان المبارک کا ایک عشرہ گزر چکا تھا۔ حویلی میں رمضان کا اہتمام ہر مرتبہ سے کچھ زیادہ بڑھ کر ہو رہا تھا۔ ان چار مہینوں میں حیام بخاری، حیام بخاری نہ رہی تھی۔ وہ بدل

گئی تھی۔ کوئی ایسا دن نہ گزرا تھا جس دن وہ باجی بیگم کے کمرے میں نہ گئی ہو۔ وہ اُن سے قرآن سیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے خدا کے احکامات جان رہی تھی۔ اپنے خدا کے حکم، اُن کے احکام پر سر جھکانے لگی تھی۔ خدا نے اُسے ہدایت کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ وہ سرتاپاؤں بدل گئی تھی۔ حیام بخاری کی گمراہی کے دن ختم ہو گئے تھے۔

حیام حویلی میں اب گرمی کی فکر کیے بغیر ڈوپٹے سے خود کو چھپا کر رکھتی تھی، اور تو اور شال اُس کے لباس کا مستقل حصہ بن چکی تھی جسے وہ شانوں پر پھیلا کر رکھتی۔ وہ پوری حویلی والوں کے رنگ میں رنگتی جارہی تھی۔

وہ سب لڑکیاں اب بھی مختلف قسم کے کھانوں پر اپنی مہارت آزمائی کرتیں لیکن اب اُن کے ہاتھ میں سچ کی مہارت آگئی تھی۔ اُن کے ہاتھ میں ذائقہ رچ گیا تھا۔ اب کوئی نئی چیز بنتی تو پہلی مرتبہ میں ہی وہ اچھی بن جاتی۔ شاہ میر کو اُن لڑکیوں کی جانب سے یہ سکھ نصیب ہو گیا تھا۔ کچھ دن بعد حیام کی سالگرہ تھی۔ شاہ میر نجانے کیا کیا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ پچھلے مہینوں میں اُس نے حیام کو اور اچھے سے جانا تھا۔ وہ ویسی بالکل بھی نہیں تھی جیسی پہلی نظر میں دیکھ لوگ اُس کو سمجھ لیتے تھے، وہ سب باتوں، سب اندازوں سے مختلف تھی۔

حیام کی بدلتی شخصیت کے زیرِ نظر اماں بیگم نے بشیر ابی اور سعدیہ کو مستقل طور پر حویلی کے پچھلے حصے میں موجود کوارٹرز میں جگہ دے دی تھی۔ جبکہ بشیر ابی کے بیٹے کو شاہ میر نے شہر میں اچھے پرائیویٹ کالج میں داخلہ دلوا دیا تھا۔ وہ اب وہیں ہاسٹل میں رہتا تھا۔ اماں بیگم کے مطابق سعدیہ کا حیام کے ساتھ ہر پل ہونا ضروری تھا۔

اور محض باجی بیگم نے ہی حیام کو نہ بدلہ تھا بلکہ حیام بھی اُن کو بدل رہی تھی۔ وہ کیسے؟ یہ جلد ہی حویلی کے افراد جاننے والے تھے۔ اُن پر یہ راز آشکار ہونے والا تھا۔ تبدیلی کب کیسے انسان کے دل و دماغ اور وجود پر اُتر آئے، کون جانتا ہے؟ کبھی منال نے بھی چاہا تھا کہ وہ حیام کو بدل دے گی۔ اُس نے خدا سے مدد چاہی تھی لیکن حیام کے بدلاؤ کا وسیلہ خدا نے باجی بیگم کو بنایا، اُنہیں چُنا۔ بیشک خدا جسے ہدایت دینا چاہے، جس کو ذریعہ بنانا چاہے۔۔۔۔۔

شہر میں بخاری ہاؤس کا منظر بدل گیا تھا۔ آرز کے علاوہ سب گاؤں کے لیے نکلنے کو تیار تھے۔ آرز، بازل کے ہمراہ سب کا سامان گاڑی میں رکھوا رہا تھا۔ ندا بیگم کی عدت کا عرصہ ختم ہو چکا تھا۔ اب آرز اُنہیں جلد سے جلد یہاں سے بھیجنا چاہتا تھا۔ بازل نے بہت ضد کر کے، بحث کر کر آرز کو منا ہی لیا تھا۔ وہ اُس کے ساتھ شہر میں ہی رکنے والا

تھا۔ بازل نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر ویک اینڈ پر حویلی چلا جایا کرے گا۔ آخر کو پریشے بھی تو سب کے ساتھ جا رہی تھی۔

"آرز! تم اب بھی سوچ لو۔ چلو ہمارے ساتھ۔"

ندا بیگم اُس کا ہاتھ تھامے ایک مجبور ماں کی صورت اُسے تکے جا رہیں تھیں جن کی اولاد نے اُنہیں نہ سُننے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"امی! میں نے کہا ہے نا کہ ملنے آتا رہوں گا۔"

وہ سارا سامان رکھوا چکا تھا۔

"مجھے وہ جھوٹے وعدے مت تھماؤ جو تم خالہ اماں سے کرتے رہے ہو۔"

ندا بیگم کی بات پر وہ مزید شرمندہ ہوا۔

"امی! اس مرتبہ یہ کہہ رہا ہے تو مان لیں اور میں خود لے کر آؤں گا اسے، وعدہ۔"

اس مرتبہ ایک وعدہ بازل نے اپنی ماں سے کیا۔

"چلیں بھابھی۔ لڑکیوں بیٹھو گاڑی میں۔"

نائلہ بیگم نے آکر ندا بیگم کا ہاتھ تھام تسلی دی۔ وہ دونوں آرز کو پیار کرتیں گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ مشعل چلتے ہوئے آرز تک آئی، اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"ادھر آؤ میرے پاس۔"

آرز نے اپنی بہن کو اپنے گلے لگا لیا۔

"میں آؤں گا، تمہیں تو یقین ہے نا اپنے بھائی کے کہے پر؟"

مشعل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ اپنا خیال رکھیے گا اور روز مجھ سے بات بھی کریئے گا۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے؟"

وہ آرز سے الگ ہوتی بولنے لگی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپ کی امانت، اُس کے اصل حقدار تک پہنچا دوں گی۔"

وہ سر ہلاتا، اُس کا ماتھا چوم پیچھے ہو گیا۔ اب سب کو الوداع کہنے کا وقت آ گیا تھا۔ سب جا رہے تھے۔ بخاری ہاؤس کی سرحد پار کر دو گاڑیاں اپنی منزل کو نکل گئیں۔ وہ وہیں اکیلا کھڑا رہ گیا۔

مغرب کی آذان ہونے میں کچھ ہی دیر تھی۔ شہر سے سب کی آمد بھی اسی وقت متوقع تھی۔ سوا فطار کی تیاریاں خوب زور و شور سے چل رہی تھیں۔ حویلی کے اگلی طرف

بڑی بڑی کڑاہیوں میں مختلف اشیاء تیار ہو رہی تھیں۔گاؤں میں افطار وہیں سے بٹتا تھا۔ مردان خانہ مردوں سے بھرا پڑا تھا۔اب تو حیام کے کہنے پر گاؤں کی عورتوں کا آنا جانا ایک مرتبہ پھر سے شروع ہو چکا تھا اور رمضان میں تو وہ پورا مہینہ افطار بھی وہیں کرتیں لیکن آج عورتوں کو نہ بلایا گیا تھا۔حیام لوگ باورچی خانے میں الگ تیاری بھی کر رہیں تھیں۔جب سب کچھ تقریباً ہو چکا تو وہ ہاتھ دھوتی وہاں سے چلی گئی۔ دروازے پر دستک دیتی وہ اندر داخل ہوئی تو باجی بیگم اُسے دیکھ مسکرا دیں۔

"آج میں آپ کے ساتھ افطار کروں گی۔"

وہ مسکراتی ہوئی بیڈ پر اُن کے مخالف سمت بیٹھ گئی۔

"ضرور کرو لیکن۔۔۔۔"

"لیکن؟"

تبھی سعدیہ اجازت لیتے اندر آئی۔مختلف لوازمات سے بھری ٹرے ایک طرف میز پر رکھتی وہ چلی گئی تو بات کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر سے جڑا۔

"آج اماں آ رہی ہیں نا تمہاری؟اُن کے ساتھ نہیں بیٹھو گی؟"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نہیں، مل لوں گی اُن سے میں۔اب تو یہیں رہیں گی وہ لیکن یونہی دل کر رہا ہے میرا۔"

"اگر آپ کہتی ہیں تو چلی جاتی ہوں۔

کہہ کر وہ اُٹھنے لگی تھی جب اُنہوں نے اُسے ہاتھ سے پکڑ واپس بٹھایا۔

"اچھا نا بیٹھ جاؤ۔آج میرے ساتھ ہی کر لو۔آج کر لو گی تو کل میں روک لوں گی۔پھر تم میرے کہنے پر رکنے لگو گی تو عادت ہو جائے گی مجھے تمہاری۔"

"میں تو سمجھی تھی کہ عادت ہو چکی ہے۔"

حیام ہنسی۔

"عادت لگا کر تم چلی جاؤ گی اور میں ایک مرتبہ پھر سے تنہا۔۔۔"

"آپ کو کس نے کہا ہے پھپھو کہ میں چلی جاؤں گی؟"

حیام کے لہجے میں حیرانی رقم تھی۔

"شہر سے سب آ رہے ہیں اور واپسی کی راہ پر تمہیں لیے بغیر کیسے جائیں گے وہ؟ تم بیٹی ہو اُس گھر کی اور آئی بھی تو کچھ عرصہ کے لیے تھی نا؟"

اُن کی بات پر حیام نے اُنہیں بے یقین نگاہوں سے تکا۔یہ سب حیام نے کیسے نا سوچا تھا۔

"تم ساری زندگی تو یہاں نہیں رہ سکتی نا حیام؟"

"کیوں نہیں رہ سکتی؟ یہ حویلی میری بھی ہے۔ آپ سب میری بھی فیملی ہیں، ہیں نا؟"

اُس کے لہجے میں امید تھی۔ باجی بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر کیسے جاسکتی ہوں میں؟ جسے واپس جانا ہے چلا جائے۔ میں نہیں جاؤں گی۔ جب مجھے یہاں چھوڑ کر سب سکون سے پیچھے رہ رہے تھے تب تو کسی کو میری فکر نہ ستائی تھی کہ میں اس ماحول، اتنے انجان لوگوں میں کیسے رہ رہی ہوں۔ تو پھر اب میں اُنہیں یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ مجھے واپس لے جائیں۔"

"اپنی اماں کے بغیر کتنا عرصہ مزید رہ سکتی ہو؟"

"وہ جو نیچے بیٹھیں ہیں نا اس حویلی کی اماں بیگم؟ اُنہیں میں مخاطب کرتی ہوں تو اماں پکارتی ہوں۔ وہ اس حویلی کی باقی لڑکیوں کی دادی ضرور ہوں گی لیکن آپ کی طرح میری ماں ہیں وہ اور آپ پھپھو، آپ بھی میری ماں ہیں۔"

وہ ہنسی۔

"میں نے اپنی زندگی کے فیصلے کرنا خود سیکھ لیا ہے۔"

وہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ایک لمبی خاموشی نے اپنا بسیرا کر لیا تھا۔وہ آگے ہو کر باجی بیگم کے سینے سے لگتی بستر پر لیٹ گئی۔اُنہوں نے بھی اُسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

شہر والے مرالہ گاؤں کی سرحد پار کر حویلی کے پچھلے حصے تک، اپنی طے شدہ منزل کو پہنچ گئے۔شاہ میر وہاں پہلے سے کھڑا تھا۔اُن سب کا استقبال کر وہ اُنہیں پچھلے دروازے سے اندر لے گیا۔سلام، دعا، ملاقات کا سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا تو باہر مغرب کی آذان پورے اہتمام کے ساتھ فضا میں گونجنے لگی۔مرد باہر مردان خانے میں جا چکے تھے۔عورتوں کی محفل الگ سے حویلی کے برآمدے میں سجی تھی۔نائلہ بیگم کی آنکھیں، اُن کی نظریں مسلسل حیام کو ڈھونڈ رہی تھیں۔مشعل اور پریشے کو شاید یہاں آنے سے پہلے یہاں کے ماحول سے آگاہ کر دیا گیا تھا، جب ہی تو لمبی لمبی چادریں اپنے گرد لپیٹے تھیں لیکن پھر بھی اُن کی شخصیت اُن کی یہاں سے لاتعلقی چیخ چیخ کر بتا رہی تھی۔بال کھلے، جن کی لٹیں چہرے پر بکھری تھیں، ڈوپٹے جو کہ سر سے ڈھلک چکے تھے۔اماں بیگم نے نائلہ بخاری کی بے چین نگاہیں پڑھ لیں تھیں۔

"سکون سے بیٹھ جا نائلہ۔حاجرہ کے پاس ہے تیری بیٹی۔نماز پڑھ کر آ جاوے گی، تب تک تم سب بھی مغرب پڑھ لو۔"

NEW ERA MAGAZINE .com Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"جی، خالہ اماں!"

وہ جواب دیتے سر جھکا گئیں۔ جبکہ خالہ اماں اُٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔

نماز سے فارغ ہو ایک مرتبہ پھر سے اماں بیگم سب کے ساتھ موجود تھیں۔ اب کے چائے کا دور شروع ہوا۔ منال سعدیہ کے ہمراہ سارے لوازمات لاتی میز پر رکھ وہیں پاؤں کے بل بیٹھ چائے تیار کر سب کو باری باری تھمانے لگی۔ کرن اُس کی مدد کر رہی تھی جب منال بول پڑی۔

"مناہل! جاؤ حیام کو دیکھو جا کر اور پوچھ بھی لینا کہ پھپھو کو کچھ چاہیے تو نہیں۔"

"جی!"

مناہل اُس کے ایک کہنے پر اُٹھ گئی جب حیام خود ہی برآمدے میں داخل ہوئی۔ سب کی نظروں کا رخ اُس کی جانب تھا جبکہ اُس کی نظریں اماں بیگم پر تھیں۔

سفید لباس، ساتھ ہم رنگ ڈوپٹہ چہرے کے گرد لپٹا تھا، خاکی رنگ شال اپنے گرد لپیٹے، وہ پہلے والی تو حیام نہ تھی۔ سر تا پاؤں وہ حیام نہ تھی جو شہر سے یہاں آئی تھی۔ پہلے سے دبتی رنگت جو کہ وہاں موجود تمام خواتین سے بڑھ کر شفاف تھی اور پہلے سے گھٹتی صحت۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اماں! بشیر ابی سے کہیں کہ پھپھو کو دم کیا پانی دیں آئیں۔"

اماں کو پیغام دے اُس کی نظریں اپنی ماں پر ٹھہریں، جن کی آنکھوں میں اُسے دیکھ آنسو چمکنے لگے۔وہ اُنہیں دیکھ مسکرائی۔

"اسلام و علیکم!!"

سب کو اجتماعی سلام کرتے وہ اپنی ماں کے گلے لگ گئی جو اُسے اپنے قریب پا کر خاموش آنسو بہانے لگیں۔وہ بھی رو رہی تھی۔اُس کی ماں کی خوشبو اُسے یاد تھی۔وہ کتنا عرصہ اس خوشبو کی متلاشی رہی تھی۔اُن سے الگ ہو کر وہ اپنی تائی امی سے ملی، وہ بھی رو رہیں تھیں۔پریشے اور مشعل سے بھی مصلحتاً ملتی وہ منال کے پاس نیچے زمین پر جا کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"لاؤ میں بنا دیتی ہوں۔"

"رہنے دو، میں بنا چکی ہوں۔"

منال نے کہتے ہوئے چائے کا ایک کپ اُس کے سامنے کیا جو اُس نے مسکرا کر تھام لیا۔شہر والوں کے لیے یہ بات نئ تھی،اُن کی حیام تو چائے نہ پیتی تھی۔چائے کا گھونٹ بھرتے ہی حیام مسکرائی۔منال بھی چہرہ جھکائے مسکرا دی۔

"پلیز حیام، مجھے بتادو کہ منال تمہیں میٹھی چائے پلانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔"

کرن نے تجسس کے مارے حیام کو دیکھتے سوال کیا جو مظلوم صورت بنائے اُسے تکنے لگی۔چائے میں اتنا میٹھا تھا کہ حیام کے لیے اُسے نگلنا مشکل ہو گیا۔سب کی توجہ کا مرکز وہ تینوں تھیں۔

"لو اتنا میٹھا بھی نہیں ڈالا میں نے، ہے نا حیام؟"

وہ شرارت پر آمادہ تھی تو پھر ایسے ہی سہی۔

"بالکل!!اپنی چائے دینا۔"

کہتے ہی منال کے ہاتھ سے چائے کا کپ زبردستی پکڑ لیا۔حیام کے ایسا کرتے ہی کرن نے شوگر پاٹ میں بھر بھر کے تین چمچ چینی کپ میں ڈال دی جسے حیام نے مکس کرتے واپس منال کو تھما دیا۔

اب میں نے اتنی محبت سے میٹھا دیا ہے تو انکار مت کرنا اور اسے ضائع تو بالکل نہ کرنا۔"

"خدا کے رزق کی بے حرمتی نہیں کرتے۔

وہ شرارت سے کہتی وہاں سے اُٹھ گئی۔منال سے اُسے کوئی اچھی امید تو تھی نہیں۔وہ اُٹھ کر اماں کے برابر اُن کے تخت پر جا بیٹھی۔نائلہ بیگم اور ندا بیگم کے لیے یہ سب

حیرانی کا باعث تھا۔اُنہوں نے کبھی کسی کو اماں کے برابر اُن کی اجازت کے بغیر بیٹھتے نہ دیکھا تھا۔پریشے اور مشعل تو اپنی جگہ الگ حیران تھیں،اُنہوں نے یہاں آنے سے پہلے تو کچھ اور سُنا تھا اور اب کچھ نیا دیکھنے کو مل رہا تھا۔سب لوگ چائے پی چکے تھے۔ چھوٹی موٹی باتوں کا سلسلہ اب بھی جاری تھا۔

"آپ سب تھک گئے ہوں گے۔آئیں میں کمرے دکھا دیتی ہوں۔"

نفیسہ بیگم نے کھڑے ہوتے سب کو مخاطب کیا جس پر سب ہاں میں ہاں ملائے کھڑے ہو گئے۔

"اماں!آپ میرے ساتھ چلیں۔"

حیام نائلہ بخاری سے کہتی اُٹھ کھڑی ہوئی جو ہاں میں سر ہلاتیں اُس کے ساتھ چل دیں۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

مردان خانے کا منظر بھی حویلی سے مختلف نہ تھا۔اب وہاں صرف حویلی کے مرد موجود تھے۔گاؤں کے مرد حضرات اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔

"برخوردار!!آ ہی گئے پھر تم۔"

وقار شاہ نے بازل کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرایا۔

"آپ سے کہہ کر گیا تھا، وعدہ کیا تھا کہ آؤں گا تو وعدہ وفا کرنا مجھ پر فرض ہو گیا تھا۔"

وہ دل سے مسکرایا۔

"لیکن یہ نہیں چاہا تھا میں نے کہ تم اس طرح سے آؤ۔"

اُن کا اشارہ حسن صاحب کی وفات کی جانب تھا۔اُس کی مسکراہٹ ماند پڑ گئی۔

چلیں بس کر دیں۔اتنی رات ہو گئی ہے۔چچا جان بھی تھک گئے ہوں گے۔ میرا"

"خیال ہے کہ اب سونا چاہیے۔

شاہ میر نے بات کا رخ موڑ دیا۔

"ہاں، بالکل!! پہلے تھکاوٹ اُتار لو پھر باتوں کے لیے وقت ہی وقت ہے۔"

وہ تینوں وہاں سے اُٹھ کر اندر حویلی کی جانب چل دیئے۔جبکہ بازل اور شاہ میر اب بھی وہیں موجود تھے۔

"یہ نہیں پوچھے گا کہ کیسی ہے وہ؟"

شاہ میر نے اُسے دیکھتے ہوئے سوال کیا جو لہراتے پردوں کی اوٹ سے دکھتے چاند کو دیکھنے میں مصروف تھا۔

"پوچھوں گا، پوچھوں گا لیکن ابھی نہیں۔"

"وہ کیوں؟ ناراض ہے تو اُس سے؟"

ایک مرتبہ پھر سوال کیا گیا۔

"نہیں۔۔۔۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ مجھے اُس کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں ملتا اب۔ جب جب اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر اُسے سوچنے کا ارادہ کرتا ہوں، کوئی نا کوئی میرے زخم ادھیڑ کر مجھے واپس حقیقت میں کھینچ لیتا ہے۔"

اُس کا اشارہ کچھ دیر پہلے ہونے والی گفتگو کی جانب تھا۔

"آ تجھے کمرے تک چھوڑ آؤں۔ اکیلے جانے میں کوئی قباحت تو نہیں، پھر بھی آج کل سب لڑکیاں رات گئے تک جاگتی ہیں اور بھوک کے دورے تو پڑتے ہی رہتے ہیں اُنہیں۔"

"نہیں، تو جا۔ میں ادھر ہی ہوں۔ کچھ دیر کھلی ہوا میں رہنا چاہتا ہوں۔"

بازل کے جواب پر شاہ میر اُسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ پھر اُٹھ کر اندر کو چل دیا۔ اُسے حیام سے بات بھی کرنا تھی جو کہ کرنا بہت ضروری تھی۔

وہ اپنی ماں کے کمرے میں اُن کے ساتھ اُن کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔ وہ اُنہیں نجانے کون کون سی کہانیاں سُنا رہی تھی۔ اُس کی ہر بات اماں سے شروع ہو کر منال، کرن اور مناہل پر ختم ہو جاتی۔ وہ مسکرا کر اپنی بیٹی کو سُن رہیں تھیں۔ اُس کے بابا بھی وہاں آ گئے تھے جن سے لپٹ کر وہ رو دی تھی۔ وہ اُن سے کتنی محبت کرتی تھی۔ اُنہیں وہ کتنا یاد کرتی تھی۔ حیام وہیں اُن کے پاس باتیں کرتے ہوئے سو گئی، اُسے معلوم بھی نہ ہوا تھا۔ آج وہ پہلی بار سحری سے پہلے سوئی تھی۔ نائلہ بخاری کے ایک جانب بیڈ پر وہ آرام سے نیند کے مزے لے رہی تھی۔ آج سے پہلے اتنی پُر سکون نیند اُسے نجانے کب آئی تھی۔ نائلہ بخاری بیڈ کے دوسری جانب بیٹھیں اُسے مسلسل دیکھ رہیں تھیں جبکہ مصطفیٰ صاحب سامنے پڑے صوفے پر بیٹھے تھے۔ اُن کی نظریں بھی مسلسل اپنی اکلوتی بیٹی پر تھیں۔

"مصطفیٰ!!"

نائلہ بخاری نے اُنہیں بلایا تو وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئے جو معلوم نہیں کیا سوچ رہے تھے۔

"ہمم!!"

"ہماری بیٹی کتنا بدل گئی ہے۔ یہ وہ حیام تو نہیں ہے جو۔۔۔"

میں بھی وہی دیکھ رہا ہوں۔ میں یہ جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ کہیں مجھ سے کوئی" "غلطی تو سرزد نہیں ہو گئی۔

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ نجانے اس خاموشی کا دورانیہ کتنا طویل ہونے والا تھا۔

ندا بیگم کو کمرے میں چھوڑ کر مشعل بھی پریشے کے ہمراہ اُس کے کمرے میں ہی آ گئی۔ پریشے کا اس حویلی میں اکیلے رہنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور نجانے یہ بازل کب آنے والا تھا۔ اُن دونوں نے جاتی ہوئی کرن کو کچھ دیر کے لیے اپنے پاس ہی روک لیا۔ وہ وہیں اُن کے پاس بیٹھ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ باہر سے گزرتے ہوئے شاہ میر نے کرن کی آواز سُنی تو وہیں باہر رک کر اُسے آواز دی۔ جس کی آواز سُن کر اندر خاموشی

نے اپنا راج کیا۔ کرن وہاں سے اُٹھتی باہر آئی۔ وہ لوگ اب باہر کھڑے تھے لیکن اُن کی آوازیں اندر بیٹھے افراد آرام سے سُن سکتے تھے۔

"حیام کدھر ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہو گی۔"

"وہ وہاں نہیں ہے۔ میں نے منال سے بھی پوچھا، وہ وہاں بھی نہیں۔"

شاہ میر کے لہجے میں حیام کے لیے پریشانی تھی۔

"خیریت ہے نا بھائی؟"

کرن کے سوال پر وہ نارمل ہوا۔

ہاں، خیریت ہے۔ بس ایک ضروری بات کرنی تھی۔ ایک کام کرو کہ اُسے ڈھونڈو"

"اور میرے پاس بھیج دو ابھی۔

وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"بھائی۔۔۔۔"

کرن کے بلانے پر وہ پیچھے مڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"آپ کے کمرے میں؟"

"نہیں، چھت پر ہوں میں وہیں بھیج دو۔"

وہ جا چکا تھا۔ کرن واپس اندر آئی۔ اُن دونوں سے معذرت کرتے وہ حیام کو دیکھنے نکل گئی۔ جبکہ پیچھے پریشے اور مشعل ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئیں۔ اُن کی سوچوں کا محور حیام کی ذات تھی۔ اُس نے یہاں اپنی الگ دنیا بسالی تھی۔ اُس کی اس نئی دنیا میں پرانے رشتوں کی کوئی جگہ نہ تھی۔ حیام کے انداز میں موجود جھجک کو وہ باخوبی جان گئیں تھیں۔ اب اس حویلی کے ہر فرد کی زبان پر ہمہ وقت حیام کا نام چہکتا تھا۔ حیام کے نام کی گونج حویلی کی دیواروں کو سُننے کی عادت ہو گئی تھی۔

کرن مصطفیٰ صاحب کے کمرے پر دستک دیتی اندر آئی۔ کمرے میں جلتی لائٹس وہاں موجود افراد کے جاگنے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ مصطفیٰ صاحب کو سلام کرتی وہ بیڈ پر سوئی حیام کی جانب متوجہ ہوئی۔ حسبِ معمول کرن سر سے پاؤں تک چادر میں چھپی ہوئی تھی۔

"ارے، یہ سو گئی۔"

ہاں، یہ اس کے سونے کا ٹائم تھا نا۔ بچپن سے اپنے وقت پر سونے کی پابند ہے۔ مجال "
"ہے کہ کبھی اوپر جاگی ہو۔

نائلہ بیگم کے یوں کہنے پر کرن مسکرائی۔

نہیں، دراصل اب تو رات دیر تک جاگتی ہے اور ہمیں بھی اپنے ساتھ جگائے رکھتی "
"ہے۔ کسی کو سونے ہی نہیں دیتی۔

نائلہ بخاری ہلکا سا مسکرائیں۔ اُن کی بیٹی سچ میں بدل گئی تھی۔ اُنہیں یہ دکھ ہی ختم
ہونے کو نہ آرہا تھا۔

"اب سو گئی ہے تو سوتی رہے۔"

کرن اُسے دیکھتی جانے لگی تھی جب حیام آوازیں سن ہلکا سا کسمسائی اور اپنی بوجھل
آنکھیں کھول کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کرن کو دیکھ وہ اُٹھ بیٹھی۔

"خیریت ہے تم یہاں؟"

"ہاں، تمہیں دیکھنے آئی تھی۔ تم سو گئی تھی تو بس جانے ہی لگی تھی۔"

"کوئی کام تھا؟ معلوم نہیں آج آنکھ کیسے لگ گئی۔"

حیام اُسے کہتے ہی بیڈ سے اُٹھ گئی اور اپنی شال اپنے گرد مضبوطی سے کھینچتی اُسے تکنے لگی۔

"شاہ میر بھائی تم سے بات کریں گے، چھت پر ہیں۔"

کرن کا اشارہ سمجھ کر وہ وہاں سے سر ہلائے کمرے سے نکل گئی۔اب اُس کا رخ اوپری سیڑھیوں کی جانب تھا۔ چھت کا دروازہ کھولتی وہ باہر نکلی۔شاہ میر وہیں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔حیام خاموشی سے اُس کے برابر میں جا بیٹھی۔وہ اُس کی آمد سے انجان تو نہ تھا۔وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا سیاہ آسمان تکتا رہا۔

"تم مل لو اُس سے۔"

"اُس سے کس سے؟"

حیام انجان بنی رہی۔

"بازل سے۔"

"خیریت؟"

حیام کے پوچھنے پر شاہ میر مسکرا دیا۔اپنی بات پر غور کیا تو وہ خود بھی ہنس دی۔آج حویلی میں سب ہر ایک سے خیریت کی آگاہی چاہتے تھے۔

"وہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم مل لو گی تو بہتر ہو جائے گا۔"

"اور اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ میرے مل لینے سے وہ بہتر ہو جائیں گے؟ میں اُنہیں کسی بُری یاد کی صورت دکھ بھی تو پہنچا سکتی ہوں؟"

"تم جانتی ہو حیام کہ وہ تم سے کبھی بھی باغی نہیں ہو سکتا۔ مل لو ایک مرتبہ۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک مرتبہ پھر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم میری بات مان لو گی۔"

وہ کھڑا ہوا اُس کے سر پر ہاتھ رکھتا وہاں سے چلا گیا۔ اب وہ وہاں اکیلی موجود تھی۔ سیاہ رات پر پھیلتی تاریک تنہائی اُسے بے چین کرنے لگی تھی۔

سحری کے وقت ایک مرتبہ پھر حویلی روشنیوں سے جگمگانے لگی۔ باورچی خانے کی حالت دیکھنے لائق تھی۔ بشیراں بی باقی ملازماؤں کے ساتھ تیاری کر رہیں تھیں جبکہ لڑکیاں کیسے پیچھے رہ سکتیں تھیں۔ مصطفٰی صاحب، وقار شاہ اور عمران بخاری کے ہمراہ مردان خانے واپس جا چکے تھے جب کہ شاہ میر اور بازل کا ارادہ سب کے ساتھ کھانے پینے کا تھا۔ وہ سب لڑکیاں تو سر سے لے کر پاؤں تک خود کو چادروں میں ڈھکے ہوئے

تھیں جبکہ مشعل اور پریشے کا ایسا کوئی پردہ نہ تھا۔ برآمدے میں سب بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ آہستہ آہستہ نیچے زمین پر دستر خوان سجایا جا رہا تھا۔ جب سب کچھ لگ چکا تو وہ سب بھی باری باری آکر بیٹھ گئیں سوائے حیام کے۔ وہ نجانے کہاں تھی۔ سب کھانے میں مصروف تھے۔ حیام ابھی تک بازل کے سامنے نہ آئی تھی۔ کچھ دیر ہی گزری تھی جب حیام کافی کا مگ پکڑے وہاں آئی۔ آتے ہی وہ بولنا شروع ہو چکی تھی۔ ادھر اُدھر دیکھنا تو اُس پر جیسے فرض ہی نہ تھا۔

"شاہ میر بھائی!! میں آپ کو یہ آخری مرتبہ بتا رہی ہوں کہ یہ کافی اب مزید اس حویلی میں نہیں بنے گی۔ توبہ کریں، سحری کے وقت تو چھوڑ دیا کریں۔ میں بتا رہی ہوں اب جب بھی پینی ہو گی، رمضان کے بعد۔۔۔۔"

کہتی ہوئی وہ شاہ میر کے مقابل جھکی اور کافی کا مگ اُس کے سامنے رکھتی سیدھی ہوئی۔ اُس کی نظریں سیدھا بازل پر جا کر رکیں تھیں جو کہ بے حس و حرکت اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اچھا!! میری ماں، بس یہ آخری دفعہ لیکن بے فکر رہو تم۔ یہ ڈیوٹی صدا تم ہی نبھانے "والی ہو۔"

وہ حیام کو دیکھ مسکرا رہا تھا جو اُسے کہاں دیکھ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"اسلام و علیکم !!"

حیام نے بازل کو سلام کیا جس نے سر جھکائے خاموشی سے اُس کے سلام کا جواب دے دیا تھا۔

"آؤ، بیٹھو۔"

شاہ میر نے اُسے اشارہ کرتے وہیں اپنے قریب ہی بٹھالیا۔

سحری سے فارغ ہو کر، فجر کی نماز ادا کر سب اپنے اپنے کمروں کو جا لیے تھے سوائے اماں بیگم اور حویلی کی عورتوں کے۔اُن کی صبح ہو چکی تھی۔ سونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

حیام برآمدے سے اُٹھ کر بازل کے کمرے کی جانب چل دی۔ کمرے سے بازل کی آواز باہر تک آرہی تھی، یقیناً وہ سویا نہیں تھا۔دروازہ ادھ کھلا تھا۔وہ دستک دے کر وہیں کھڑی رہی۔ مقصد اُسے متوجہ کرنا تھا جو پورا ہو گیا تھا۔بازل کے ساتھ ساتھ پریشے کا بھی رخ اُس کی جانب تھا۔

"میں آجاؤں ؟"

بازل نے محض اثبات میں سر ہلایا۔وہ قدم قدم چلتی اُس کے مقابل اُس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی جو کہ بیڈ کے کنارے پر ٹکا تھا۔حیام نے بازل کے ہاتھ تھام کر اُن پر اپنا ماتھا ٹکا لیا۔وہ خاموش آنسو بہانے لگی۔یہ اُس کا معافی مانگنے کا طریقہ تھا۔اُسے مان تھا کہ وہ اُسے معاف کر دے گا۔کیسا رشتہ تھا وہ کہ اپنی غلطی جانتے بوجھتے اُس نے منہ موڑ لیا تھا لیکن اب خود ہی دل کے ہاتھوں مجبور ہو آ گئی تھی۔اُسے یقین تھا کہ وہ ناراضگی بھلا دے گا، کیسا یقین تھا؟

بازل اپنی جگہ خاموش بیٹھا تھا۔اُس کے آنسو ٹپ ٹپ حیام کا ڈوپٹہ بھگو رہے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"بھائی!!"

حیام نے سر گوشی کی سی صورت اُسے پکارا۔

"معاف کر دیں نا یار۔۔۔۔"

اُس نے اپنا چہرہ اُٹھایا جو کہ آنسوؤں سے تر تھا۔

تم نے ایسا کہا بھی کیسے حیام کہ تمہارا میرے باپ سے کوئی رشتہ نہیں تھا؟اُن سے "کوئی تعلق نہیں تھا تو مجھ سے کیسے ہو سکتا ہے؟"

وہ تڑپ کر ایک مرتبہ پھر اُس کے بازو سے سر ٹکائے رو دی تھی۔اب کے اُس کے رونے میں شدت تھی۔

"ایسا نہیں کہیں پلیز۔آپ جانتے ہیں نا کہ مجھے سب سے زیادہ محبت آپ سے ہے؟"

"نہیں، میں نہیں جانتا۔میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔تمہیں بھی نہیں پہچانتا۔اور غور سے دیکھو میری جگہ اب کوئی اور بیٹھا ہے، وہ بھی بڑی شان کے ساتھ۔"

بازل کا اشارہ شاہ میر کی جانب تھا۔اُسے یہ برداشت ہی نہ تھا کہ حیام اُس کے برابر کسی دوسرے کو بٹھائے۔

"معافی مانگ تو رہی ہوں بھائی، معاف کر دیں نا۔آپ تو میری ہر غلطی معاف کر دیتے تھے۔اب بھی کر دیں نا۔"

پریشے اتنے میں مشعل کو بلا لائی تھی۔اُسے ڈر تھا کہ کہیں بحث ہی نہ ہو جائے لیکن بھول گئی تھی کہ جو شخص اُس کی غیر موجودگی میں اُس کے لیے لڑ سکتا تھا، اُس سے کیسے لڑ سکتا تھا؟

"دیکھیں آپ کچھ نہ بولے تو میرا دل بند ہو جائے گا، میں مر جاؤں گی بھائی۔۔۔"

حیام کی یہ بات بازل کو تڑپا گئی تھی۔ وہ تو اُسے ہزار غلطیوں، کوتاہیوں کے باوجود جان سے پیاری تھی۔ بازل نے اُسے اُٹھا کر اپنے برابر میں بٹھایا، وہ اس کے سینے سے لگتی ہچکیوں سمیت رو دی۔ اُس کا رونا وہاں موجود مشعل اور پریشے کو بھی رلا گیا تھا۔

"بس کر دو حیام، مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ مجھے اذیت مت دو۔"

وہ بامشکل بازل سے الگ ہوتی آنسو صاف کرتی ایک مرتبہ پھر پوچھنے لگی۔

"آپ ناراض تو نہیں ہیں نا مجھ سے؟"

آنسو تو پھر سے بہنے کو بے تاب تھے۔

نہیں، تم سے تو پہلے بھی نہیں تھا۔ تم سے کیسے ہو سکتا ہوں؟ شکوے تو اب بھی ہیں "بہت سے لیکن پھر کبھی۔۔۔۔

اُس کا انداز صاف ایسے تھا جیسے کہ کسی دوسرے کی موجودگی میں بات کرنا اُس پر حرام ہو، اُس کے لیے گناہ ہو۔ حیام اُن دونوں کو دروازے پر کھڑا دیکھ سیدھی ہو اُٹھ گئی۔

"آپ سو جائیں۔ پھر بات ہو گی۔"

وہ ایک آخری نظر بازل کو دیکھ اُن دونوں کے برابر سے ہوتی چلی گئی۔

www.neweramagazine.com

کھینچ کر رات کی دیوار پہ مارے ہوتے

میرے ہاتھوں میں اگر چاند ستارے ہوتے

ہم نے اک دوجے کو خود ہار دیا، دکھ ہے یہی

کاش ہم دنیا سے لڑتے ہوئے ہارے ہوتے

یہ جو آنسو ہیں مری پلکوں پہ پانی جیسے

اس کی آنکھوں سے ابھرتے تو ستارے ہوتے

یار! کیا جنگ تھی جو ہار کے تم کہتے ہو

جیت جاتے تو خسارے ہی خسارے ہوتے

اتنی حیرت تمہیں مجھ پر نہیں ہونی تھی، اگر

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم نے کچھ روز مری طرح گزارے ہوتے

یہ جو ہم لوگ ہیں احساس میں جلتے ہوئے لوگ
ہم زمیں زاد نہ ہوتے تو ستارے ہوتے

تم کو انکار کی خو مار گئی ہے واحد
ہر بھنور سے نہ الجھتے تو کنارے ہوتے

(واحد اعجاز میر)

وہ اس وقت تنہا لاؤنج میں بیٹھا تھا۔اُس کے سامنے میز پر لیپ ٹاپ میں غزل چل رہی تھی۔ساتھ ہی کچھ آفس کی فائلز بکھری پڑی تھیں۔وہ فجر کے بعد سے جاگ رہا تھا، بلکہ وہ سویا ہی کب تھا۔وہ تو سب کے جاتے ہی یونہی ایک جگہ بیٹھا تھا۔صرف نماز کے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لیے اُٹھا تھا اور سحری کے نام پر ایک بریڈ سلائس اور جوس کا گلاس جو کہ آسانی سے اُسے مل گیا تھا۔ فلحال کچھ بنانے کی ہمت اُس میں نہ تھی۔

وہ کچھ کام نہ کر پایا تھا۔ بہت کوشش کرتا کہ کام میں دھیان لگائے لیکن اُس کی سوچیں تھیں کہ بات ماننے سے انکاری تھیں۔ غزل ختم ہو چکی تھی۔ ایک مرتبہ پھر کاٹ کھانے کو دوڑتی خاموشی اُسے بے چین کرنے لگی۔ تنہائی جب کسی کے لیے نعمت ہوتی ہے تو بہت لوگوں کے لیے عذاب بھی ہوتی ہے۔ گہری سانس بھرتا وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔

نجانے کتنی دیر وہ یونہی بیٹھا رہا۔ آنکھیں کھول کر سامنے گھڑی پر ٹائم دیکھا تو چھ بج رہے تھے۔ فیصلہ کر کے وہ وہاں سے اُٹھ گیا۔ اُس کے پاس کرنے کو کچھ نہ تھا۔ آج اُس نے جلدی آفس جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہاں تو شاید پھر آرزحسن کا ذہن بھٹک جاتا لیکن یہاں بیٹھے بیٹھے وہ پاگل ہونے کے قریب تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

دوپہر میں کسی وقت وہ اپنی ماں کو ڈھونڈتے ہوئے اُن کے کمرے میں گئی تو ندا بیگم پہلے سے ہی وہاں موجود تھیں۔ وہ زبردستی کی مسکان سجائے اُنہیں سلام کرتے ہوئے اندر آگئی جبکہ نائلہ بیگم وہاں موجود نہ تھیں۔

"نائلہ پری کے پاس گئی ہے آتی ہو گی۔"

حیام کے انداز میں جھجھک نمایاں تھی۔بہت ہمت کر کے وہ اُن کے پاس گئی اور اُن کے قریب بیٹھتے اُنہیں دیکھنے لگی۔وہ کتنی کمزور ہو گئیں تھی نا؟ وہ پہلے جیسی تو نہ تھیں اور ہو بھی کیسے سکتیں تھیں۔اُن کی دنیا الٹ گئی تھی۔اُن کے قدموں کے تلے موجود زمین بدل گئی تھی۔

"تائی امی!"

الفاظ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتے تھے۔اس کے رشتوں میں کتنی دوریاں آ گئی تھیں۔وہ وہی تھیں جن سے وہ ہر بات بناء کسی ڈر، بناء کچھ سوچے سمجھے کہہ دیا کرتی تھی اور آج وہ کتنا کچھ کہنا چاہتی تھی،اُن کے درمیان کتنی باتیں تھیں کرنے کو،کتنے شکوے تھے، کتنی شکایات تھیں لیکن الفاظ نہیں تھے،لب سلے تھے۔صرف خاموشی تھی۔

"مجھے معلوم ہے آپ ناراض ہیں مجھ سے۔"

ہمت کر کے اُس نے بولنا شروع کیا۔ندا بیگم بولنے لگیں تھیں لیکن حیام نے انہیں موقع نہ دیا۔

"اور ناراضگی آپ کا حق ہے لیکن، لیکن پھر بھی میں اپنی صفائی میں کوئی تاویلیں نہیں دوں گی۔اُن کا کوئی جواز ہی نہیں کیونکہ وقت گزر چکا ہے ناب۔"

آنسو بہنے لگے تھے۔

"لیکن پھر بھی، میں صرف آپ سے معافی مانگ سکتی ہوں۔وہ میرے بس میں ہے۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔کچھ بھی بولنے، کہنے سے پہلے یہ یاد کرلیں کہ میں وہی حیام ہوں جس سے آپ نے بہت محبت کی ہے کبھی، میں وہی ہوں جو آج بھی آپ کی عزت کرتی ہے،بہت محبت کرتی ہوں آپ سے۔معاف کر دیں گی ناآپ؟"

ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتی وہ اُنہیں تکنے لگی۔اُن کی بھی آنکھیں نم تھیں،آنسو بہے جا رہے تھے۔

"میں آپ کے ساتھ زبردستی نہیں کروں گی۔جو کچھ میں کر گزری ہوں آپ کے پاس حق ہے کہ مجھے معاف نہ کریں،دھتکار دیں،مجھے تھپڑ بھی مار لیں،اپنا سارا غصہ نکال لیں۔بس مجھ سے وعدہ کریں کہ کبھی نہ کبھی تو مجھ سے راضی ہو جائیں گی آپ۔ میں آپ کے سو مرتبہ دھتکارنے پر بھی آپ کے پاس آجاؤں گی۔"

"حیام!!بس کردو میرا بچہ۔۔۔۔۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ندا بیگم نے اُسے خاموش کرواخود میں سمیٹ لیا تھا۔

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تم سے ناراض ہو سکتی ہوں؟ تم بتاؤ میں کیسے خفا ہو جاؤں تم سے، میری جگہ تمہارے تایا ہوتے تو یہ جو تم نے معافی مانگی ہے اس کی نوبت ہی نہیں آنی تھی۔ میں اُنہیں کیسے ناراض کر سکتی ہوں؟"

حیام بہتے آنسوؤں کے ساتھ اُن سے الگ ہوئی۔

"تایا، تایا جان میرے بارے میں کچھ تو کہہ رہے ہوں گے ناجب وہ۔۔۔"

آگے اُس کے الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"وہ مجھے روز کہتے کہ میری حیام سے بات کروادو۔ اُسے کہو ایک آخری مرتبہ مجھ سے بات کرے، مجھ سے مل جائے۔ میں تمہیں کال کرتی تو تمہارا نمبر آف جاتا۔ میں خالہ اماں سے بات کرتی تو میری ہمت نہ ہوتی کہ تم سے بات کر سکوں۔ مجھے لگا کہ میرے بیٹے کے دیئے گئے زخموں کی تکلیف شاید زیادہ ہے جبھی تو تم نے مڑ کر نہیں دیکھا۔"

"وہ مجھ سے ناراض ہو کر گئے ہیں نا تائی جان؟"

اُسے ایک نیا دکھ لگ گیا تھا۔

نہیں، وہ تم سے بالکل خفا نہیں تھے۔ لیکن حیام تمہارے تایا کی خواہش تھی"

"کہ۔۔۔۔۔

"کہ؟"

وہ جارہے تھے تب بھی مصطفٰی اور آرز کو نجانے کن الفاظوں میں یہ کہہ کر گئے کہ "

"حیام کو میری بیٹی بنادینا۔

آپ کو اُنہیں بتانا چاہیے تھا تائی امی کہ میں اُن کی ہی بیٹی ہوں۔ وہ میرے بابا تھے "

نا۔"

"نہیں، حیام وہ تمہیں آرز کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔ مجھ سے آخری وقت میں ہمیشہ کہتے تھے کہ دیکھنا میں حیام کو منالوں گا۔ اپنی بیٹی کے نام کے ساتھ میں آرز کا حوالہ ضرور دوں گا ایک دن۔"

حیام کے بہتے آنسو تھم گئے۔

"آپ، آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"حیام!! تمہارے تایا کی آخری خواہش تھی یہ۔ تم پوری نہیں کرو گی؟"

حیام کے الفاظ مزید انکاری ہو گئے۔ وہ دم سادھے بیٹھی تھی۔ وہ کیسے کر سکتی تھی۔ اور آرز؟ آرز حسن کے الفاظ جو وہ اسے کہہ کر گیا تھا، وہ حیام کیسے بھول سکتی تھی؟

"تائی جان! آپ کے بیٹے اور میرے درمیان اتنی دوریاں آچکیں ہیں، اتنی غلط فہمیاں ہیں کہ اُنہیں حل کرنے بیٹھیں تو ساری زندگی دلیلیں دیتے گزر جائے گی۔"

وہ اُٹھ کر چل دی۔ دروازے پر اُس کی ماں کھڑی تھیں۔

"حیام!! میرے بیٹے کو تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں اُسے بہت اچھے سے۔ اُس کی آنکھیں تمہیں ڈھونڈتی ہیں ہر سو۔ ہم بڑوں کی کوتاہیوں کی سزا تم میرے بیٹے کو مت دو۔"

وہ نم آنکھوں سے اُنہیں سن اپنی ماں کو دیکھتی وہاں سے چلی گئی۔ اُسے تنہائی چاہیے تھی۔

اک سفر میں کوئی دوبارہ نہیں لٹ سکتا

اب دوبارہ تری چاہت نہیں کی جاسکتی

(جمال احسانی)

رمضان المبارک کا دوسرا عشرہ اپنے اختتام کو آپہنچا۔کل حیام کی سالگرہ تھی۔رات میں سیلیبریٹ کرنے کا شاہ میر اور لڑکیوں نے خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔حیام اس سب کے متعلق کچھ نہ جانتی تھی۔وہ آج کل خود میں،اپنی ذات میں کھوئی ہوئی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے میں حویلی کے بڑوں کے درمیان حیام اور آرزے سے متعلق ایک مرتبہ پھر سے باتیں ہونے لگیں تھیں۔وہ جس ذہنی اذیت سے بار بار اپنی جان چھڑوانا چاہتی تھی وہ بارہا آکر اُس سے لپٹ جاتی تھی۔حیام کے دن رات مستقل سوچوں میں گزر جاتے۔ بازل کی تمام ناراضگیاں ختم ہو چکی تھیں۔البتہ مشعل اور پریشے کو اب تک اُس سے بات کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پچھلے کچھ دنوں سے موسم پیارا ہو گیا تھا۔فضا میں انجانی سی مہک تھی جو اُس کی گھبراہٹ زائل کر دیتی۔اس وقت بھی وہ چھت کی منڈیر پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ آسمان پر بکھرے بادلوں کو تکتے وہ آنے والے کل کا سوچنے پر مجبور تھی۔ نجانے کب کرن اُس کے برابر آبیٹھی۔

"تم فکر مت کرو۔"

کرن کے کہنے پر حیام نے جھٹ سے اپنے ساتھ بیٹھے اُسے دیکھا۔ معلوم نہیں تھا کہ وہ کب سے وہاں بیٹھی تھی۔

"کس چیز کی فکر؟"

کرن نے اُسے یوں دیکھا جیسے کہ کچھ جتا رہی ہو۔

"کیا چاہتی ہو تم؟"

ایک مرتبہ پھر کرن حیام سے مخاطب تھی۔

کچھ بھی نہیں۔ کرن!! میں سب چھوڑ کر یہاں آگئی ہوں تو وہ انسان میرا پیچھا کیوں "نہیں چھوڑ رہا؟ مجھے وہ نہیں چاہیے ہیں اب۔۔۔"

حیام کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"اماں کو جانتی ہو نا تم؟ حیام تم کتنی بھی عزیز کیوں نا ہو جاؤ، وہ محبت کی اجازت تمہیں بھی نہیں دیں گیں۔ اُنہیں محبت سے خوف آتا ہے۔ یہ حویلی، یہاں کے لوگ، محبت سے ڈرتے ہیں۔ محبت، عشق یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے، اُس کے سائے سے بھی بچ کر چلتے ہیں۔"

لیکن کرن، اگر اماں کو اپنے بھانجے کی محبت نے مجبور کر دیا تو؟ اگر تایا جان کی "خواہش۔۔۔۔

کرن اُس کے تمام خدشات سمجھ گئی تھی جب ہی اُس کی بات کاٹ دی۔

"اماں تم سے بھی بہت محبت کرتیں ہیں۔ وہ تمہاری مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گی۔ ہاں، اگر وقت پہلے سا ہوتا تو میں تمہیں کہتی کہ تم ڈر کو سینے سے دبوچے قیامت کے انتظار میں بیٹھ جاؤ لیکن وقت بدل گیا ہے۔ اماں اپنے اصولوں کو تمہارے لیے آگ میں جھونک رہی ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں؟ محسوس نہیں کیا؟"

"کیا محسوس نہیں کیا؟"

حیام کے سوال پر کرن ہنس دی۔

"پاگل، جس حویلی میں ملازم کبھی سیدزادیوں کے برابر نہیں بیٹھے تھے آج وہ برابر بیٹھنے لگے ہیں۔ محض تم غلطی پر نہیں تھی، ہم بھی تھے۔ ہم نے سیکھا ہے کہ وہ بھی انسان ہیں۔ ہمارے نام و نسب اور رتبے سے محبت، ہماری عزت اپنی جگہ لیکن وہ بھی عزت کے حقدار ہیں۔ جس طرح ہماری عزت کا مقام اُن کا دل ہونا چاہیے، بالکل اُسی طرح اُن کی ذات کے لیے ہماری برابری معنے رکھتی ہے۔ تم نے دیکھا نہیں بشیرا بی اب بیٹھتی ہیں تو سب کے برابر میں بیٹھتی ہیں۔"

حیام خاموش ہو گئی۔ کرن ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ اُس نے دیکھا تھا لیکن وہ اس قدر ذہنی دباؤ کا شکار تھی کہ کوئی ردِ عمل نہ دے سکی تھی۔ حیام مسکرانے لگی۔ اُس کے آنسو بہہ رہے تھے۔ سعدیہ بالکل ٹھیک کہتی تھی کہ حیام سب کو بدل دے گی، سب کو۔ اُس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

"اگر میری مرضی کے خلاف فیصلہ ہو گیا تو؟"

ایک مرتبہ پھر خوف طاری ہونے لگا۔

"تو ایک بات تم بھی ذہن نشین کر لو۔ اس حویلی کی لڑکیاں اب کے تمہارے ساتھ کھڑی ہو جائیں گی، تمہارے آگے تمہاری ڈھال بن کر کھڑی رہیں گیں ہم۔ اور اگر اسے بغاوت کہتے ہیں تو ہم زندگی میں پہلی مرتبہ بغاوت کے لیے تیار ہیں۔"

کرن کی بات پر حیام حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتی اُسے دیکھنے لگی۔ کیا سچ میں وہ سب اس سے اتنی محبت کرتے تھے؟ اگر ہاں تو حیام سا خوش نصیب کوئی کیسے ہو سکتا تھا؟

وہ عصر کی نماز ادا کر کے برآمدے میں آئی تو سب وہیں تھے۔ کرن اور مناہل ایک

طرف کو بیٹھیں پریشے اور مشعل سے نجانے کون سی باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ جبکہ منال بھی اُن کے ساتھ ہی تھوڑے فاصلے پر بیٹھی تھی۔ وہ اُن باتوں میں حصہ لینے کا کوئی شوق نہ رکھتی تھی۔ کرن نے حیام کو دیکھا تو اُسے بھی اپنے پاس بلایا لیکن وہ سہولت سے انکار کرتی برآمدے کے الگ تھلگ سے کونے میں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ منال اپنی جگہ سے اُٹھ حیام کے برابر میں آ بیٹھی۔ اُسے حیام ٹھیک نہ لگی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ تمہارے چہرے پر یہ تاثر مجھے خوف دلا رہا ہے حیام۔"

منال کا اشارہ حیام کے چہرے پر چھائے ہوئے خوف کی جانب تھا۔ اُس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ لبوں پر بار بار زبان پھیرتی وہ اُن کی خشکی کو تر کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں۔"

اُس کے کانپتے ہاتھوں کو منال نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ آج وہ سب حویلی کے کھلے برآمدے میں تھے چونکہ موسم خوشگوار جو ہوئے جا رہا تھا۔

"حیام، چلو یہاں سے۔"

منال کو ڈر تھا کہ کوئی اُس کی اس حالت کو دیکھ نہ لے۔

"نہیں، مجھے اندر گھٹن ہو رہی ہے۔"

حیام نے کہتے ہی اپنے گرد لپٹی شال اُتار کر ایک طرف پھینکنے کے سے انداز میں رکھی۔ رتی بھر بھی سکون نہ ملا تو اپنے گرد حجاب کی صورت لپیٹا ڈوپٹہ بھی اُتار کر کاندھے پر ڈال دیا۔ ایسا کرنے سے جوڑے میں مقید بال کسی آبشار کی صورت اُس کے چہرے کر گرد اور کمر پر بہہ گئے۔

"حیام مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

منال سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

"تم نے، وہ مجھے، تم نے اُنہیں دیکھا تھا نا جب وہ آئے تھے مجھے لینے؟"

حیام کے لہجے میں بے قراری کے ساتھ ساتھ کچھ کھو جانے کا خوف تھا، اذیت تھی۔

"ہاں، میں نے دیکھا تھا۔"

مجھے بتاؤ وہ کیسے دکھتے ہیں؟ مجھے اُن کا ایک ایک نقش یاد کروا دو۔ مجھے یاد نہیں آ رہا"

"منال۔

کسی بھی دوسرے فرد کی پرواہ کیے بغیر وہ مدھم آواز میں رونے لگی۔ کیسی بے بس تھی وہ۔ منال اُس کے سامنے بیٹھی اُسے اپنے آگے چھپائے ہوئے تھی یوں حیام کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔

"حیام!"

منال کو اُس پر ترس آنے لگا جس سے حیام کو سخت نفرت تھی۔ اُسے خود پر پڑتی ترس کھاتی نظروں سے نفرت تھی۔

"مجھ پر ترس کھالو لیکن بتادو۔ میں اُنہیں سوچنا چاہتی ہوں لیکن اُن کا چہرہ میری یاداشت سے مٹ گیا ہے۔"

"حیام تمہارے پاس اُن کی کوئی تصویر؟"

اماں بیگم کو یکدم بے چینی سی ہونے لگی۔ ندا بیگم سے بات کرتے اُنہوں نے چہرہ پھیر کر حیام کو تکنا چاہا لیکن وہ منال کے پیچھے چھپی بیٹھی تھی لیکن اُس کے ہاتھوں میں قید حیام کے کانپتے ہاتھ اُنہیں کسی انہونی کا اشارہ دے رہے تھے۔

"حیام۔۔۔۔"

اماں بیگم نے اُسے پکارا لیکن وہ دونوں سُن ہی کہاں رہیں تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"حیام؟منال؟"

اماں بیگم نے ایک مرتبہ پھر پکارا۔اب سب کی توجہ اُن دونوں کی جانب تھی جو کہ نہ بولنے کی قسم کھا بیٹھیں تھیں۔

ایک لمحے کا کھیل تھا،حیام جلدی سے وہاں سے اُٹھتی باہر برآمدے سے اوپری سیڑھیوں کی جانب بھاگی۔برآمدے کا پردہ اُٹھاتی وہ اپنا ڈوپٹہ وہیں گرا گئی۔منال اُس کے پیچھے بھاگی تھی۔وہ سب تو بت بنے اُنہیں دیکھ رہے تھے۔

"حیام،رکو حیام۔۔۔۔"

منال کی آواز پوری حویلی میں گونج رہی تھی۔کرن بھی اُن دونوں کے پیچھے بھاگی۔اُس کے علاوہ کسی کے قدموں میں جان نہ تھی کہ وہ اُن کے پیچھے جاتے۔

حیام نے کمرے میں آتے ہی پورا کمرہ تحس نحس کردیا۔الماری کھولتے ہی وہ اپنے کپڑوں کو نکال نکال کر فرش کی زینت بنانے لگی۔منال بس اُسے روکنے کی تگ ودو میں مصروف تھی۔وہ اپنا سارا سامان بے ترتیب کر چکی تھی لیکن اُسے یاد نہ پڑتا تھا کہ اُس کے پاس آرز کی کوئی تصویر تھی یا نہیں۔نہیں،اُس کے پاس نہیں تھی۔ہاں اُس کے پاس چند ایک تصویریں تھیں لیکن وہ تو اُس کے موبائل میں ہوا کرتی تھیں۔اُس کا موبائل،وہ کہاں تھا؟

"میرا موبائل؟"

وہ یکدم پھر سے اُس کی تلاش میں سارے فرنیچر کی ڈراز کنگھالنے لگی۔ منال نے اُسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

"تمہارا موبائل اماں کے پاس ہے۔"

وہ جو خود کو منال کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہی تھی، تھم گئی۔ وہ کیسے بھول گئی تھی یہ بات؟ کیا وہ اب باتیں بھی بھولنے لگی تھی؟ منال نے دروازے پر جم کر کھڑی کرن کو دیکھا جو اُس کا اشارہ سمجھتی واپس نیچے کو دوڑتی ہوئی آئی۔ وہاں اماں بیگم تخت کے سرے کا سہارا لیے کھڑی تھیں۔ کرن اُن کے قریب جاتی اُن کے آگے جھکتی کان میں سرگوشی کرنے لگی۔ وہ کرن کے ہمراہ اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔

کچھ دیر میں کرن حیام کا موبائل ہاتھ میں تھامے ایک مرتبہ پھر وہاں موجود تھی۔ حیام نے فوراً پیشتر اپنا موبائل اُس کے ہاتھ سے جھپٹا۔ گیلری کھولتے ہی سامنے تصویروں کا انبار لگا تھا۔ وہ سکرین سکرول کرتے ایک مخصوص شخص کی تصویر ڈھونڈنے لگی۔

بالآخر اُسے اپنی مطلوبہ تصویر مل گئی۔

وہ تصویر جس میں وہ ہنستا مسکراتا کھڑا تھا۔ اُس کے ساتھ بازل اور مشعل دونوں کھڑے تھے۔ وہ تصویر حیام نے ہی کلک کی تھی۔ وہ کم مسکراتا تھا۔ حیام کو یاد نہ آیا کہ

وہ کیوں مسکرا رہا تھا؟ شاید بازل کی کسی بات پر لیکن حیام فلحال یہ سوچنا نہ چاہتی تھی۔ وہ اُس کے چہرے کے نقوش حفظ کر لینا چاہتی تھی۔ آرز کی چمکتی آنکھیں، کسی بھی تیوری سے پاک پیشانی، اُس کے ماتھے پر بکھرے بال، حیام کو لگا اُس کا دل بند ہو جائے گا۔ اُس کے بہتے آنسو تھم گئے۔ منال نے اُس کے ہاتھ سے موبائل واپس تھام لیا۔ حیام کو محسوس ہوا وہ پھر سے آرز کا چہرہ بھول چکی ہے۔ بے بسی ہی بے بسی تھی۔ اذیت تھی کہ ختم ہی نہ ہوتی تھی۔ وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ کمرے کے عین وسط میں ڈھے گئی۔ منال بھی اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"حیام!"

"وہ مجھے بھول گیا پھر سے منال۔۔۔"

منال بھی رو دی تھی۔

"میں کہتی تھی نا تمہیں کہ تم اُن سے عشق کرتی ہو۔ تمہیں اُن کے جسم سے کوئی سروکار نہیں، تمہیں اُن کی روح سے مطلب ہے۔ اُن کا چہرہ تک تم بھول گئی ہو حیام۔ اب سوچو کہ غلط کہتی ہوں کیا میں؟"

حیام نے اپنا جھکا چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ آج اُس نے یہ بات مان لی تھی اُس سے مزید انکار نہ ہوا تھا۔ وہ آرز حسن سے عشق کرنے لگی تھی۔

منال نے اُسے کچھ دیر کے لیے سُلا دیا تھا۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے اُسے اُٹھایا گیا۔ بے وقت کی نیند سے اُس کا سر بوجھل ہونے لگا۔ افطار کے لیے آج وہ نیچے سب کے ساتھ نہیں بیٹھی تھی۔ وہ کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی تھی۔ اُس کے لیے افطار سعدیہ اوپر ہی لے آئی جسے حیام نے واپس نہیں جانے دیا تھا، اپنے پاس ہی روک لیا تھا۔

سعدیہ نے حیام سے کوئی سوال نہ کیا۔ حیام کی ذہنی حالت ٹھیک نہ تھی، مزید کسی چیز کی پریشانی اُسے نہ دینا ہی بہتر تھا۔ افطار سے فارغ ہو کر بھی وہ کمرے کی چار دیواری میں ہی قید رہی۔ سعدیہ بھی خاموشی کے ساتھ اُس کو ایک جگہ بیٹھا دیکھتی رہی۔ اُس کی سیدہ بی بی بے چین تھیں، وہ کیسے سکون میں ہو سکتی تھی۔

"سیدہ بی بی!!"

بہت ہمت کر کے اُس نے حیام کو مخاطب کیا جو گلاس ڈور سے باہر منظر پر ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔ آج چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا جبکہ ستاروں کی بھی چمک روز کی طرح پُر روشن نہ تھی۔ منظر دُھندلایا ہوا تھا یوں جیسے کہ طوفان آنے کا خدشہ ہو۔ ہوا تو پہلے ہی زور و شور سے در و دیوار ہلا رہی تھی۔

"ہممم!!"

"آپ پریشان نہ ہوں۔میں دعا کروں گی آپ کے لیے۔"

"ہمم، تم دعا کرنا میرے لیے۔معلوم نہیں میری دعا قبول ہو گی کہ نہیں۔"

آج اتنے عرصے بعد اُس کے لہجے میں بے یقینی تھی جو اس حویلی میں آتے وقت ہوا کرتی تھی۔

اب تو آپ اللہ پاک کے قریب ہو گئی ہیں، پھر یہ بے اعتباری؟ اللہ پاک کو ناراض کر "رہی ہیں آپ؟"

"میں کیا کروں، سعدیہ؟ میں تھک گئی ہوں۔میں کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتی لیکن میری ہمت جواب دے گئی ہے۔اللہ پاک کہتے ہیں نا کہ وہ کسی انسان کو اُس کی ہمت سے زیادہ نہیں آزماتے لیکن وہ مجھے آزما رہے ہیں۔میں نے اُن سے اپنی خواہشات کی تکمیل کہاں چاہی تھی؟ میں نے اُن سے صرف اُن کے پیاروں میں جگہ مانگی تھی لیکن وہ مجھے دنیا والوں میں دھکیل رہے ہیں۔وہ دنیا جہاں مجھے رسوائی کے سوا کچھ نہ ملا۔"

حیام کے لہجے میں تھکن کے آثار تھے۔

"خدا سے بدگمان نہیں ہوا کرتے۔یہ سوچیں کہ ہو سکتا ہے وہ آپ کے لیے کوئی ایسا

راستہ بنا رہے ہوں جو کہ آپ کو تمام رسوائیوں سے محفوظ کر دے گا۔"

حیام اُس کی بات پر ہنسی۔

"وہ مجھے جس راستے کی جانب موڑ رہے ہیں سعدیہ، میری تمام اذیتوں کی وجہ وہی در ہے۔ تم دعا کرو کہ مجھے سکون مل جائے۔ مجھے دنیا نہیں چاہیے، مجھے آخرت چاہیے۔ سکون چاہیے۔ کرو گی نا تم دعا؟"

حیام نے اس تمام گفتگو میں پہلی مرتبہ اُسے مڑ کر دیکھا۔ سعدیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|...

"تم جاؤ مجھے کچھ دیر اکیلا رہنا ہے۔"

وہ چلی گئی۔ ایک مرتبہ پھر حیام باہر آسمان کو تکنے لگی۔ چلتی ہوا کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اے میرے دلِ ویراں! اب جو کوئی کہہ ڈالے

مجھے تم سے محبت ہے، تو تم مسکرا دینا

بلکہ یوں کرنا کہ کھلکھلا کے ہنس پڑنا

چھوٹی چھوٹی باتوں، پر ٹوٹ کر بکھر جانا

ٹوٹ جانا بہتر ہے، بکھر جانا قیامت ہے

لیکن ایک نعمت ہے آنسوؤں کا بہہ جانا

دل کے روگ ڈھل جانا، زخم گہرے کھا جانا

عجب کشمکش سی ہے، کھلنا ہے یا مرجھانا

اے میرے دلِ ویراں! افسردگی تو ہر سو ہے

موت سب سے اچھی ہے، بہتر ہے کہ مر جانا

(سیدہ انعم بخاری)

عشاء کی نماز ادا کر ابھی اُس نے دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اُٹھائے ہی تھے کہ اُس کے کمرے کا دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا۔ وہ دعا میں مشغول رہی۔ دستک دینے والا خود ہی اندر آ گیا تھا۔ وہ سکون سے دعا مانگتی چہرے پر ہاتھ پھیر کر اُٹھی اور اپنے قریب کھڑی پریشے کو تکا۔ آج پہلی مرتبہ وہ خود چل کر حیام تک آئی تھی۔ جائے نماز تہہ کرتے وہ مسلسل کچھ پڑھ رہی تھی۔ خود پر پھونکتی وہ سیدھی ہوئی۔ نظریں پریشے کے باہم ملے ہاتھوں پر تھیں۔ وہی ہاتھ جن میں کبھی آرز کے نام کی انگوٹھی ہوا کرتی تھی۔

"ٹھیک سے دیکھ لو اب وہ انگوٹھی نہیں پہنتی میں۔"

پریشے نے اُسے دکھانے کو اپنے دونوں ہاتھ حیام کے سامنے پھیلائے۔ وہ حیام کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر گئی تھی۔

"میں نے ایسا کب پوچھا تم سے؟ مبارک ہو تمہیں شادی کی۔"

حیام مسکرا کر کہتی رُخ موڑ گئی۔

"تم نہیں آئی؟ بازل تمہاری راہ تکتے رہے تھے اُس روز۔"

پریشے خود ہی کاؤچ پر بیٹھ گئی۔ اُسے آئے دن سے حیام کا انداز لیا دیا ہی محسوس ہوا تھا۔

"میں بھائی کو پہلے ہی بتا چکی تھی کہ نہیں آؤں گی۔"

"تم بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟"

پریشے نے جھجھکتے ہوئے اجازت چاہی۔

"ہاں، پوچھو نا۔"

حیام اُس کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

"کب تک یونہی خفا رہو گی مجھ سے؟"

"میں؟ میں خفا نہیں ہوں اور تمہیں ایسا کیوں لگا؟"

حیام ہنس دی اور ایک مرتبہ پھر سے خود ہی بولنے لگی۔

"پریشے میری پوزیشن ایسی نہیں ہے کہ منہ پھیر لوں۔ہاں البتہ خفا ہونے کا، جھگڑنے کا حق تو تمہارا ہے۔ تم نے سوال ہی نہیں کیا اب تک، میں تو کب سے خود کو ہر جواب کے لیے تیار کیے بیٹھی ہوں۔"

"اور تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں تم سے کوئی جواب چاہتی ہوں؟"

پریشے اُس کے چہرے کے تمام اُتار چڑھاؤ غور سے دیکھ رہی تھی۔

"دکھ تو ہوا ہو گا نا؟ یا شاید اب بھی ہو۔"

حیام کا اشارہ اُس کی آرز کے ساتھ منگنی ٹوٹ جانے کی جانب تھا۔

"نہیں، حیام مجھے کوئی دکھ نہیں۔ میں نے آرز بھائی سے شادی کی رضامندی صرف بڑوں کی خواہش پر دی تھی۔ نہ میں نے اُن کے نام سے جڑے خواب سجائے تھے نہ کبھی کوئی خواہش کی۔ میں نے اپنے اندر کی رومانوی لڑکی کو ایک پریکٹیکل لڑکی کی قید میں محض قیدی رکھا تھا جس کو آزادی کا کوئی پروانہ نہیں چاہیے تھا۔"

"میں نہیں مانتی۔۔۔"

پریشے کی کہی ہر بات وہ جھٹلا دینا چاہتی تھی۔

"ایک عورت کے بہت روپ ہوتے ہیں حیام، اس لیے نہیں کہ وہ منافق ہوتی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے تمام رشتوں کو اُن کے مقام پر رکھنا جانتی ہے۔ اگر ایسے عورت ذات منافق کہلاتی ہے تو مجھے یہ منافقت بہت عزیز ہے۔ تم میرا یقین کرو یا نہ کرو یہی سچ ہے۔ میں بازل کے ساتھ بہت خوش ہوں۔"

"خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"

دونوں نے دل ہی دل میں آمین پکارا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|English|Poetry|Interviews

"تم اب بھی مجھ سے ناراض ہو؟ کیا ہم پھر سے پہلے کی طرح نہیں ہو سکتے؟"

پریشے نے ایک مرتبہ پھر اپنا ہاتھ دوستی کے لیے حیام کی جانب بڑھانا چاہا۔

"جو کچھ میں تمہارے ساتھ کر چکی ہوں اُس کے بعد بھی تم مجھ سے کوئی تعلق رکھنا

چاہتی ہو تو حیرت ہو رہی ہے مجھے۔"

"تم نے میرے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ دوستی؟"

پریشے نے اُس کے سامنے باقاعدہ اپنا ہاتھ بڑھایا جس کو حیام نے مسکراتے ہوئے تھام لیا تھا۔ جو بھی تھا وہ بازل کی زندگی کا اہم حصہ تھی اب۔ حیام اُسے کیسے نظرانداز کر سکتی تھی۔ ہاں یہ تو طے تھا کہ اب اُن کا رشتہ پہلے سا نہیں ہو سکتا تھا، کبھی بھی نہیں۔

"سب سے صلح کا ہاتھ ملا لیا ہے تم نے اور ایک مجھے کنارے سے لگا کر کتنی خوش ہو تم

حیام۔"

نہ جانے مشعل کب سے کھڑی اُن کی باتیں سُن رہی تھی، جب رہا نہ گیا تو بول پڑی۔

"کیا مجھ سے بڑھ کر کوئی تمہارے لیے ہو سکتا ہے؟ پریشے یا پھر اس حویلی کے لوگ؟ میں تو تمہاری بہن تھی یار۔ مانا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی لیکن میں اپنی جگہ مجبور تھی، یہ نہیں دیکھا تم نے؟ مجھے بٹھا کر سمجھا بھی تو سکتی تھی نا؟ لیکن نہیں، شاید ہمارے

درمیان اتنی محبت نہیں تھی جتنی میں تصور کرتی تھی۔"

وہ رو رہی تھی۔ حیام کے آنسو بھی بغاوت کرنے پر تلے تھے جب ہی تو بہے جا رہے تھے۔

"بولتی کیوں نہیں ہو تم؟ شاید میں نے غلطی کی جواب تک سوچتی رہی کہ ہم پھر سے پہلے جیسے ہو جائیں گے۔ معافی مانگ لینے سے زخم بھر نہیں جایا کرتے اور تم نے یہاں نئے رشتے، نئی سہیلیاں بنا لیں ہیں تو میری جگہ کہاں باقی رہتی ہو گی۔"

"میں تم سے خفا نہیں ہوں مشعل۔ تمہارا قصور ہوتا تو میں ناراض ہو بھی جاتی لیکن غلطی سراسر میری تھی۔ تم نے اُس رات مجھے جو کچھ کہا اُس کا ایک ایک لفظ بالکل سچ تھا۔ بس میری انا پسند ذات اپنا قصور ماننے سے انکاری تھی لیکن اب میں نے اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہونا سیکھ لیا ہے۔ میں اب جہاں قصوروار ہوتی ہوں مان لیتی ہوں۔"

حیام آگے بڑھ کر مشعل کے گلے لگ گئی اور اُس نے بھی بدلے میں حیام کو کچھ نہ کہا۔ بس اُس کو مضبوطی سے خود میں بھینچ لیا۔ وہ دونوں کیسے اتنی دور ہو گئیں تھیں۔ پری شے بھی نم آنکھوں کے گوشے صاف کرتی اُن کے گرد اپنی بانہیں حائل کرتی گلے لگ گئی۔

بارہ بجتے ہی شاہ میر اور لڑکیوں نے سب کو اکٹھا کر لیا تھا۔ منال جا کر حیام کو بھی بُلا لائی تھی جو کہ اپنی ہی سالگرہ بھولے بیٹھی تھی۔ سارا برآمدہ غباروں اور جگمگاتی روشنیوں سے روشن تھا۔ سیلیبریشن کا سارا انتظام پچھلے برآمدے میں کیا تھا کیونکہ وہ بند تھا جبکہ اگلی طرف کا برآمدہ کھلا تھا اور موسم انتہائی خراب صورتحال اختیار کر چکا تھا۔ حیام کا تو حیرت سے بُرا حال تھا۔ اُسے کیسے نہ معلوم ہوا تھا کہ وہ سب یہ سوچ بیٹھے تھے۔

"سالگرہ مبارک!"

سب سے پہلے بازل نے اُسے وِش کیا تھا۔ باری باری وہ سب سے ملی۔ جب سب نے اُس کو کیک کاٹنے کی طرف توجہ دلوائی تو وہ تھمی۔

"ایک منٹ۔۔۔"

حیام وہاں سے چلی گئی۔ اُس کا رُخ حویلی کے دوسری جانب تھا وہیں جہاں باجی بیگم کا کمرہ تھا۔ اُن کے کمرے کے باہر کھڑے وہ تذبذب کا شکار تھی۔ دروازے پر دستک دے وہ اندر آئی۔ باجی بیگم جاگ رہیں تھیں۔

"تم یہاں؟ اس وقت حیام؟"

"پھپھو!! میری سالگرہ ہے۔ "

حیام نے یوں بتایا جیسے کہ کوئی راز افشاں کر رہی ہو۔

"سالگرہ مبارک ہو تمہیں بہت۔ خوش رہو، آباد رہو۔"

وہ اُس کے پاس آتیں اُسے دعائیں دے رہیں تھیں۔

"نیچے سب سیلیبریٹ کر رہے ہیں۔ وہ سب میری خوشیوں میں برابر شریک ہیں لیکن آپ وہاں سب میں موجود نہیں تو میری خوشی ادھوری سی لگ رہی ہے۔"

حیام مدعے پر آئی۔

"جاؤ حیام، چلی جاؤ۔ تم جانتی ہو کہ میں اس کمرے سے نہیں نکلوں گی۔"

"اور میں بھی بتا چکی ہوں کہ آپ کے بغیر نہیں جاؤں گی۔"

وہ بھی بضد ہو گئی۔

"حیام۔۔۔۔"

"پھپھو، آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا جو خود کو اتنے سال سے قید میں رکھے ہوئے ہیں۔ جب خدا اپنے بندوں کو ایک پکار، ایک معافی پر معاف کر دیتا ہے تو پھر آپ خود کو معاف کیوں نہیں کر رہیں ہیں؟"

"میں خدا نہیں ہوں نا حیام، اسی لیے۔۔۔"

دونوں کی آنکھوں سے آنسو تواتر بہہ رہے تھے۔

"اپنی ماں کو جو تکلیف آپ روز اس کمرے میں بند رہ کر دیتیں ہیں، اُس کی کوئی دلیل ہے آپ کے پاس؟ اس بات کی معافی مانگنے کے لیے ایک سزا کاٹنے کے بعد مزید کتنے سال اور قیدی رہیں گیں؟"

وہ سچ کہہ رہی تھی۔ حاجرہ بیگم اپنے رشتوں کو تکلیف دے رہیں تھیں۔ کسی کے چلے جانے سے زندگی رکتی تو نہیں ہے۔ وہ خدا کے قریب اپنوں کے نزدیک رہ کر بھی تو ہو سکتیں تھیں۔ اُنہوں نے اتنا تاریک راستہ کیوں چنا تھا؟

"وہ آپ کو باہر دیکھیں گیں تو خوش ہو جائیں گیں۔"

حاجرہ بیگم جانتیں تھیں کہ حیام بہت جلد یہ سب کرے گی لیکن یہ نہیں جانتیں تھیں کہ اتنی جلد فیصلے کا وقت آجائے گا۔ پچھلے کچھ عرصے سے حیام بات بات پر باہر نکلنے کا ذکر چھیڑ دیا کرتی تھی۔

"میں کیسے؟"

"آپ ایک عام انسان ہیں پھپھو اور زندگی جینے کا حق آپ کے پاس برابر کا ہے۔ تائی امی کو دیکھیں، تایا کے بعد اُنہوں نے خود کو زندگی سے الگ تو نہیں کر لیا، رنگوں سے

نفرت تو نہیں کی۔ پھر آپ کو رنگوں سے اتنی نفرت؟"

حیام کا اشارہ اُن کے سفید لباس کی جانب تھا۔اُس نے اُنہیں ہمیشہ صرف سفید اور سیاہ رنگ ہی میں دیکھا تھا۔

"یہی بات میں بھی کر سکتی ہوں حیام۔"

اب کے حیام لاجواب ہو گئی۔

"اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ابھی چلیں میرے ساتھ۔"

حیام نے بہت امید سے اُن کی جانب اپنے ہاتھ پھیلائے جسے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اُنہوں نے تھام لیا تھا۔حیام اُنہیں لیے کمرے سے نکل آئی۔کتنے عرصے بعد وہ اس کمرے کی چار دیواری سے باہر کی دنیا دیکھ رہیں تھیں۔ایک فکر اُنہیں الگ کھائے جا رہی تھی کہ سب اُنہیں باہر دیکھیں گے تو ردِ عمل کیا ہو گا۔جبکہ دوسرے منظر پر برآمدے میں اس وقت موجود سب حیام کی یوں غیر موجودگی،اُس کے اچانک چلے جانے سے سوچوں میں غرق تھے۔تب ہی وہ واپس آئی لیکن وہ اکیلی نہیں تھی۔حیام کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔باجی بیگم دونوں ہاتھوں سے حیام کا ہاتھ اور بازو تھامے خاموش وہاں آئیں تھیں۔سب کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔پریشے اور مشعل چہرے

گھما گھما کر سب کو دیکھ رہیں تھیں آخر ایسی بھی کیا بات تھی کہ سب کو چپ لگ گئی تھی۔اور وہ دونوں تو حیام کے ساتھ موجود خاتون کو جانتیں تک نہ تھیں۔

"حاجرہ!"

سب سے پہلے ہوش اماں بیگم کو آیا تھا۔وہ فوراً آگے بڑھ کر اپنی بیٹی سے لپٹ گئیں۔ باری باری سب ہی ہوش میں آتے گئے۔اُن کا یوں باہر آ جانا سب کے لیے حیرانی کے ساتھ ساتھ خوشی کا بھی باعث تھا۔

"چلو حیام،اب لے آئی ہو مجھے تو وہ کام بھی کر لو جو کرنے کے لیے لائی ہو۔"

اماں کے ساتھ بیٹھے ہوئے حاجرہ بیگم نے حیام کو مخاطب کیا۔

"آپ آ گئیں ہیں تو اب کیک کٹ کر لوں گی،نہ آتیں تو۔۔۔۔۔"

حیام نے مسکراتے ہوئے بات جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی۔

کیک کاٹتے ہی سب سے پہلے اُس نے منال کو کھلایا تھا۔اس لمحے مشعل کو باخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اب جو مرضی ہو جائے وہ دونوں چاہ کر بھی پہلے جیسی نہیں ہو سکتیں اور شاید اُس نے اس بات کا یقین بھی کر لیا تھا۔مشعل کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ کم از کم اس سے بات تو کرتی ہے۔

"میرے تحفے؟"

حیام نے بالکل تکلف نہ کیا۔وہ سب ہنس دیئے تھے۔

"تھوڑا صبر کرو لڑکی۔"

شاہ میر نے اُسے ٹوکا لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔سب سے پہلے اُسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑی ہو گئی۔کتنا مان تھا کہ وہ اُسے خالی ہاتھ لوٹائے گا ہی نہیں۔

"اچھا بھئی یہ لو۔"

شاہ میر نے اپنی جیب میں سے ایک لمبا سا مخملی نیلے رنگ کا باکس نکال حیام کو پکڑا دیا۔حیام نے جھٹ سے اُسے کھولا تو ساکت رہ گئی۔باکس میں وہی بریسلیٹ تھا جو شہر میں حیام اور مشعل کو پسند آیا تھا۔

"یہ؟"

"کیسا ہے یہ بتاؤ؟"

شاہ میر نے اُسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھنا چاہا۔

"بہت خوبصورت ہے۔"

حیام نے فوراً ہی وہ بریسلیٹ نکال کر اپنی کلائی کے گرد گھماتے شاہ میر کے آگے ہاتھ بڑھایا۔صاف اشارہ تھا کہ لاک بند کرنے میں مدد کی جائے جو کہ اُس نے خوشی خوشی کردی۔

سب نے اُسے تحفے دیئے تھے۔باقی تمام تحفے کھولنے کا کام وہ بعد کے لیے ٹال گئی۔ ابھی تو محض وہ شاہ میر کے دیئے گفٹ کے سحر میں جکڑی ہوئی تھی۔

"حیام،ادھر آ۔"

اماں بیگم کے بلانے پر وہ مسکرا کر اُن کے برابر میں جا بیٹھی۔اماں نے اپنے کانوں میں موجود جھمکے اُتار کر اُسے تھما دیئے۔

"بہت جلد آپ کا سارا سونے کا زیور میں لے کر غائب ہو جاؤں گی۔"

اپنی کہی بات پر حیام خود ہی ہنس دی۔پہلے بھی اماں اُسے اپنی بالیاں دے چکیں تھیں اور اب یہ جھمکے۔

اماں ویسے آج تک آپ نے ہمیں تو اپنا پہنا کچھ نہ دیا اور حیام پر بڑے لاڈ لٹاتی ہیں" "آپ،کیا سب کچھ اسے ہی دے دیں گیں؟

کرن نے شرارت سے اُنہیں ٹوکا تھا۔

"جاؤ بھئی، تم سب کُڑیاں اپنی اپنی ماؤں سے لو، میں پہلاں ہی دے چکی۔ میرے پاس گنتی کی جو چار چیزیں ہیں وہ میری حیام کی ہیں۔"

اماں کے لہجے میں اُس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

"یہ کہاں کا انصاف ہوا بھلا؟"

اب شکایت منال نے کی۔

"صاف سی بات ہے کہ تم سب کی دادی لگتیں ہیں یہ اور میرا، میرا رشتہ زرا مختلف ہے تم سب سے۔"

حیام نے فوراً جواب دیا۔

"وہ کیسے؟ تمہاری طرح ہم بھی اماں کہتے ہیں انہیں۔"

کرن تو جیسے میدان میں اُترنے کو کب سے تیار تھی۔

"ہاں، کہتے ہو لیکن کہہ دینے سے یہ تمہاری ماں تو نہیں بن جائیں گیں۔ میں کہہ دیتی ہوں تو یہ بن جاتیں ہیں۔ اور یہ پھپھو کو میں یونہی پھپھو کہہ دیتی ہوں، غور سے دیکھو بہن ہیں میری۔ ابھی بھی اتنی جوان ہیں کوئی دیکھے تو مجھ سے چھوٹی ہی سمجھے گا۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیام کی بات پر سب ہنس دیے جبکہ حاجرہ بیگم نے اُسے مصنوعی خفگی سے ٹہکا دیا۔

بازل اور شاہ میر جا چکے تھے اب صرف خواتین وہاں موجود تھیں۔ وقت گزر رہا تھا اور رات ڈھل رہی تھی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

وہ وہاں سے اُٹھتی باہر کھلے بر آمدے میں آ گئی۔ ہوا کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ وہ کھڑی بھی نہ رہ پا رہی تھی۔ وہ وہیں بر آمدے میں سمٹ کر کھلے آسمان تلے بیٹھ گئی۔ کسی کام سے حویلی کے اندر آتے شاہ میر نے اُسے بیٹھے دیکھا تو ٹھٹھک کر رکا۔ وہ چلتا ہوا اُس سے کچھ فاصلے پر وہیں بیٹھ گیا۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ موسم نہیں دیکھا کتنا خراب ہو رہا ہے؟"

کیا فرق پڑتا ہے شاہ میر بھائی، جب دل کے اندر کا موسم خراب ہو تو باہر کا موسم جیسا "بھی ہو کیا فرق پڑتا ہے؟

"شاید تمہیں فیصلہ کر لینا چاہیے حیام۔ پھر یہ بے چینی ختم ہو جائے گی۔"

"فیصلہ تو کب کا کر چکی ہوں۔ شاید اُسی دن جب پہلی مرتبہ یہاں آئی تھی۔"

شاہ میر اُس کے فیصلے سے انجان تو نہ تھا۔

"ایک غلطی کا کفارہ کب تک ادا کرتا رہے گا وہ؟"

"بھائی!! غلطیوں کے کفارے کہاں ہوا کرتے ہیں؟ کفارے تو۔۔۔۔"

حیام نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"غلطیوں کی سزائیں ہوا کرتیں ہیں اور سزا کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ سزا تو آخری سانس تک کاٹنی پڑتی ہے جیسے کہ میں کاٹ رہی ہوں۔ میں فیصلہ بدل لوں گی تو مطلب کہ سزا سے بچنا چاہتی ہوں، تو وہ بُرا منا جائے گی۔"

"کون؟"

شاہ میر ہمیشہ اُس کی باتوں پر اُلجھ پڑتا تھا۔

سزا اور کون۔ اُسے یوں لگے گا کسی نے زور کا طمانچہ دے مارا ہو۔ اتنی ظالم نہیں ہوں "میں؟"

حیام نے اپنے گرد لپٹی شال کو کچھ مزید کھینچا۔ اُس کی رگوں میں گردش کرتا خون جامد پڑتا جا رہا تھا۔ بادل جیسے برسنے کو تیار تھے۔

"تم خود ہی تو کہتی ہو حیام کہ تم نے غلطی نہیں گناہ کیا تھا، پھر سمجھو کہ کفارہ ادا کرنا تمہاری سزا ٹھہرا ہے۔ کفارہ ادا ہو گیا ہے۔ اب تم آزاد ہو۔ اُس گدھے نے غلطی کی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Poetry|Poem|Interviews

تھی تو سزا دینا تو بنتی ہے۔ سزا سزا میں ہاں کر دو۔ ساری زندگی اپنے سامنے تڑپاتی رہنا اُسے۔"

شاہ میر اُسے پچکار رہا تھا۔

"تو یوں کہیں نا کہ آپ چاہتے ہیں سزا بھی میں کاٹوں اور کفارہ بھی میں ہی ادا کروں؟"

حیام کے آنسو اُس کی آنکھوں سے بہنے کو بے تاب تھے۔ شاہ میر خاموش ہو گیا تھا۔

"وہ انسان ایک مرتبہ مجھے چھوڑ چکا ہے بھائی، میرے حق میں خاموش کھڑا تماشا دیکھتا رہا تھا۔ کیا گارنٹی ہے کہ اب کے میرا ہاتھ تھام لے گا اور تھام لے گا تو چھوڑے گا نہیں؟ میرے لیے خاموش نہیں رہے گا؟ میں اُس انسان کے آجانے سے اب ساری زندگی ڈرتی رہوں گی۔ ساری زندگی اسی سوچ میں گزر جائے گی کہ اب آیا ہے تو چھوڑ کر کب جائے گا؟ میں خوف میں زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔"

حیام کا ایک آنسو تک نہ بہا لیکن شاہ میر نے اپنے آنسو روکنے کی کوئی کوشش نہ کی۔

"اور وہ اس اذیت میں زندگی گزار دے گا کہ کب تم اُسے پکارو گی؟ یا پھر پکارو گی بھی کہ نہیں؟ میں یہ سب کہہ رہا ہوں تو یہ مت سمجھنا کہ اُس کے لیے سوچ رہا ہوں۔

میری سوچوں کا محوراب صرف تم ہو۔تم جو فیصلہ کروگی، میں تمہارے ساتھ کھڑا رہوں گا۔"

وہ حیام کا سر تھپکتا وہاں سے چلا گیا۔اُس نے اپنے آنسوؤں کو جو روک رکھا تھا اب سب بہہ گئے۔وہ بہت تکلیف میں تھی۔شاید قدرت بھی یہ بات جان گئی تھی تب ہی تو گرج چمک کے ساتھ بادل برسنے لگے تھے۔

تیز بارش اُسے بھگوئے جارہی تھی لیکن اُسے پرواہ نہ تھی۔وہ وہیں خود میں سمٹی بیٹھی رہی۔اُس کے ہونٹ سفید پڑتے جارہے تھے۔جسم میں جان باقی نہ تھی۔سر میں درد بڑھتا جارہا تھا لیکن اس سب کے باوجود اُس کے ذہن میں ایک مرتبہ بھی یہ خیال نہ آیا کہ وہاں سے اُٹھ جائے۔حیام کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔غنودگی طاری ہورہی تھی۔

"آرز۔۔۔۔۔۔۔"

آرز حسن کا نام اُس کے لبوں سے سرگوشی کی صورت نکلا تھا۔اُس کی آنکھیں مکمل بند ہوگئیں۔اُس کا وجود ایک طرف کو لڑھک گیا۔

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں، اب ہجر کی کوئی رات نہیں

مشکل ہے اگر حالات وہاں، دل بیچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو کوچہ جاناں میں، کیا ایسے بھی حالات نہیں

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

میدانِ وفا دربار نہیں، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں

گر بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہو لگا دو ڈر کیسا

گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

(فیض احمد فیض)

وہ ابھی فجر ادا کر کے بیٹھا تھا۔ دل نجانے کیوں عجیب سا ہوئے جا رہا تھا، یوں جیسے کوئی اپنا بہت تکلیف میں ہو۔ اندر کمرے میں گھٹن کا احساس بڑھتا گیا تو وہ اُٹھ کر باہر بالکونی میں آگیا۔ رات میں جو طوفانی بارش برسی تھی اپنے ساتھ دھول، مٹی سب بہا کر لے گئی تھی۔ ہر سو تازگی کا احساس تھا۔ آسمان پر اب بھی بادلوں کا ڈیرہ تھا۔ ٹھنڈی ہوا اُسے سکون پہنچا رہی تھی لیکن وہ سکون جسم کو شاداب تو کر رہا تھا لیکن روح بے آرام تھی۔ اندر کمرے میں موجود آرز کا موبائل اِن کمنگ کال سے بجنے لگا۔ وہ اندر نہیں بیٹھنا چاہتا تھا اسی لیے شاید موبائل اُٹھا واپس باہر آگیا۔ سامنے سکرین پر بازل کا نام جگمگا رہا تھا۔ اُس نے تو آرز کو کبھی اس وقت کال نہ کی تھی، تو پھر؟

"ہیلو!"

"آرز!"

بازل کی آواز میں تھکان وہ صاف محسوس کر رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ میں سُن رہا ہوں۔"

"حیام۔۔۔۔۔"

حیام کے نام پر تو جیسے سانس اٹکنے لگی۔

"وہ ٹھیک ہے؟"

آرز کا پورا بدن خدشات کے زیرِ اثر تھا۔ دھڑکنوں کی رفتار سو گنا مزید بڑھ گئی۔

"نروس بریک ڈاؤن۔۔۔"

بازل کے بتانے کی دیر تھی آرز کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس کا دل کسی نے پوری قوت سے دبوچ، چلتی دھڑکنوں کے تسلسل میں خلل ڈالا ہو۔

"میری وجہ سے یہ سب؟"

"آخری مرتبہ شاہ میر اُس کے ساتھ تھا۔ وہ اُسے تیرے لیے راضی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ خاموشی۔۔۔ آرزو وہ تجھ سے، تیرے رشتوں سے بھاگ کر یہاں آئی تھی۔ تو نے جو سب کو یہاں بھیج دینے کا فیصلہ کیا، بہت غلط کیا۔ تو اُس پر یہ زمین تنگ کرتا گیا اور تجھے معلوم ہی نہ ہوا۔"

آرز کے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ چاہتا تو اُسے اس دن ہی روک لیتا جب وہ یہاں سے جا رہی تھی۔ اُسے یہاں سے بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ حیام پُر سکون رہے لیکن آرز کو کیا معلوم تھا وہ خود ہی اُس کے لیے ذہنی دباؤ کی وجہ بن جائے گا۔

"وہ ٹھیک ہے نا؟ تو اُسے شہر لے آ، ہم کسی اچھے ڈاکٹر۔۔۔۔۔"

"آرز، وہ ٹھیک ہے۔ اُسے شہر لا کر مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا میں اور شاہ میر نے تسلی دی ہے۔ یہاں وہ ٹھیک لوگوں کی نگرانی میں ہے۔"

"کسی کلینک یا؟"

بازل نے ایک مرتبہ پھر آرز کی بات کاٹ دی۔

"شاہ میر نے حویلی میں ہی ڈاکٹر کو بلا لیا تھا۔ ابھی وہ ہوش میں نہیں آئی لیکن جلد آ جائے گی، انشاءاللہ!"

"میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں بازل۔"

کتنی ہمت کر کے اُس نے اپنی خواہش ظاہر کی تھی۔

"صبر کر۔۔۔"

بازل یہ کہہ کر کال کاٹ گیا۔وہ وہیں کھڑا بالکونی میں دور خلا میں گھور رہا تھا۔اُس کی حیام اذیت میں تھی تو پھر وہ کیسے سکون سے بیٹھا رہتا؟اُسے اپنی بے چینی کی وجہ اب سمجھ میں آ گئی تھی۔

ایک مرتبہ پھر سے وضو کر وہ جائے نماز بچھا کر کھڑا تھا۔اُسے حیام کی زندگی کے لیے نفل ادا کرنے تھے۔اُسے اپنے اللہ پاک سے اپنی پہلے والی حیام واپس مانگنی تھی،وہی حیام جو اُسے بچپنے سے بھرپور لگتی تھی۔وہ ویسے ہی اچھی تھی،ہنستی کھیلتی،محبتیں بانٹنے والی۔اب کی حیام بے رنگ تھی۔وہ ہنستی تھی تو جبراً مسکراتی تھی۔اُس کے قہقہے تو کہیں ماند پڑ چکے تھے۔آخری مرتبہ جب آرز نے اُسے دیکھا تھا تو وہ پہلے سے کمزور ہو چکی تھی۔رنگت بھی پہلے سے کملا کر رہ گئی تھی۔آنکھیں تو یوں تھیں جیسے برسوں برس کر اپنی چمک کھو چکی ہوں۔

نفل ادا کر کے آرز نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔اُس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔آنسو چہرہ بھگونے میں مگن تھے۔

"اللہ پاک!!اُسے ٹھیک کر دیں۔وہ ٹھیک رہے گی تو میں ٹھیک رہوں گا،پھر چاہے وہ مجھ سے دور رہے۔"

نہیں،اُسے یہ دعا تو نہیں مانگنی تھی یا شاید یہی مانگنا تھی۔وہ اپنے گرد جو اتنے عرصے سے دیواریں کھڑی کر رہا تھا،اُنہیں گرانا نہیں چاہتا تھا لیکن دعا بے ایمان ہو جائے تو انسان نہ چاہے بھی تو صبر کی ڈوری اُسے چھوڑنا پڑتی ہے۔

اے اللہ! آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔اُسے میرا بنا دیں۔حیام بخاری کو میرا بنا دیں۔"

"میری زندگی میں اُسے شامل کر دیں۔

وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پہلی مرتبہ اپنے خدا سے اپنی زندگی کے لیے سب سے اہم،سب سے ضروری انسان مانگ بیٹھا تھا اور اس مرتبہ وہ لا علم نہیں تھا۔وہ جانتا تھا کہ وہ کیا مانگ رہا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہر سو اندھیرا تھا لیکن بوجھل پلکوں کی باڑ ہولے سے اُٹھی تو تیز روشنی آنکھوں کو چبھنے لگی۔سر الگ بھاری تھا۔آہستہ آہستہ نگاہیں روشنی کی عادی ہوئیں تو حیام نے آنکھیں وا کیں۔اُسے اپنا جسم انگاروں پر تپتا محسوس ہو رہا تھا۔حلق خشک تھا۔حیام نے تھوک نگلنا چاہا لیکن نہ نگل سکی۔ہاتھ اُٹھا کر سر پر لے جانا چاہا تو درد کی لہر ہاتھ سے لے کر بازو تک دوڑتی محسوس ہوئی۔دیکھا تو اُس کے پہلے سے کمزور ہاتھوں پر ڈرپ لگی تھی۔حیام

نے ایک جھٹکے میں وہ اُتار دی۔اسی لمحے منال کمرے میں داخل ہوئی۔حیام کو جاگتے دیکھ وہ فوراً اُس کے برابر آبیٹھی۔

"تم ٹھیک ہو؟اور یہ ڈرپ کیوں اُتار دی تم نے؟"

وہ حیام کا ہاتھ تھامتی فکر مندی سے اُس پر اپنی انگلیاں پھیرنے لگی۔

"پانی۔۔۔۔پانی چاہیے۔"

یہ بات تو صرف حیام جانتی تھی کہ اُس نے وہ الفاظ کیسے ادا کیے تھے۔

"ہاں،میں دیتی ہوں۔"

منال نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور حیام کو سہارا دے کر تھوڑا اوپر کو کیا،اتنا کہ وہ آسانی سے گھونٹ گھونٹ پانی پی سکے۔

"تم ٹھیک ہو نا؟"

گلاس واپس رکھتے وہ فکر مندی سے پوچھنے لگی۔

"شاہ میر بھائی؟"

حیام کو کچھ یاد نہ تھا کہ اُس کی یہ حالت کیسے ہوئی لیکن پھر بھی پہلا نام اُس نے شاہ میر کا ہی لیا تھا۔

"میں بلاتی ہوں سب کو۔ بہت پریشان ہیں سب تمہارے لیے۔"

منال اُس کے ماتھے پر پیار کرتی کمرے سے نکل گئی۔ حیام ذہن پر زور ڈالے یاد کرنے کی کوشش میں ہلکان ہونے لگی کہ آخر کیا ہوا تھا؟ لیکن اُس کا ذہن خالی تھا۔ اتنی دیر میں سب ایک ایک کر کمرے میں داخل ہوئے۔ نائلہ بیگم حیام کے ایک طرف اُس کے برابر میں بیٹھیں، اُس کا ماتھا چومتی آنسو بہانے لگیں۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں حیام؟ تم نے مجھے پریشان کر دیا۔۔۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

حیام آہستہ آہستہ لفظوں کو جوڑتی بول رہی تھی۔ اُس کے دوسری طرف اماں بیگم آ کر بیٹھیں۔

توٹھیک ہو جا فیر دیکھیں میں تیرے ساتھ کیا کرے ہوں۔ تجھے مزہ آوے ہے نا مجھ "بوڑھی کو ستانے میں؟

اماں کے غصہ کرنے پر حیام ہلکے سے مسکرائی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس کے لیے فکر مند تھیں۔ شاہ میر ڈاکٹر کو بلا لایا تھا۔ جب تک ڈاکٹر نے اُس کا ایک مرتبہ پھر سے چیک اپ کیا، وہ سب خاموش کھڑے دیکھتے رہے۔

"She is Fine!

(یہ ٹھیک ہیں۔)

میں کچھ بھی ہوا چھا رہے گا۔ انکے ریسٹ کا خیال Liquid ہلکی پھلکی غذا جیسے کہ رکھیے گا۔ کچھ دن کمزوری رہے گی۔"

ڈاکٹر مسکراتے ہوئے سب کو مطمئن کر شاہ میر کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی۔

"مسٹر شاہ میر! کسی بھی قسم کا ذہنی تناؤ یا پریشانی انکے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کوشش کریں کہ انکے سامنے ایسی کوئی بات یا کسی بھی ایسی چیز کا ذکر نہ کیجیے جس سے وہ بے آرام ہو جائیں۔ ایسی مینٹل کنڈیشن میں پیشنٹ کے آرام کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک مرتبہ پھر وہ اس سب صورتحال سے گزریں۔ ایک کے بعد دوسرا بریک ڈاؤن انسان کی جان بھی لے سکتا ہے۔"

شاہ میر محض سر اثبات میں ہلاتا رہ گیا۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی وہ واپس کمرے میں آیا تو سب اب بھی حیام کے گرد موجود تھے۔ حیام کا اکتاہٹ سمیٹے چہرہ، وہ باخوبی اُس کی بے چینی بھانپ گیا۔

"چلیں، اب حیام کو آرام کرنے دیں۔ اُسے ریسٹ کی ضرورت ہے۔"

کوئی اُسے اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا لیکن مجبوراً اُٹھنا پڑا۔

"میں حیام کے پاس ہی رہوں گی۔اُسے کچھ چاہیے ہوا تو۔"

منال نے فوراً ہی رکنے کا جواز ڈھونڈ لیا۔اماں بیگم سر ہلاتیں وہاں سے سب کو لیے چل دیں۔اب پیچھے منال کے علاوہ بازل اور شاہ میر وہاں موجود تھے۔بازل حیام کے سامنے بیٹھتا اُس کا ہاتھ تھام بولنے لگا۔

"تم نے آج اپنے بھائی کو ڈرا دیا تھا، معلوم ہے تمہیں؟"

حیام نے ہاں میں سر ہلایا۔

"صرف بھائی کو نہیں بھائیوں کو۔"

شاہ میر کے ٹکڑا لگاتے ہی حیام مسکرائی۔

"مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔"

"تمہیں یاد کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

شاہ میر فوراً فکر مندی سے بولا۔

"کچھ نہیں ہوا تھا بس تم بارش میں بھیگ لی اور بخار ہو گیا۔"

وہ اُسے جھوٹی کہانی سُنا کر حقیقت آشکار کرنے سے ڈر گیا تھا۔ اگر حقیقت جان کر وہ پھر سے فکر مند ہو جاتی تو؟

"میں بارش میں بھیگ گئی تھی اور مجھے بخار ہو گیا؟ مجھے اسی لیے تو بارش پسند ہی نہیں ہے۔"

وہ واقعی ڈپریشن میں تھی۔ بازل کا دل چاہا کہ اُسے بتائے کہ حیام تمہیں بارش بہت پسند ہے، تم بارش کی دیوانی ہو۔ بارش کی ایک بوند تمہیں پاگل کر دیتی ہے لیکن حیام اب باتیں، یادیں، پسند، ناپسند سب بھولنے لگی تھی۔ اُسے خود سے جُڑی کوئی بات یاد تک نہ تھی۔ اگر یاد تھا تو صرف آرزحسن، اُسکی پسند، اُسکی ناپسند۔

"تم آرام کرو، کچھ چاہیے ہو تو بتا دینا۔"

شاہ میر کہتا بازل کو لیے وہاں سے چل دیا۔ پیچھے منال اور حیام اکیلے رہ گئیں۔
دروازے پر رک بازل نے اپنا موبائل نکال حیام کی تصویر لے آرز کو بھیجی تھی۔

❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦

آرز آج آفس نہیں گیا تھا۔ حیام کی طبیعت کا سن کر اُس کا دل کچھ کرنے کا چاہ ہی نہیں رہا تھا۔ موبائل پر میسج کی رنگ ٹون بجتے ہی اُس نے نوٹیفکیشن چیک کی۔ سامنے بازل کا

نام تھا۔ بازل نے کوئی تصویر بھیجی تھی۔ آرز کی انگلیوں کی رفتار یکدم تیز ہوئی۔ تصویر کھولتے ہی سامنے وہ بیڈ سے ٹیک لگائے لیٹنے کے انداز میں بیٹھی تھی۔ چہرے پر رونق تو نام تک کی نہ تھی۔

آج اُس کی سالگرہ تھی اور وہ کس حال میں تھی۔ آرز کا بھیجا تحفہ نجانے اُسے ملا تھا یا نہیں۔ آرز نے فوراً مشعل کو کال ملائی جو کہ پہلی ہی مرتبہ میں اُٹھالی گئی۔

"اسلام و علیکم! بھائی، کیسے ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! ٹھیک، تم کیسی ہو؟ اور امی؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔ بھائی۔۔"

مشعل چپ ہو گئی۔

"کیا ہوا ہے مشعل؟"

"بھائی، حیام۔۔"

"میں جانتا ہوں۔"

آرز کے بتانے پر مشعل کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپ آجائیں نا؟ وہ آپ سے خفا ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ کبھی آپ سے بات "

"تک نہ کرے۔

"تم نے اُسے وہ ڈائری دے تو نہیں دی؟"

"نہیں، موقع ہی نہیں ملا۔ لیکن اب دے دوں گی۔"

"مت دینا۔"

"وہ کیوں؟"

مشعل حیران ہوئی۔

مشعل، اس سب کا کچھ مطلب نہیں بنتا کہ کیوں نہیں، بس تم اُسے مت دینا بلکہ کسی "

"کو مت دینا۔ سُن رہی ہو نا تم؟

"ایسا کیا ہے ڈائری میں؟"

مشعل کو تفشیش نے آگھیرا۔

"جو بھی ہو تمہارے مطلب کا نہیں۔ اُسے مت کھولنا اور نہ کسی کو دینا۔ میں آخری

مرتبہ تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ مجھے شکایت کا موقع مت دینا۔"

"جی۔"

وہ کال بند کر چکا تھا لیکن اُسے ایک نئی پریشانی نے آگھیرا تھا۔اُسے وہ ڈائری کسی کو نہیں دینا چاہیے تھی، کسی کو بھی نہیں۔

❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦

وہ دونوں کافی دیر سے یوں ہی خاموش بیٹھیں تھیں۔ مغرب کی آذان ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی۔افطار کا اہتمام نیچے برآمدے میں ہی تھا لیکن حیام کی بدولت آج وہ نیچے نہیں گئی تھی۔وہ کب سے حیام کو تکے جارہی تھی جو بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، نگاہیں اپنے ہاتھوں پر ٹکائے نجانے کیا سوچ رہی تھی۔

"حیام؟"

"ہمم!"

"تم ٹھیک نہیں ہو؟ ہے نا؟"

"میں ٹھیک نہیں ہوں۔میں کب تک اس حقیقت سے بھاگتی رہوں گی؟ کب تک خود سے یہ جھوٹ بولتی رہوں گی کہ میں ٹھیک ہوں؟ میں ٹھیک نہیں ہوں منال۔"

"لیکن اس طرح،اس حالت میں ساری زندگی تو نہیں گزر سکتی نا؟"

حیام نے چہرہ موڑ کر منال کو دیکھا۔

"اور کسے خبر ہے کہ ساری زندگی جی بھی سکوں گی یا نہیں؟"

"کتنی فضول باتیں کرتی ہو تم؟"

منال کو اُس پر غصہ آنے لگا۔

"سچ ہی تو کہہ رہی ہوں۔"

"حیام! میں اس بارے میں ایک لفظ مزید نہیں سُننا چاہتی۔"

"تم یوں ہی ناراض ہو رہی ہو۔ منال، میں تو بس اتنا کہہ رہی تھی کہ۔۔۔"

لیکن حیام کو اپنی بات پوری کرنے کا موقع تک نہ ملا۔ منال غصے میں وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی۔ حیام پھر اکیلی رہ گئی۔ وہ اداس مسکراہٹ مسکرانے لگی۔

وہ دوبارہ لیٹنے لگی تھی جب مصطفیٰ صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ اُنہیں دیکھ وہ پورے دل سے مسکرانے لگی۔

"آئیں نا بابا، آج آپ کو اپنی بیٹی کی یاد آ ہی گئی۔"

وہ بھی مسکراتے ہوئے اُس کے ساتھ جا بیٹھے۔ حیام نے آگے ہوتے ہوئے اُن کے لیے جگہ بنائی تھی۔

"تم نے میری جان نکال دی تھی۔"

سچ بتاؤں، تو میری بھی جان نکل رہی ہے بابا۔ جب جب سوچتی ہوں تو حالت غیر "
"ہونے لگتی ہے۔ کیا ہوتا اگر میں؟

"خبردار! جو کوئی ایسی ویسی بات بھی منہ سے نکالی تو۔"

مصطفیٰ صاحب کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

"ابھی میری بیٹی کو بہت جینا ہے، بہت زیادہ۔"

"میں جینا چاہتی ہوں، بابا۔ آج اتنے عرصے بعد مجھے جینے کی خواہش ہونے لگی ہے لیکن یوں لگتا ہے کہ جیسے سانسیں ٹوٹنے کے قریب ہیں۔"

"حیام۔۔۔"

مصطفیٰ صاحب نے اُسے ٹوکا۔

"نہیں بابا، مجھے بولنے دیں ورنہ یہ سب باتیں میرے اندر رہ جائیں گی۔ جب جب سوچتی ہوں کہ ایسا کچھ ہو جائے گا تو ساتھ یہ خیال بھی آتا ہے کہ میں آپ کو اور اماں کو مزید آنکھ بھر کر دیکھ ہی نہیں سکوں گی۔ میری زندگی کا ایک سال ضائع ہونے کو ہے۔ میں نے آپ لوگوں کے بغیر یہ عرصہ کیسے گزارا ہے؟ آپ کو تو معلوم بھی نہیں۔"

دونوں باپ بیٹی آنسو بہانے میں مگن تھے۔حیام نے اپنا سر اپنے بابا کے کاندھے پر ٹکا دیا۔

"آپ نے مجھے خود سے دور کر کے اچھا نہیں کیا۔میں آپ کی بیٹی تھی نا بابا؟ مجھے تو آپ کے ساتھ رہنا چاہیے تھا۔"

"تم جانتی ہو حیام کہ میں نے تمہیں یہاں کیوں بھیجا تھا، پھر بھی ایسا کہہ رہی ہو؟"

"میں جانتی ہوں اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ جو ہوا غلط ہوا۔وہ شخص یا کوئی بھی میرے لیے اتنا ضروری نہیں تھا، نہ اُسے ہونا چاہیے تھا کہ مجھے آپ لوگوں کو چھوڑنا پڑتا۔آپ کو حق کے ساتھ میرا ہاتھ تھام مجھے سمجھانا چاہیے تھا کہ وہ میرا کچھ نہیں۔میرا سب کچھ آپ دونوں تھے، یہ بات میں بھولی تھی لیکن بابا آپ نے یہ بات کیوں بھلا دی؟"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔مصطفیٰ صاحب خاموش تھے۔کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

"مجھے زندگی نے کیا دیا اور کیا نہیں؟ مجھے اس کا کوئی گلا نہیں۔مجھے صرف یہ شکایت ہے کہ میرے پاس آپ دونوں نہیں تھے۔یاد ہے آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ تم نے مجھ سے میری محبت کا سوال ہی نہیں کیا؟"

اُنہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بابا، آج آپ کی وہ خواہش بھی پوری کر دیتی ہوں۔ دیکھیں آج میں نے آپ سے آپ کی محبت کا سوال کر لیا ہے اور مجھے جواب چاہیے۔"

حیام نے سر اُن کے کاندھے سے اُٹھا لیا۔

لیکن اُس کا سوال خاموشی کی نظر ہو گیا۔

"بابا، میرے ساتھ ایسا نہ کریں۔ مجھے میرے جواب دے دیں۔"

"میں نے صرف تمہارے لیے نہیں سوچا تھا۔ میں نے اُس روز وہ فیصلہ آرز کے لیے بھی سوچ کر کیا تھا۔ تم میری بیٹی تھی لیکن یہ بھی سچ ہے حیام کہ وہ بھی مجھے اتنا ہی عزیز تھا جتنی تم تھی اور اب بھی ہے۔ میں اپنی ایک بیٹی کی اذیت کا سوال دوسرے سے کیسے کرتا؟ میں نے اُس کی آنکھوں میں تمہارے لیے محبت دیکھی تھی۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں تمہارے لیے درد بھی دیکھا تھا۔ مجھے لگا کہ تم دونوں کو ہی اپنی اپنی اذیت سے چھٹکارا مل جانا چاہیے لیکن میں غلط تھا۔ نہ تم سکون میں رہی اور نہ وہ۔"

حیام آنسو بہاتی ہنسنے لگی۔

"آپ نے اُس شخص کے لیے سوچا تھا بابا؟اور میں سوچتی رہی کہ وہ فیصلہ ایک باپ نے اپنی بیٹی کے لیے لیا تھا۔"

حیام مصطفیٰ صاحب سے الگ ہو گئی۔ ہونٹوں پر ہاتھ جمائے وہ اپنی سسکیاں روک رہی تھی۔اُس کا یوں پیچھے ہو جانا اُس کے باپ نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

"حیام! میں نے تمہارے لیے بھی سوچا تھا میں نے کہا نا؟"

"نہیں بابا، نہیں آپ نے میرے لیے نہیں سوچا تھا۔آپ میرے لیے سوچتے تو آپ کا فیصلہ مختلف ہوتا۔آپ کا فیصلہ کچھ اور ہوتا۔"

وہ باآوازِ بلند روتی چلی گئی۔اُس کے وجود میں اذیت ہی اذیت بھری تھی۔وہ مشکل سے بیڈ کے کنارے پر زور ڈالتی اُٹھی۔

"حیام! بیٹھی رہو میرا بچہ۔"

مصطفیٰ صاحب فوراً سے آگے بڑھ اُس کے قریب آئے لیکن وہ دور ہو گئی۔وہ جسم میں جان نہ ہونے کے باوجود بھی پوری قوت لگاتے وہاں سے بھاگی۔اُس کا ڈوپٹہ اُس کے کمرے میں ہی رہ گیا۔اُس کے بال اُس کی کمر پر بکھرے تھے۔

وہ بھاگتی ہوئی برآمدے میں آئی۔وہاں کوئی نا تھالیکن سامنے راہداری میں اماں بیگم کے کمرے کی لائٹ آن تھی۔مدھم آوازیں اُسے سنائی دے رہیں تھیں۔

وہ دیوار کا سہارا لیتے اُن کے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر گئی۔اماں بیگم کے ساتھ وہاں حاجرہ بیگم موجود تھیں۔حیام کا یوں اچانک آنا،اُس کا رونا اور اُس کا بکھرا حلیہ اماں کا دل دہلا گیا تھا۔

وہ روتے ہوئے اماں کی گود میں منہ چھپائے زمین پر ڈھے گئی۔اُس کی سسکیاں کمرے کی چار دیواری میں گونج رہی تھیں۔

"حیام!حیام کیا ہو گیا میرے بچے کو؟ہائے میں مر جاواں!"

اماں بیگم بولتے ہوئے مسلسل اُسے سیدھا کرنے میں ہلکان ہونے لگیں۔حاجرہ بیگم اُسے چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھیں۔کچھ دیر وہ یونہی آنسو بہاتی رہی۔چہرہ اُٹھا کر اماں کو دیکھا۔اُس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔

"اپنے بھانجے کو بتائیے گا کہ میرا باپ وہ تھا جو مر چکا ہے۔میرا باپ وہ تھا جو صرف میرے بارے میں سوچتا تھا،صرف میرے بارے میں۔"

وہ اب بھی آنسو بہا رہی تھی۔

"اُٹھو یہاں سے۔"

حاجرہ بیگم اُسے مشکل سے اُٹھاتی بیڈ کے دوسرے کنارے لائیں۔اُسے وہیں لٹاتے اُس کے پاس بیٹھ گئیں۔

"بس خاموش ہو جاؤ۔ تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"پھپھو!"

"جی؟"

وہ حیام کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اُسے نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"آپ اُن سب سے کہیں کہ یہاں سے چلے جائیں۔یہ میرا گھر ہے۔یہاں وہ سب نہیں رہ سکتے۔سب چلے جائیں یہاں سے، کہہ دیں گی نا؟"

"ہاں،میں کہہ دوں گی۔وہ چلے جائیں گے،سب چلے جائیں گے۔"

حاجرہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہتے حیام کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔اُنہوں نے نظر اُٹھا کر اماں کو دیکھا جو خلا میں گھورتی ہوئیں اُٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں تھیں۔

باہر برآمدے میں اس وقت عدالت لگی تھی۔ وقار شاہ اور عمران بخاری کے علاوہ سب موجود تھے۔ حویلی کی عورتیں معمول کے مطابق مکمل پردے میں تھیں۔ سب اماں بیگم کے بولنے کے منتظر تھے۔ کسی نے بولنے میں پہل نہ کی۔ نجانے کیا ہو گیا تھا۔

"خالہ اماں!"

مصطفی صاحب نے ہی بات کا آغاز کرنا چاہا تو اماں نے اُنہیں ٹوک دیا۔ اُن دونوں کی آنکھیں رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔

"تیرا مجھ سے اور میرا تجھ سے اب کوئی تعلق نہ رہا ہے۔ سب ختم۔"

سب افراد سانس روکے اُنہیں سُن رہے تھے۔

"وہ سچ کہتی ہے میں اُس کی دادی نہ ہوں، ماں ہوں۔ اگر آج میں نے اُسے ماں بن کر نہ دکھایا تو ساری زندگی وہ بن باپ کے تو ہے ہی، بن ماں کے بھی ہو جاوے گی۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟"

مصطفی صاحب نے اُن کا ہاتھ تھامنا چاہا جو انہوں نے چھڑوا لیا۔

تم سب واپس چلے جاؤ، وہیں جہاں سے آئے ہو۔ میں خاص طور پر تیرا منہ تک نہیں "دیکھنا چاہے ہوں۔"

اماں غصے میں تھیں۔ پہلی مرتبہ وہ مصطفیٰ صاحب سے اس لہجے میں بات کر رہیں تھیں۔

"خالہ اماں! لیکن پتہ تو چلے کہ ہوا کیا ہے؟"

بازل درمیان میں بول اُٹھا۔ اُسے کہاں برداشت تھا کہ کوئی اُس کے باپ جیسے چچا سے یوں بات کرے۔

"یہ میرا فیصلہ نہیں ہے۔ یہ اُس کا فیصلہ ہے جس کا گھر ہے یہ۔ وہ تم لوگوں کو اپنے گھر کی چھت تلے برداشت نہ کر سکے۔ اس لیے چلے جاؤ۔"

اماں بیگم وہاں سے اُٹھتی واپس اندر کو چل دیں۔

"کس کا فیصلہ ہے یہ؟"

بازل نے ایک مرتبہ پھر سوال کیا۔ اماں بیگم نے مڑ کر اُسے دیکھا۔

"میری بیٹی کا، حیام کا۔ سویرا ہوتے ہی چلے جانا سب اور جانے سے پہلے اُس کے سامنے نہ آنا کوئی۔"

وہ چلی گئیں تھیں۔ وہ سب خاموش کھڑے تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ صرف مصطفیٰ بخاری جانتے تھے۔ اُنہوں نے آج اپنی بیٹی کو کھو دیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

سحری کے وقت کوئی کسی سے نظریں ملانے کا روادار نہ تھا شاید اسی لیے سب اپنے اپنے کمروں میں ہی رہے تھے۔حویلی پر صبح بڑی سوگوار سی اُتری تھی۔حیام نے اب بھی اماں بیگم کے کمرے میں ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔وہ اکیلی نہ تھی،اُس کے ساتھ منال،کرن اور مناہل تینوں موجود تھیں۔

وہ اُن لوگوں کو سچ بتا چکی تھی۔وہ سب تب سے ہی خاموش بیٹھے تھے۔کسی کے پاس بولنے کو دو حرف تک نہ تھے۔

اس کمرے سے باہر کی دنیا مختلف ڈگر کو چل رہی تھی۔شہر کے باسی واپس شہر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔بازل نے بہت کوشش کی حیام سے ملنے کی لیکن اماں نے اُسے اجازت ہی نہ دی۔حیام کے ساتھ ہر لمحہ کوئی نہ کوئی موجود رہا تھا،اُس کی نگرانی کے لیے۔

اماں بیگم اس وقت برآمدے میں اکیلی تھیں جب مشعل اُن کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"خالہ اماں!"

"کیا چاہیے تجھے؟"

اُنہوں نے اُس کی جانب دیکھا تک نہیں۔ وہ وہیں اماں کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"مجھے ایک مرتبہ اُس سے ملنے دیں۔ میرے پاس اُس کی ایک امانت ہے۔"

"ہاں، ہووے گی اور ضرور اُسے تکلیف بھی دے گی۔"

"نہیں، نہیں، خالہ اماں! میں وعدہ کرتی ہوں اُسے تکلیف نہیں ہو گی۔ وہ امانت اس کے زخموں پر سکون کی شبنم سجادے گی۔ مجھے ایک مرتبہ، بس ایک مرتبہ اُس سے مل لینے دیں۔"

مشعل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"پلیز۔۔۔۔۔۔! بس ایک مرتبہ۔"

"جا، مل لے لیکن اگر وہ روئی تو یاد رکھیں میں تجھے معاف نہیں کروں گی۔"

مشعل اجازت ملتے ہی فوراً وہاں سے دوڑتی چلی گئی۔ اُسے جلد ہی کچھ کرنا تھا ورنہ اُسے معلوم تھا کہ بہت دیر ہو جائے گی۔

مشعل اپنے کمرے سے آرز کی دی گئی ڈائری اُٹھاتی باہر کو بھاگی۔ سیڑھیاں اُترنے سے

پہلے وہ سامنے سے آتے شاہ میر سے ٹکرائی۔اُس کی آنکھوں سے بہتے آنسو شاہ میر کو بے وجہ کی تکلیف دے گئے تھے یا شاید پھر کوئی وجہ تھی، ہمیشہ سے رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں، میرے راستے سے ہٹیں مجھے جانا ہے۔"

"کہاں؟"

"حیام کے پاس۔ہٹ جائیں نا سامنے سے۔"

مشعل کے لہجے میں اکتاہٹ تھی لیکن وہ تو اُس کے آنسوؤں پر ہی آر کا تھا۔

"تم مت رو سب ٹھیک ہو جائے گا۔میں بات کروں گا حیام سے۔"

مشعل نے رک کر اُسے بہت دھیان سے دیکھا۔

آپ فکر نہ کریں، میں اُسے ہرٹ کرنے کے لیے نہیں جارہی ہوں۔بس بات کرنی ہے۔"

شاہ میر کی آنکھوں میں فکر وہ محسوس کر گئی تھی اور یقیناً وہ فکر حیام کے لیے ہی ہو سکتی تھی۔شاہ میر اُس کی بات پر چہرہ جھکائے مسکرایا۔ہاں میں سر ہلاتا وہ اُسے راستہ دینے کو

ہٹا۔ مشعل فوراً سے سیڑھیاں اُترنے لگی۔ لیکن پھر رکی، مڑ کر شاہ میر کو دیکھا۔ وہ اب تک مشعل کو ہی تکے جا رہا تھا۔

"I'm Sorry!"

"وہ کس لیے؟"

ریلنگ پر جھکتے شاہ میر نے اُس کو اپنی نظروں کے حصار میں لیا، یوں پہلی مرتبہ۔

"ہر چیز کے لیے۔"

"ہمم!"

وہ جانتا تھا کہ مشعل شہر میں کی جانے والی بد تمیزی کی بات کر رہی ہے۔

"And Thank you!"

"اور وہ کس لیے؟"

"ہر چیز کے لیے۔"

وہ شاہ میر کے جواب کا انتظار کیے بغیر جا چکی تھی۔ شاہ میر سرد آہ بڑھتا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔

مشعل دروازے پر دستک دیتی اندر داخل ہوئی۔اُسے حیام سے بات کرنا تھا لیکن وہ اب تک سوئی ہوئی تھی یا شاید دوبارہ سوگئی تھی۔ مشعل چلتے ہوئے اُس کی مخالف سمت آبیٹھی۔حیام کے چہرے کو دیکھتی وہ بولنے لگی۔

"میرے پاس تمہاری ایک امانت ہے۔تمہاری سالگرہ کا تحفہ، بھائی نے بھیجا تھا اور پھر مجھے کال کر کے منع کر دیا کہ ہر گز حیام کو مت دینا لیکن دیکھو میں نے ایک مرتبہ پھر پارٹی بدل لی۔میں جانتی ہوں تمہارے ارد گرد میری جگہ نہیں لیکن میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔تم تکلیف میں ہو تو میرے دل پر قیامت گزر رہی ہے۔اسی لیے تمہیں بھائی کے منع کرنے پر بھی یہ ڈائری دینے چلی آئی۔میں نے یہ کھول کر دیکھ لی ہے۔تم جاگ رہی ہوتی تو اس بات کا اقرار کبھی نہ کرتی کیونکہ میں تم جتنی بہادر نہیں ہوں۔مجھے اس حرکت کے لیے معاف کر دینا۔"

تمہاری سالگرہ کا دن ایسا گزرے گا تم نے تصور بھی نہیں کیا ہو گا لیکن خیر، تمہیں" "معلوم ہے حیام؟

یکدم مشعل کے لہجے میں آنسوؤں کی آمزش ہونے لگی۔

"کل امی نے چچا جان کو تم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تھا، آرز بھائی سے متعلق۔وہ تمہارے پاس بھائی کے لیے آنے والے تھے۔اُن کو پورا یقین تھا کہ تم اُنہیں انکار نہیں

کروگی لیکن وہ آ نہیں سکے۔ نجانے تم کیوں خفا تھی ہم سے کہ کسی کو یہ موقع ہی نہ ملا۔ شاید سچ میں تم دونوں کی تقدیریں اللہ نے الگ الگ لکھیں ہیں اور ہم یوں ہی زور آزمائی کرنے پر تلے ہیں۔ پھر بھی ایک آخری کوشش میں آرز بھائی کی محبت میں مجبور ہو کر کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم یہ ڈائری کب دیکھو گی، شاید تب تک ہم جا چکے ہوں، شاید تب تک دیر ہو چکی ہو لیکن اس امید کو لیے اس حویلی سے جا رہی ہوں کہ تم کسی دن پیچھے سے پکارو گی ضرور۔"

اپنے آنسو صاف کرتی وہ ڈائری حیام کے پاس رکھتی وہاں سے اُٹھ کمرے سے نکل گئی۔ اس کے نکلتے ہی حیام نے آنکھیں کھولیں۔اُن آنکھوں میں موجود آنسو ایک لڑی کی صورت بہہ گئے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

حیام نے نہ چاہتے ہوئے بھی اُٹھ کر وہ ڈائری پکڑ کر کھولی۔ سامنے آرز حسن کا نام جگمگا رہا تھا۔یقیناً وہ اسی کی تھی لیکن حیام کے پاس اُسے بھیجنے کا مقصد؟ حیام آہستہ آہستہ صفحات پلٹتی گئی۔اُس کے آنسو ڈائری کو بھگا رہے تھے۔

حیام کے ذہن میں نجانے کیا کچھ چلنے لگا،اُس کا بچپن، لڑکپن، جوانی۔۔۔وہ کیسے نہ

جان سکی تھی کہ آرز کے جذبات اُس کے لیے کیا تھے؟ وہ شخص آج سے تو اس سے محبت نہ کرتا تھا۔

مشعل کیا کہہ کر گئی تھی اس سے؟ اس کے بابا رات حیام کے پاس آرز کے متعلق بات کرنے آئے تھے؟ کسی نے مانو خنجر اُس کے دل کے مقام پر گاڑھ دیا تھا۔ اُس کے بابا ہمیشہ جب وہ سوچتی کہ اپنی بیٹی کے لیے چل کر آئے ہیں، جھوٹ کیوں ہوتا تھا؟ اُسے آج معلوم ہوا تھا کہ وہ تو ہمیشہ آرز کے لیے اُس کے پاس آتے تھے۔ تو پھر وہ محبت کیا تھی جو بچپن سے لے کر آج تک وہ حیام سے کرتے آئے تھے؟ آرز حسن کے پیچھے خیرات میں بچ جانے والی بھیک؟ اُس نے تو کبھی بھیک میں چاہی محبت نہ مانگی تھی پھر؟ اپنے باپ سے ہزار شکایتیں صحیح، کیا آرز حسن کو اُن سب کی سزا ملنا چاہیے تھی؟ اگر ہاں، تو کیوں؟ آرز کا کیا قصور تھا کہ اُس کے بابا اُس سے اتنی محبت نہ کرتے تھے جتنی وہ تصور کرتی تھی؟ اور اگر نہیں، تو پھر وہ اب تک کیوں بھاگتی رہی تھی؟

اُسے ابھی فیصلہ کرنا تھا۔ فیصلے کا وقت گزر رہا تھا۔ سب جا رہے تھے۔ اُسے اپنا اگلا قدم بہت سوچ سمجھ کر اُٹھانا تھا۔ حیام نے جتنی تکالیف سہی تھیں وہ تو آرز حسن کی اذیتوں کے برابر تک نہ تھیں۔

حیام کے آنسو بہہ رہے تھے۔ شاہ میر دروازے پر دستک دیتا اندر آیا۔

"سب شہر واپس جا رہے ہیں۔ تم ایک مرتبہ بازل سے مل لو۔"

لیکن پھر وہ حیام کو دیکھ لمحہ بھر کو خاموش ہوا۔

"تم رو رہی ہو؟"

لیکن پھر اُس کی نگاہیں حیام کے ہاتھ میں موجود خاکی ڈائری پر آر کیں۔ وہ اس ڈائری کو پہچانتا تھا۔

"حیام! وہ جا رہے ہیں۔ فیصلے کا وقت گزر چکا ہے۔"

لب بھینچے وہ حیام کی بکھری ہوئی حالت دیکھ رہا تھا۔ وہ اُسے بالکل پہلے والی حیام لگ رہی تھی۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ کر لیا ہے فیصلہ۔۔۔۔"

دونوں خاموش تھے۔

"بھائی!"

"ہمم!"

"آرز حسن کے چچا جان کو کہہ دیں کہ میں اُن کے بیٹے سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے کب، کہاں، اور کس وقت قبول ہے کہنا ہے وہ فیصلہ کر لیں تو مجھے آگاہ کر دیں۔"

"ہر گز نہیں، میں ایسا بالکل نہیں کروں گا۔ تم اُس سے شادی نہیں کرو گی۔"

شاہ میر چلتا ہوا اُس کے سامنے جا بیٹھا۔

"میں فیصلہ کر چکی ہوں اور آپ بھی تو یہی چاہتے تھے۔ یاد کریں کہ ہر بار آپ نے یہی بات خود مجھ سے کہی کہ میرا جو فیصلہ ہو گا آپ کو منظور ہو گا۔"

"لیکن میں تمہیں خودکشی کی اجازت ہر گز نہیں دے سکتا۔ خود کو آئینے میں دیکھو۔ آنسوؤں کے یہ نشان تمہارے رخساروں پر جذب ہو گئے ہوں جیسے ہمیشہ کے لیے۔ میں تمہیں ساری عمر روتے ہوئے کیسے دیکھ سکوں گا؟"

نہیں دیکھنا پڑے گا۔ میری سانسوں کی ڈور ٹوٹنے کے قریب ہے۔ نجانے کب "

"میری زندگی تمام ہو جائے۔

"فضول باتیں کیوں کرتی رہتی ہو؟"

"فضول باتیں نہیں۔ میں جانتی ہوں۔"

اپنے دونوں ہاتھ باہم ملائے وہ چہرہ جھکائے رو رہی تھی۔

"تم نے ابھی بہت جینا ہے۔ خدا تمہیں میری بھی عمر لگا دے۔"

"لیکن مجھے لگتا ہے کہ اب وہ شخص مل جائے گا تو میں مر جاؤں گی۔ محبتوں میں مل جانے والے مرتے ہوئے پہلی مرتبہ دیکھیں گے آپ۔"

وہ روتے ہوئے ہنسی۔

"نہیں، تمہیں کچھ نہیں ہو گا بلکہ محبتوں میں ملتے ہوئے پہلی مرتبہ کسی کو دیکھوں گا۔ میں بھی کن باتوں کو لیے بیٹھ گیا۔ میں جاتا ہوں، سب کو روکنا بھی تو ہے۔"

حیام نے اثبات میں سر ہلایا۔ شاہ میر ابھی دروازے تک ہی گیا تھا جب حیام نے اُسے روکا۔

"بھائی! وہ آجائیں گے نا؟ میں انتظار میں بیٹھی تو نہیں رہ جاؤں گی نا؟"

شاہ میر اپنے آنسو روکتا سر نہ میں ہلاتا کمرے سے چلا گیا۔

تیرے آنے کی کیا امید مگر

کیسے کہہ دوں کہ انتظار نہیں

(فراق گورکھپوری)

جانے شاہ میر نے سب کو واپس شہر جانے سے کیسے روکا تھا؟ یہ بات صرف وہی جانتا تھا۔ لیکن حیام کے فیصلے نے کم از کم سب کا دل خوش کر دیا سوائے اُس کے بابا کا۔ وہ فلحال کوئی خوشی محسوس نہ کر پا رہے تھے، وجہ بیٹی کی بدگمانی تھی یا شاید وہ حق پر تھی۔ اُنھوں نے حیام سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہ ملی۔ بازل گاؤں چلا گیا تھا۔ اُسے آرز کو یہ خوشخبری بھی تو دینا تھی لیکن وہ جانے سے پہلے حیام سے مل کر گیا تھا۔ اُن کے درمیان ہوئی باتوں سے کوئی آگاہ نہیں تھا، شاہ میر بھی نہیں۔

اماں نے حیام کے فیصلے سے اختلاف نہ کیا۔ وہ خاموش تھیں۔ وہ اندر سے ڈر رہیں تھیں۔ اُنہیں محبت سے خوف آتا تھا۔ وہ حیام کی زندگی کے لیے پریشان تھیں اور حیام کی زندگی آرز حسن تھا۔ وہ چاہے نرم پڑ جاتیں، دونوں سے محبت بھی اپنی جگہ لیکن وہ جانتیں تھیں کہ سیدزادیوں کو محبت راس نہیں آتی۔ پھر آرز کا سوچتیں تو دل کہتا اس مرتبہ سیدزادے کی قسمت آزما کر دیکھ لے بشیرا۔ شاید قسمتیں آزمانے کا وقت آ گیا تھا۔

حیام کمرے سے نکل باہر برآمدے میں آئی تو وہاں سب موجود تھے۔ اُسے دیکھ سب

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ندا بیگم نے تو باقاعدہ اُس کا ماتھا چوم ڈالا۔اُن کے تو پاؤں زمین پر لگ ہی نہ رہے تھے۔اُن کے لیے یہ خوشی ہی اتنی بڑی تھی کہ حیام ان کے بیٹے سے منسوب ہو جائے گی۔ حسن صاحب کی آخری خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔وہ اُسے اپنے ساتھ لگائے وہیں بیٹھ گئیں۔وہ خاموش رہی، صرف مسکرا دیتی لیکن بات نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھی تھی شاید۔

منال اُسے کمرے میں نہ پا کر ڈھونڈتے ہوئے باہر برآمدے میں آئی تو وہ سامنے سب کے درمیان بیٹھی خاموش نگاہیں زمین پر ٹکائے ہوئے تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"حیام!"

منال کے پکارنے پر حیام نے بنا جواب دیئے اُسے دیکھا۔

"اماں بلا رہی ہیں۔"

سر ہلاتی حیام سب کے درمیان سے اُٹھتی اُس کے ہمراہ پچھلے برآمدے کو چلنے لگی۔

تمہاری ابھی طبیعت نہیں ٹھیک۔روزہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ چہرہ دیکھو اپنا کیسے اُترا ہوا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں اب۔آگے ہی اتنے روضے رہ گئے میرے۔"

"تم خوش ہو نا حیام؟"

حیام نے رک کر منال کا چہرہ دیکھا۔ منال کے چہرے پر صاف حیام کے لیے فکر مندی عیاں تھی۔

"معلوم نہیں لیکن میں مطمئن ہوں۔"

وہ جیسے خود کو تسلی دے رہی تھی۔

"میں تمہارے فیصلے سے بہت خوش ہوں۔ میں جانتی ہوں ابھی تم کچھ محسوس نہیں کر پا رہی لیکن ایک دن آئے گا جب خوشی کے سارے رنگ تمہارے چہرے پر صاف نظر آئیں گے۔ تم آرز بھائی کے ساتھ خوش رہو گی۔ اُن کے علاوہ تم کسی کے ساتھ خوش رہ ہی نہیں سکتی۔"

حیام کے ہاتھ تھامے وہ چہرہ جھکائے بول رہی تھی۔ حیام کی نگاہوں کا مرکز منال کے ہاتھوں میں قید اپنے ہاتھ تھے۔

"اماں، کدھر ہیں وہ؟"

"ہاں، چلو۔"

حیام منال کے ساتھ چلتے اماں کے پاس آئی تو وہ شاید اسی کی منتظر تھیں۔

"ادھر آ۔"

حیام چلتے ہوئے اُن کے قدموں میں بیٹھ گئی۔اماں کے ہاتھوں پر اپنی انگلیاں پھیرتی بولنے لگی۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں نا؟ میں نے آپ کو کس مشکل میں ڈال دیا،اندازہ ہے مجھے لیکن میں کیسے بتاؤں آپ کو؟ بہت مجبور تھی میں۔ فیصلہ کرنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔"

"تیرا نام کیا ہے؟"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Poetry|Interviews

اماں بیگم نے الٹا موضوع ہی بدل ڈالا۔ایسا حیام کو لگا۔

"حیام۔۔۔"

وہ بھی چپ چاپ جواب دینے لگی۔

"مطلب؟"

"دیوانہ وار محبت میں۔۔۔"

حیام کے ساتھ ساتھ قریب کھڑی منال بھی بے چین ہوئی۔

"اب کا تو پتہ نہ لیکن ہمارے وقتوں میں کہا کرتے تھے کہ نام کا انسان کی ذات پر بڑا فرق پڑے ہے۔۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔۔آج یقین آگیا ہے مجھ بوڑھی کو۔"

حیام کی آنکھیں آنسوؤں سے چمکنے لگیں۔

"اماں!"

حیام نے اُنہیں پکارا لیکن وہ پھر بولنے لگیں۔

"بڑی پکی نکلی ہے تو اپنے نام کی۔ کمبخت تیرے باپ کو بھی یہی نام ملا تھا بس تیرے لیے؟ آج زندگی میں پہلی بار مجھے لگ رہا ہے کہ میں ہار گئی واں۔"

میں آپ کے لیے ہر فیصلہ بدل دوں گی، ہر فیصلہ واپس لے لوں گی، آپ بس حکم "کریں مجھے۔"

حیام کے چہرے پر بے بسی کی سُرخی پھیلی لیکن آنسو نجانے کیسے اب تک آنکھوں کے کنارے ٹکے تھے۔ جبکہ منال اور اماں رو رہیں تھیں۔

"تجھے کچھ ہو گیا تو؟"

اماں اُس کے لیے فکر مند تھیں۔

"تو کیا ہو گا؟ کچھ نہیں۔آپ دل پر ہاتھ رکھ کر تسلی دے لیجئے گا کہ اللہ کی امانت تھی، اُس نے واپس لے لی۔"

اب حیام کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔

"تو پھر جا کر میرے رب سے کہیں کہ میری اماں کو بھی بلا لے۔وہ میرے بنا نہ رہ سکے،اُسے میری عادت ہو گئی ہے۔"

منال اماں کے برابر آ بیٹھی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ دونوں؟ خدا نہ کرے کہ آپ دونوں کو کچھ ہو۔اماں آپ ہی تو کہتی ہیں کہ مبارک وقت میں ایسی منحوس باتیں نہیں کرتے۔پھر اب کیوں؟"

دونوں نے منال کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔حیام اماں کی گود میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔اماں اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتیں منال کے کاندھے سے سر ٹکا گئیں۔

وہ سب اپنے اپنے خدشات کو دل میں دبائے،آنے والے وقت میں خوشیوں کی تلاش میں ادھر سے اُدھر بھٹکتے پھر رہے تھے۔

بازل گھر پہنچا تو آرزو وہاں نہ تھا۔ یقیناً وہ آفس جا چکا تھا۔ فریش ہوتے ہی بازل نے اُسے کال کی تو اُس کا نمبر آف جانے لگا۔ بازل نے آفس کے نمبر پر کال کی تو چند سیکنڈز کے بعد کال اُٹھالی گئی۔ فون کے دوسری جانب علی تھا۔

"اسلام و علیکم! یس؟"

"و علیکم السلام! علی میں بازل بات کر رہا ہوں۔"

"سوری سر، میں نے آپ کا نمبر پہچانا نہیں۔ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"آرز کدھر ہے؟ وہ کال پک نہیں کر رہا۔"

سر ایک ضروری میٹنگ میں ہیں۔ بس فری ہونے والے ہیں۔ وہ آتے ہیں تو سب " سے پہلے کال وہ آپ کو کر لیں گے۔"

جواباً بازل نے آہ بھری۔ وہ جتنی جلدی اُسے آگاہ کرنا چاہتا تھا، دیر ہوتی جا رہی تھی۔

"اگر آپ چاہیں تو مجھے پیغام دے سکتے ہیں۔"

نہیں، تم بس اُسے کہنا کہ ایمرجنسی ہے۔ لازماً کال کرلے مجھے اور یہ بھی بتا دینا کہ میں " گھر آچکا ہوں۔"

"جیسا آپ کہیں سر۔"

کال کٹ چکی تھی۔ ابھی آرز کے آنے میں بہت وقت تھا۔ وہ فارغ کیا کرتا؟ کچھ کرنے کو تھا ہی نہیں۔ ابھی وہ سوچوں میں غرق تھا کہ پری کا نام موبائل اسکرین پر چمکنے لگا۔ مسکراتے ہوئے اس نے کال پک کی۔

"اسلام و علیکم! آپ تو جاتے ہی مجھے سراسر فراموش کر دیتے ہیں۔"

پریشے کی شکایت پر وہ دل کھول کر ہنسا۔

"وعلیکم السلام! یار مجھے سلام کا جواب تو دے لینے دیتی۔ جس رفتار سے گولیاں چلتی ہیں نا؟ تمہاری شکایتوں کی رفتار اُس سے بھی سوگنا ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ آج کے بعد کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہیں کروں گی۔"

وہ شاید برامان گئی تھی۔

"ایسے کیسے نہیں کرو گی؟ میں گن پوائنٹ پر تم سے اپنی برائیاں کرواؤں گا۔"

"شکایتوں میں اور برائیوں میں بڑا فرق ہوتا ہے، میاں حضور!"

وہ اُسے باور کروا رہی تھی۔ جواباً بازل مسکرایا۔

"آپ خیریت سے پہنچ گئے؟"

ہاں، ابھی کچھ دیر پہلے اور آتے ہی کمرے کی حالت دیکھنے لائق ہے۔ تم یہاں ہوتی تو"

"میرا سر پھاڑ دیتی۔

بازل نے کہتے ہوئے کمرے کا جائزہ بھی لیا جہاں جگہ جگہ کپڑے بکھرے تھے۔

کوئی بات نہیں۔ ہم کل شہر آئیں گے نا شاہ میر بھائی کے ساتھ تو میں سب سمیٹ "

"دوں گی۔

پریشے کے جواب پر بازل حیران ہوا۔ وہ تو سب کے آنے سے بے خبر تھا۔

"سب یہاں کیوں آ رہے ہیں؟"

"سب کا معلوم نہیں لیکن ہم لوگ آئیں گے۔ خالہ اماں نے کہا ہے کہ دو دن بعد جو جمعہ آ رہا ہے تب ہی حیام اور آرز بھائی کا نکاح ہو گا اور جمعۃ الوداع پر رخصتی کر دیں گے۔ اب اتنی جلدی میں شاپنگ بھی تو کرنی ہے۔"

"اتنی جلدی کیا ہے؟"

ہمیں کیا خبر؟ خالہ اماں کے فیصلے، وہ ہی جانیں۔ صبح سے حیام اور منال اُن کے ساتھ "

"ہیں۔ نجانے کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں۔

وہ تجسس کے مارے بازل کو سب باتوں سے آگاہ کرنے لگی۔

"خیر جو بھی ہے، اگر وہ یہ چاہتیں ہیں تو ایسے ہی سہی۔ آرزاور حیام دونوں کی زندگیوں کا ایک سال ضائع ہو چکا ہے۔ بہتر ہے کہ جلد ہی یہ کام بھی کر دیا جائے۔"

"ہممم!"

وہ خاموش ہو گئی۔

"آپ آرز بھائی کو کیسے بتائیں گے؟ اگر اُنہوں نے۔۔"

بازل نے اُسے اس کی بات پوری نہیں کرنے دی۔

"وہ کچھ نہیں کرے گا، کچھ نہیں کہے گا۔ مجھے اپنے بھائی پر یقین ہے۔"

خدا کرے ایسا ہی ہو۔ اچھا ٹھیک ہے میں فون بند کر رہی ہوں۔ خالہ بلا رہی ہیں"

"شاید۔ مجھے یہاں کرنے کو بہت کام ہیں۔

"خیال رکھنا اپنا۔"

"آپ بھی۔"

وہ مسکراتے ہوئے کال بند کر گئی۔

حویلی میں سچ مچ بہت کام تھے کرنے کو۔ وہاں کی لاڈلی کا نکاح تھا، کیسے نا دھوم دھام سے تیاریاں ہوتیں؟ دو دن تو بہت کم تھے اُن کے لیے۔

آرزا اپنے آفس میں داخل ہوا تو اُس کے پیچھے پیچھے علی بھی اندر آیا۔

علی! ایک کام کرو۔ نیکسٹ میٹنگ میں ڈیل فائنل ہو جائے گی۔ کنٹریکٹ تیار کروا"

"لو۔ اُسی وقت سائن ہو جائیں گے تو بہتر رہے گا۔

سر، آپ فکر نہ کریں۔ کنٹریکٹ پیپرز تیار ہیں۔ میں نے آپ کی ٹیبل پر رکھ دیئے"

"ہیں۔ آپ ایک مرتبہ دیکھ لیں۔

آرز کے چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہی علی نے میز پر رکھی فائل اُس کی جانب کھسکائی۔

"ویری گڈ۔ اس کے علاوہ تم آج کے شیڈول میں میری میٹنگ ارینج کر دو۔"

"سر کس کے ساتھ؟ فلحال تو آپ نے کسی دوسری کمپنی کے ساتھ کام کرنے سے انکار

کر دیا تھا تو میں نے آپ کا پیغام فارورڈ کر دیا تھا۔"

"نہیں، میں اس متعلق بات نہیں کر رہا۔ تم سعد کو کال کرو اور ملنے کا بندوست کر دو۔

وہ ابھی تک ناراض ہے مجھ سے۔ پرسنل ریزن کے لیے نہیں ملے گا۔ یوں کاروباری

بہانہ ڈھونڈ لو تو انکار نہیں کرے گا۔"

علی مسکرایا۔

سر میں ارینج کر تو دوں لیکن آپ کے لیے بازل سر کا پیغام ہے میرے پاس اور مجھے "لگتا ہے کہ وہ زیادہ ضروری ہے۔"

"بازل نے تمہیں کال کیا تھا؟"

آرز نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"جی سر، وہ کہہ رہے تھے کہ کوئی ایمرجنسی ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ آپ میٹنگ میں تھے تو نمبر آف جا رہا تھا۔ وہ گھر آ چکے ہیں۔"

اُف! مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ تم ایک کام کرو، باقی سب کچھ خود دیکھ لینا میں جاتا ہوں "گھر۔"

"بے فکر ہو کر جائیں۔ میں سب دیکھ لوں گا۔"

آرز اپنا سارا ضروری سامان سمیٹ آفس سے نکل گیا۔ وہ جلد سے جلد گھر جانا چاہتا تھا۔

❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦

وہ گھر پہنچا تو بازل اُسے لاؤنج میں ہی بیٹھا نظر آ گیا۔

"خیریت؟ مجھے لگا تھا کہ کچھ دن اور رہو گے۔"

بازل اُسے دیکھ فوراً کھڑا ہوا۔ دونوں آگے بڑھ کر گلے لگے۔

"نہیں، وجہ ہی کچھ ایسی ہے مجھے آنا پڑا۔"

وہ دونوں بیٹھ چکے تھے۔ بازل نے ہاتھ بڑھا ریموٹ پکڑ سامنے آن ٹی وی بند کر دیا۔

"وہ ٹھیک ہے نا؟"

بازل اُسے بہت دھیان سے تک رہا تھا۔

"بھلی چنگی ہو گئی ہے۔ اصل میں کچھ نیا ہوا ہے۔"

"اب کیا ہو گیا؟"

اپنے دونوں ہاتھ باہم ملائے وہ بے چین ہوا۔

"حیام نے بھیجا ہے مجھے یہاں۔"

آرزنے ٹھٹھک کر بازل کے چہرے کو پڑھنا چاہا کہ کہیں وہ جھوٹ تو نہیں بول رہا؟
لیکن بازل کے چہرے پر مذاق کی رمق تک نہ تھی۔

"کیوں؟"

وہ چہرہ موڑ گیا۔

"وہ مان گئی ہے۔"

بازل کی یہ بات اُسے بہت کچھ سمجھا گئی تھی لیکن وہ پھر بھی سننا چاہتا تھا، دل کی تسلی کے لیے۔

"کیا مان گئی ہے؟"

"تیرے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے ہاں کر دی ہے اُس نے۔ مجھے تیرے پاس فیصلہ سنانے کو بھیجا گیا ہے۔"

"ایسے کیسے مان گئی؟"

آرز نے بازل کو دیکھا۔ آرز کے چہرے پر کیا کچھ نہیں تھا، خوشی لیکن ساتھ جڑا ڈر۔ وہ شاید بہت جلد کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

"دو دن بعد نکاح ہے۔ وہاں تو تیاریاں ایسے شروع ہو چکیں ہیں جیسے کہ پہلے کبھی کوئی خوشی منائی ہی نہیں گئی۔ وہ دلہن بنے تیرا انتظار کر رہی ہو گی۔ دو دن بعد ہمیں جانا ہے۔"

"اور اگر؟ اگر میں نہ گیا تو؟"

بازل کھڑا ہوا۔ آرز کا کاندھا تھپتھپا بولا۔

"مجھے یقین ہے تو ایسا نہیں کرے گا لیکن پھر بھی دو لمحوں کو سوچ لیتے ہیں تو نہ گیا تو کیا ہو گا؟ کچھ نہیں۔ وہ دلہن تب بھی بنے گی۔ رخصتی ہو کر رہے گی۔"

"کیسے ہو گی جب میں ہی نہ گیا تو؟"

آرز بازل کے مقابل کھڑا ہوا۔

"اُسے لڑکوں کی کمی نہیں ہے۔ شاہ میر نے یہ پیغام دے بھیجا ہے مجھے کہ اس کی بہن کسی آرز حسن کے انتظار میں نہیں بیٹھی رہے گی۔ وہ تمام اندیشوں کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ وہ بھائی اپنی بہن کو عزت سے رخصت کر کے رہے گا۔"

آرز حسن نے آنکھیں موندے وہ زہر خود میں اتارا۔ وہ کیسے بھول سکتا تھا کہ شاہ میر کبھی حیام کو بھری محفل میں بے عزت ہونے نہیں دے گا۔ اور آرز بھی ایسا کیسے کر سکتا تھا؟ وہ خود کتنے عرصے سے اس ایک دن کا منتظر تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ حیام کو درمیان راہ اکیلا چھوڑ دیتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔

شاہ میر اماں کے کمرے میں آیا تو وہ اکیلی تھیں۔ سامنے زیورات کے بکسے کھلے پڑے تھے۔ بھاری زیور جو پرانے ڈیزائن کے تھے لیکن اتنے خوبصورت تھے کہ کوئی دیکھے

www.neweramagazine.com

اور آنکھیں نہ کھلی رہ جائیں تو پوچھو۔

"اماں! بات کرنی تھی آپ سے۔"

وہ وہیں ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں، بول میرے لال۔۔۔"

میں کہہ رہا تھا کہ حیام اور منال وغیرہ کو بھی کل اپنے ساتھ شہر لے جاؤں۔ وہ بھی "شاپنگ کر لیں گیں۔

اماں نے آنکھوں میں غصہ سموئے شاہ میر کو گھورا۔

"تیرا دماغ لگتا ہے چل گیا ہے۔"

"اماں! جب اُس کے لیے اتنے سخت اصولوں کو خاک کر رہیں ہیں تو اپنی محبت کا کچھ حصہ باقی لڑکیوں کو بھی سونپ دیں۔ اس حویلی کی کسی لڑکی نے کبھی منہ جھانک کر باہر کی دنیا نہیں دیکھی، میں نے کبھی آپ سے اختلاف نہیں کیا۔ لیکن آج کروں گا۔"

اماں خاموش رہیں۔

"یہ مت سوچیے کہ بغاوت کر رہا ہوں۔ نہیں، میں آج اُن سب لڑکیوں کے حق کی جنگ لڑنے آپ کے سامنے بیٹھا ہوں جنہوں نے کبھی شکایت نہیں کی لیکن کیا اُن کی

آنکھوں میں کبھی جھانکا ہے آپ نے؟"

اماں بیگم نے چہرہ جھکا لیا۔

"انہوں نے کبھی آپ کے حکم پر سر اُٹھا کر آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سوال نہیں کیا کہ آخر کیوں؟ کیا آپ لوگوں کو اپنی تربیت پر شک ہے کہ حویلی سے باہر قدم رکھیں گی تو کچھ غلط کر بیٹھیں گی؟ پھپھو نے جو بھی کیا، وہ غلط نہیں تھا۔ انہوں نے تو کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ آپ سے اپنی پسند کا حق تک نہ مانگا تھا؟ پھر یہ خاموش سزا کیوں؟ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ وہ بے پردہ ہو جائیں۔ میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ پردے میں پوشیدہ رہ کر اُنہیں دنیا دیکھنے دیں۔ زندگی جینے دیں، گزارنے نہ دیں۔ اسلام کے دائرے میں جو حدود ہیں اُن کے لیے موجود ہیں، وہ جانتیں ہیں۔ اُنہیں پسند ناپسند کا حق دے دیں۔ اب وقت بدل گیا ہے۔ سالوں پرانی روایتوں سے خود کو آزاد کر دیں۔ مجھے اپنی بہنوں پر بڑا مان ہے اس چار دیواری سے باہر نکلیں گی تو کسی کو اجازت نہ دیں گی کہ کوئی ان پر غلط نگاہ بھی ڈالے۔ نظریں جھکی ہوں گی اور چہرہ نقاب میں پوشیدہ ہو گا۔ وہ اپنے اصل سے بھاگیں گی نہیں۔ وہ اُس پر فخر کریں گی۔"

وہ اپنی کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"جامیں نے اجازت دی لیکن اُنہیں لٹیروں کی طرح لیے پچھلے دروازے سے نہ جائیں۔اُن کا وقار سلامت ہے ابھی۔حویلی کا دروازہ کھلوادے۔"

ایک آنسو کی لڑی اماں کے چہرے کو بھگورہی تھی۔وہ مسکراتا ہوا کمرے سے نکلا۔آج تو حویلی میں بڑے سخت فیصلے چند لمحوں میں ہورہے تھے۔ضرور خدا کی کوئی مصلحت رہی ہوگی ان تمام فیصلوں میں چھپی۔۔۔۔

"میں اس حویلی سے باہر نہیں جاؤں گی اور آپ اماں سے کہہ دیں کہ حویلی کا دروازہ مت کھلوائیں۔اگر وہ یہ سب میری فضول باتوں میں آکر کررہیں ہیں تو بتادیں انہیں کہ جب وہ سب کہا تھا تب میں پاگل تھی۔وہ سب نہیں جانتی تھی جواب معلوم ہے مجھے۔"

وہ سب لڑکیاں اس وقت شاہ میر کے کمرے میں تھیں اور شاہ میر ان کو سب صورتحال سے آگاہ کررہا تھا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے حیام،ہمیں نہیں جانا کہیں بھی۔"

منال نے بھرپور حیام کا ساتھ دیا جب کہ کرن اور مناہل ساتھ سر ہلانے لگیں۔شاہ

میران چاروں کے درمیان پاگل ہو گیا تھا۔

"یہ فیصلہ اُن کا اپنا ہے۔وہ کسی کی باتوں سے مجبور ہو کر نہیں یہ سب کر رہیں۔"

شاہ میر نے غلط بیانی سے کام لیا لیکن وہ حق پر تھا۔اماں بیگم یہ بات مان گئیں تھیں۔وہ چاروں خاموش ہو گئیں۔

بھائی! باہر کی دنیا ہمارے لیے نہیں ہے۔وہ بہت مختلف ہے۔وہ دنیا ہمیں کیسے "ایکسپٹ کرے گی؟"

کرن نے صاف گوئی سے کام لیا۔

کیوں نہیں ایکسپٹ کرے گی؟اُنہیں ضرورت ہے بھی نہیں۔ہمیں کسی کے اپرووَل "کی ضرورت نہیں ہے۔"

منال نے بے بسی سے شاہ میر کو دیکھا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے۔"

منال کے ڈر سے وہاں بیٹھا کوئی بھی شخص انجان نہ تھا۔

"تم سب کبھی بھی اس حویلی سے اکیلی باہر نہیں جاؤ گی۔میں ہر وقت تم لوگوں کے

ساتھ رہوں گا۔ تم لوگوں کے بھائی کے ہوتے ہوئے کسی میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔"

وہ تینوں مسکرائیں لیکن حیام مسکرا بھی نہ سکی۔

"حیام؟"

شاہ میر نے اُسے ٹوکا۔

"آپ ان تینوں کو لے جائیں۔ میں نہیں جانا چاہتی فلحال، پلیز۔"

شاہ میر نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"ٹھیک ہے، تم میں سے کوئی نہیں جائے گا۔ میں بلال سے کہہ دیتا ہوں کپڑوں کے لیے حویلی میں ہی کوئی آجائے گا، پسند کر لینا۔ لیکن ایک مرتبہ یہ نکاح ہو گیا تو میں تمہارے کسی عذر کو خاطر میں نہیں لاؤں گا۔ شادی کی تیاری ہم شہر جا کر ہی کریں گے۔"

حیام نے جواباً خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

"حیام میں کچھ کہہ رہا ہوں؟"

شاہ میر غصے سے بولا۔ وہ حق سے اُس کو ڈانٹ رہا تھا۔

"جی۔"

منہ بسورے وہ محض اتنا ہی کہہ سکی۔

"تم سب جاؤ مجھے حیام سے بات کرنی ہے۔"

حیام نے چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ سب خاموشی سے ان دونوں کو اکیلا چھوڑ چلی گئیں البتہ باہر کمرے کے بند دروازے سے کان لگائے کھڑی تھیں۔

"میں جانتا ہوں مجھے تمہاری زندگی کے فیصلے کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن پھر بھی ایک فیصلہ کر چکا ہوں۔ اب پچھتا رہا ہوں۔ تم سے اجازت مل جائے گی تو میرے لیے آسانی ہو جائے گی۔۔۔۔۔ خاموشی۔۔۔۔ میرے دل پر جو بوجھ ہے وہ اُتر جائے گا۔"

"کوئی بوجھ نہیں ہے آپ کے دل پر۔ میری زندگی سے متعلق کوئی بھی فیصلہ آپ میری اجازت کے بغیر کر سکتے ہیں۔ یہ حق میں نے آپ کو دیا ہے۔"

"پہلے سن لو۔۔۔"

"نہیں سننا چاہتی۔"

"حیام، پلیز۔۔۔"

وہ بے بس ہوا۔

اگر وہ نہ آئے تو آپ کو اجازت ہے مجھے کسی کے ساتھ بھی رخصت کر سکتے ہیں"

"آپ۔میری زبان پر حرفِ شکایت نہ ہو گا۔

شاہ میر نے حیران چہرہ لیے اُسے دیکھا۔وہ کیسے جان گئی تھی۔شاہ میر نے کھڑے ہو حیام کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا۔وہ خاموشی سے وہاں سے اُٹھتی باہر نکل گئی۔باہر تینوں اب بھی حیرانی کے عالم میں کھڑی تھیں۔حیام کے باہر نکلتے ہی سیدھی ہوئیں۔حیام ان کے برابر سے ہوتی چلی گئی۔وہ سب بھی ایک دوسرے کو دیکھتیں اس کے پیچھے گئیں تھیں۔

ایک دن مزید گزر گیا۔کل نکاح کا دن تھا۔آرز حسن بے چین تھا۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کیا ہو رہا ہے۔یوں اچانک حیام نے اپنا فیصلہ کیسے بدل لیا؟وہ کیسے ہاں کر سکتی تھی؟ کہیں اُس کے ساتھ زبردستی تو نہیں کی گئی؟مشعل اور پریشے صبح شہر آ گئیں تھیں۔وہ دونوں شاپنگ کر چکیں تھیں۔اُنہیں آج رات ہی واپسی کے لیے بھی نکلنا تھا۔شاہ میر ان کے ساتھ آیا تھا۔وہ آرز سے ناراض تھا شاید اسی لیے اب تک بات نہ کی تھی۔اُس کے سامنے بھی نہ آیا تھا۔مشعل آرز کے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر آئی۔

"بھائی!میں آ جاؤں؟"

آرز نے سر ہلا کر اجازت دی۔

کل بہت اچھے سے تیار ہو کر آیئے گا۔ سب کو پتہ لگنا چاہیے کہ میرا بھائی آیا ہے،"

"شہزادہ بن کر۔ آئیں گے نا آپ؟

کچھ بیگز وہاں قریب صوفے پر رکھتی وہ آرز کے برابر آ بیٹھی۔ ضرور کل کی تیاری کے لیے آرز کا سامان لائی تھی۔ وہ خود تو کچھ بھی نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھا تھا۔

"یہ ڈریس آپ کے دوست نے آپ کے لیے پسند کیا ہے۔"

مشعل کے بتانے پر آرز نے اُسے دیکھا۔

"یوں مت دیکھیں میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ہم نہیں جانتے کہ آپ لوگوں میں کیا جھگڑا ہے لیکن یہ جانتی ہوں کہ وہ آپ کے لیے فکر مند ہیں۔"

"حیام سے زبردستی یہ فیصلہ کروایا گیا ہے نا؟"

آرز کے یوں اچانک سوال کرنے پر مشعل گڑبڑائی۔

"مشعل! مجھے سچ سننا ہے پلیز۔۔۔"

مشعل نے سر جھکائے اُسے حقیقت بتادی۔ حیام کا یوں اچانک سب کو حویلی سے چلے

جانے کا فیصلہ سنانا، مشعل کا ڈائری اُسے دے آنا، پھر اچانک حیام کا انہیں روک لینا، شادی کے لیے ہامی بھر لینا، سب کچھ۔

میں جانتی ہوں آپ نے مجھے منع کیا تھا لیکن میں کیا کرتی؟ آپ کو یوں نہیں دیکھ سکتی" "میں۔

وہ رو دی۔ آرز نے اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میرے لیے پریشان ہونا چھوڑ دو۔"

" بالکل نہیں، آپ آ جایئے گا کل۔ مجھے بھی انتظار رہے گا۔ ہم ابھی جا رہے ہیں۔ آپ کے دوست کو کچھ کام ہیں گاؤں میں، جانا ضروری ہے۔ بازل بھائی یہیں ہیں۔ آپ کے ساتھ آئیں گے کل۔"

آرز سر اثبات میں ہلاتا خاموش رہا۔ وہ سب چلے گئے۔ اب صرف بخاری ہاؤس میں بازل اور آرز موجود تھے۔ اپنے اپنے کمروں میں تنہا۔۔۔۔

افطار کے فوراً بعد شاہ میر حویلی سے نکل گلیوں میں گاڑی دوڑانے لگا۔ ایک گھر کے سامنے گاڑی روکتے وہ باہر نکلا۔ بیل بجاتے وہ کتنی دیر وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد ایک

خاتون نے دروازہ کھولا۔ شاہ میر کو دیکھتے ہی وہ مسکرانے لگیں۔

"دیکھو تو آج کون آیا ہے۔ تمہیں آ ہی گئی ہماری یاد؟"

وہ ناراضگی کا بھرپور اظہار کرنے لگیں۔

"آپ کو یاد کر رہا تھا اسی لیے آیا ہوں۔ یہ بتائیں برہان کدھر ہے؟"

وہ اندر داخل ہوا تو حلیمہ فاروقی دروازہ بند کرتیں پیچھے ہی آ گئیں۔

"کمرے میں ہے۔ تم جاؤ میں اپنے بیٹے کے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"

"ضرور، چائے کے ساتھ اپنے ہاتھ کے بنے کباب ضرور لائیے گا۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ مسکرا کر فرمائش کرتا برہان کے کمرے کی جانب چل دیا۔

برہان سے مل کر اُس نے اُسے تمام باتوں سے آگاہ کیا۔ برہان حیام کے نکاح ہونے کی خبر سے پہلے سے ہی آشنا تھا لیکن یہ شاہ میر تو اُسے کچھ نیا ہی سنا رہا تھا۔

"شاہ میر! یار یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن کہاں سے لائے گا تو یہ دوسرا دولہا؟"

"اسی لیے تو تیرے پاس آیا ہوں، کم عقل۔"

شاہ میر اُسے گھورتے ہوئے بولا۔

"بھئی، میں کہاں سے لاؤں نیا دولہا؟ تو خود سوچ کون سا انسان ایسا دولہا بننے کو تیار ہو گا جو بارات لے کر نکلے لیکن اسے یہ معلوم ہی نا ہو کہ دولہن ملے گی بھی کہ نہیں؟"

برہان نے شاہ میر کو دیکھتے سمجھداری کی بات کی لیکن شاہ میر کا چہرہ اُسے کچھ اور ہی جواب دے رہا تھا۔

"تو بالکل ویسا نہیں سوچ رہا جیسا میں سوچ رہا ہوں؟"

برہان کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"تو بالکل ٹھیک سمجھ رہا ہے۔"

"تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟ میں کیوں بنوں گا دولہا؟"

وہ تو ہتھے سے ہی اکھڑ گیا۔

"کیونکہ میں چاہتا ہوں یہ۔"

شاہ میر! تو سچ میں پاگل ہو گیا ہے کیا؟ میں کیسے کر سکتا ہوں؟ تیرے لیے کر بھی لوں"

"تو اگر وہ الو کا پٹھا سچ میں نہ آیا، تو؟

"تو کیا؟ نکاح ہو گا تیرا۔"

برہان خاموش ہو گیا۔

"وہ محبت کرتی ہے اُس سے۔ میں کیسے اُن دونوں کے درمیان آسکتا ہوں؟"

"تو وہ سب چھوڑ یہ بول نا کہ تجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ کسی اور کی محبت کو اپنائے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ بھی محبت کرتی ہے اُس سے۔"

شاہ میر نے اپنا آخری ہتھیار استعمال کیا۔ برہان نے خود کو کمپوز کیا۔

ٹھیک ہے، میں مان جاتا ہوں لیکن امی کو کون بتائے گا سچ؟ اور وہ مان جائیں گی کیا؟"

"میں ان سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا۔

اسی لمحے حلیمہ فاروقی اندر داخل ہوئیں۔ شاید وہ یہ سب سن چکیں تھیں۔ شاہ میر اُنہیں دیکھ کھڑا ہوا۔

"آنٹی، آئی ایم سوری۔ میں تو بس۔۔۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تم خود آئے ہو تو ضرور کوئی پیاری بچی ہو گی لیکن اس گدھے کو سمجھادو کہ اگر سچ میں نکاح کرنا پڑ گیا تو دل سے اپنائے اُسے ورنہ اتنا بڑا قدم نہ اُٹھائے۔"

شاہ میر اور برہان نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ لمحوں کا کھیل تھا۔ فیصلہ ہو چکا تھا۔

وہ آئینے کے سامنے دلہن بنے بیٹھی تھی۔ سفید غرارہ سوٹ جس پر ڈل گولڈن رنگ کا کام ہوا تھا، ساتھ ہمرنگ ڈوپٹہ جس کے اوپر لال چنری اوڑھادی گئی تھی، بالوں کو کھلا چھوڑے جو کہ کمر پر بکھرے ڈوپٹے میں تقریباً چھپے ہوئے تھے، خوبصورت میک اپ، ماتھے پر ٹیکا، کانوں میں جھمکے اور نتھ پہنے وہ حسین لگ رہی تھی۔ اُس کا رانی ہار اس کے ڈوپٹے کے اوپر لٹکتا چار چاند لگا رہا تھا۔ مہندی لگے ہاتھوں میں بھر بھر کر چوڑیاں، گجرے پہنے وہ ڈریسنگ کے آگے بیٹھی خط لکھ رہی تھی۔

ایک ہی ڈر دل کو خنجر سے مارنے کے درپر تھا کہ اگر وہ نہ آیا تو؟ تو پھر یہ طے تھا کہ آج ڈولی نہیں جنازہ اُٹھے گا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہمیں بھی آج ہی کرنا تھا انتظار اس کا

اسے بھی آج ہی سب وعدے بھول جانے تھے

(آشفتہ چنگیزی)

ظہر کے وقت نکاح ہونا طے پایا گیا تھا۔ بازل اور آرزاب تک گاؤں نہیں پہنچے تھے۔ وقت بہت کم تھا لیکن اُن دونوں سے کوئی رابطہ نہ ہو پا رہا تھا۔ حویلی میں موجود ہر فرد پریشان تھا۔ سب لڑکیاں حیام کے پاس تھیں۔ کسی نے حیام سے اس متعلق ایک حرف تک نہ کہا لیکن وہ اُن کے چہروں پر فکر بھانپ گئی۔

"شاہ میر بھائی کو بلا دو۔"

حیام نے کرن کو دیکھ کہا تو وہ سب ایک دوسرے کو تکنے لگیں۔ لیکن خیر کیا کر سکتی تھیں؟ شاہ میر اُس کے بلانے پر آگیا۔ وہ سب کمرے سے نہ گئیں، ڈھیٹ بن کر وہیں کھڑی رہیں۔

"بھائی!"

"جی!"

"نکاح کا جو وقت مقرر ہے، نکاح اسی وقت پر ہو گا۔ کسی کے لیے انتظار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"حیام! بھائی آجائیں گے اور ابھی تو وقت ہے۔"

مشعل درمیان میں بول پڑی۔

"میں اپنے بھائی سے بات کر رہی ہوں مشعل۔"

مشعل کو روکھا سا جواب دے وہ دوبارہ شاہ میر کی جانب متوجہ ہوئی۔ مشعل الگ اپنی جگہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"نکاح وقت پر ہی ہو گا، بے فکر رہو تم۔ برہان آنے والا ہے۔ اچھا لڑکا ہے۔ تمہیں خوش رکھے گا۔"

مشعل اور پریشے کی حالت تو دیکھنے لائق تھی۔ اُنہیں کیا معلوم تھا کہ وہ سب یہ سوچ بیٹھے تھے؟

"مجھے آپ کی پسند پر یقین ہے۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔"

شاہ میر اُس کے سر پر پیار کرتا کمرے سے نکل گیا۔ شاہ میر کے جاتے ہی مشعل حیام کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"حیام! تم ایسا نہیں کر سکتی۔"

"کیسا نہیں کر سکتی؟"

"جو تم کر رہی ہو۔"

مشعل رو دینے کے قریب تھی۔

"میں کیا کر رہی ہوں؟ مجھے بھی تو بتاؤ۔ معلوم ہونا چاہیے مجھے۔"

حیام کھڑی ہوئی۔

"وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ وہ تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں اور تم اُن کا انتظار تک نہیں کر سکتی؟ ہو سکتا ہے نا کہ وہ ٹریفک میں ہوں؟ اُن دونوں کا موبائل آف ہو؟ سگنل نہ ہوں؟"

حیام ہنسی۔

"سوری، تم اتنے فضول وجوہات دے رہی ہو تو مجھے ہنسی آ رہی ہے۔"

حیام اُس کے سائیڈ سے ہوتی گزرنے لگی تو مشعل نے اُس کا بازو پکڑ روکا۔

"پلیز۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کر لوں گی، صرف تمہاری خاطر لیکن اتنا بھی انتظار نہیں کروں گی کہ لوگ میری اماں اور میرے بھائی سے سوال کرنے لگیں۔"

اپنا بازو اُس کی گرفت سے نکالتے ہوئے وہ منال کے پاس گئی۔

"مجھے اماں کے پاس جانا ہے۔"

"ابھی رک جاؤ۔ حویلی مہمانوں سے بھری پڑی ہے۔ وہ آتی ہی ہوں گی تمہارے پاس۔"

جواباً حیام سر ہلاتی بیڈ کے گرد ڈھلکے پردے سائیڈ کرتی بیٹھ گئی۔

"آؤ حیام ہم تصویریں ہی بنا لیتے ہیں۔"

کرن، مناہل دونوں منال کو لیے حیام کے گرد بیٹھ گئیں۔ مشعل آنکھوں میں آنسو لیے اُسے دیکھ رہی تھی۔ پہلی دلہن ایسی دیکھی تھی، جو اتنی سخت دل تھی۔

"آؤ مشعل، چلیں۔ بازل کو ایک مرتبہ پھر ڈرائے کرتی ہوں میں۔"

پریشے مشعل کو لیے کمرے سے نکل گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آرزاب تک کمرے میں چیزیں بکھیرے لیٹا ہوا تھا۔ بازل تیار ہو اُس کے کمرے میں آیا تو اسے دیکھ ٹھٹھکا۔

"تو پاگل تو نہیں ہو گیا آرز؟ ابھی تک ایسے ہی بیٹھا ہے۔ وقت نکل رہا ہے۔"

لیکن آرز ایک انچ بھی نہ ہلا۔

"آرز۔۔!!"

بازل کے غصے سے بولنے پر آرز نے اُسے دیکھا۔

"کیا ہے؟"

"نکاح ہے تیرا آج۔ تو کیا چاہتا ہے؟ پہلے مرا جا رہا تھا اُس کے لیے اور اب؟ مجھے تیری سمجھ نہیں آتی۔"

بازل اُس کا سارا سامان سیٹ کرتے اس سے سوال کر رہا تھا۔

"میں اُسے سمجھنا چاہ رہا ہوں۔ وہ یہ فیصلہ کیوں کر گئی؟ ضرور کسی نے اُسے فورس کیا ہو گا ورنہ۔۔ وہ؟ میں مان ہی نہیں سکتا کہ ایک ڈائری دیکھ پگھل جائے۔"

"تجھے لگتا ہے کہ کوئی اُسے فورس کر سکتا ہے؟ اور کون سی ڈائری؟"

بازل اس کے قریب آ بیٹھا۔

"کوئی نہیں۔"

"تجھے ایسے یقین نہیں آئے گا نا؟"

بازل کے سوال پر آرز اُٹھ بیٹھا، نہ میں سر ہلاتا اُسے دیکھنے لگا۔

"میں یہاں آنے سے پہلے اُس سے مل کر آیا تھا۔ تجھے معلوم ہی نہیں وہ کس اذیت سے گزر رہی تھی۔ تو اُسے اتنا کچھ کہہ آیا کہ وہ تیرے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی کٹھور ہو گئی

لیکن وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔اسے لگتا ہے کہ تو اسے مل بھی گیا تو وہ تجھے نہیں پا سکے گی۔ تیرے لفظوں کی کڑواہٹ اس کے کانوں میں آج بھی باز گشت کرتی ہے۔ وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ تیری انا اس سے بڑی تو نہیں؟ تیری محبت کو آزما رہی ہے۔اس نے تیرے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔تجھے یقین نہیں نا؟اُسے جا کر دیکھ، وہ ہار گئی ہے۔"

"میں اُسے ہارتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔اسی لیے تو مجھ میں یہ ضبط نہیں، حوصلہ نہیں کہ وہاں جاؤں۔"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آرزنے اپنا سر جھکا لیا۔

"اور اگر تو نہ گیا تو وہ سمجھے گی کہ تیری انا جیت گئی۔وہ ہر صورت میں ہار جائے گی۔ وہ تجھ سے ہارنا چاہتی ہے۔تجھے یہ کیوں نہیں دِکھ رہا؟"

آرزنے بازل کو دیکھا۔

"نکاح میں کتنا وقت رہ گیا ہے؟"

بازل نے کلائی میں بندھی گھڑی اپنے سامنے کر وقت دیکھا۔

"ایک گھنٹہ اور بیس منٹ۔"

"مجھ سے دیر ہو گئی ہے۔ ہم تین گھنٹوں کا سفر کبھی بھی اتنی سی دیر میں نہیں کر سکیں گے۔"

آرز حسن کی حالت اس سب گفتگو میں پہلی مرتبہ دیکھنے لائق تھی۔

"میں تجھے ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں پہنچادوں گا۔ تو تیار ہو اور نکاح کی فکر نہ کر، میں اس کا انتظام بھی کر لوں گا۔ تو اٹھ بس۔۔"

آرز فوراً کپڑے لیے واشروم میں گھس گیا۔ بازل اس کے جاتے ہی موبائل جیب سے نکالتا کمرے سے نکلا جو کہ نجانے کب سے آف پڑا تھا۔

بازل کے موبائل پر شاہ میر، مصطفیٰ صاحب، پریشے، مشعل سب کی نجانے کتنی کالز آ چکیں تھیں۔ وہ اپنا ماتھا پیٹتا رہ گیا۔ شاہ میر کا نمبر ملاتے وہ صرف دل ہی دل میں دعائیں کر رہا تھا۔

"ہیلو! یاد آگیا ہے تمہیں بھی جواب دینا؟"

شاہ میر کی غصے سے بھری آواز بازل کے کانوں میں گونجی۔

"یار آئم سوری، غلطی سے فون آف ہو گیا تھا۔ وہاں سب ٹھیک ہے؟"

"اب تک توسب ٹھیک ہے۔آگے کا پتا نہیں کہ رہتا ہے یا نہیں؟"

"میری بات دھیان سے سن۔شاہ میر!کچھ بھی کر،کچھ بھی لیکن نکاح کا وقت آگے کروالے۔ہم بس پندرہ منٹ میں نکل رہے ہیں۔"

"تو پاگل ہو گیا ہے؟یہاں حویلی بھری پڑی ہے۔مردان خانے میں گاؤں کے سارے مرد آئے بیٹھے ہیں۔مولوی صاحب آنے والے ہیں اور تو کہہ رہا ہے کہ ٹائم آگے کروا لوں۔تم لوگ اب تک وہاں بیٹھ کر کیا رہے ہو؟"

شاہ میر کا پارہ چڑھا۔

"شاہ میر!میرے بھائی،ابھی ان سب باتوں کا وقت نہیں ہے۔تو کچھ بھی کر لیکن یہ کام کر۔ہم دو گھنٹوں میں حویلی پہنچ جائیں گے۔مجھے یقین ہے تو سب سنبھال لے گا۔"

شاہ میر شش و پنج کا شکار ہوا۔

"وہ نہیں مانے گی۔تم لوگوں کے آنے تک تو نکاح کر کے ہی دم لے گی۔اپنے سامنے گھڑی ٹکا کر بیٹھی ہے۔یہاں وقت ہو گا،وہاں قبول ہے بول دے گی۔"

"کسی کو بھی؟"

بازل نے سوال کیا۔

"کسی کو بھی۔۔"

"وہ تیری بات نہیں ٹالے گی، تو بات کر۔"

"وہ سچ میں آرہا ہے؟"

شاہ میر کو اب بھی خدشہ لاحق تھا۔

"نہیں آئے گا تو مر جائے گا۔"

"نہ آیا تو یہ بھی مر جائے گی۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"میں اسے دیکھتا ہوں تیار ہوا کہ نہیں؟ تو وہاں سنبھال سب۔"

"میں دیکھتا ہوں کیا کر سکتا ہوں۔"

کال ختم ہو چکی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پریشان تھے۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

وقت گزر رہا تھا۔ جوں جوں گھڑی کی سوئیاں وقت کو پیچھے چھوڑ آگے بڑھ رہی تھیں، حیام کا دل مٹھی میں آتا جا رہا تھا۔ شاہ میر کمرے کا دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہوا۔ حیام اکیلی تھی۔ وہ اُسے دیکھتے ہی بے چینی کے عالم میں کھڑی ہوئی۔

"نکاح میں وقت لگے گا۔"

"کیوں؟"

"وہ مولوی صاحب کو کام پڑ گیا ہے کچھ۔ شاید عصر کے وقت تک آجائیں۔"

حیام ہنسی۔

"آپ مجھ سے کچھ مت چھپائیں۔"

"سچ بول رہا ہوں۔"

حیام نے اُس کے چہرے پر نگاہیں ٹکائیں۔ وہ جانتی تھی کہ شاہ میر جھوٹ بول رہا ہے لیکن بھائی کا مان بھی تو رکھنا تھا۔

"وہ نہیں آرہے، ہے نا؟"

"وہ آجائے گا۔ اُسے آنا پڑے گا۔"

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔"

"ہمم! میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تمہیں فرق نہ پڑے۔"

وہ جانے لگا تو حیام ایک دفعہ پھر بول پڑی۔

"بازل بھائی بھی نہیں آئیں گے؟ میرا نکاح ہے آج۔اُن سے کہیں کہ وہ نہ آئے تو مجھے ان کے بھائی کے نہ آنے سے بھی زیادہ دکھ ہو گا۔"

شاہ میر جواب دیئے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا۔

شاہ میر ایک خوش شکل عورت کو اپنے ہمراہ لیے اماں بیگم کے قریب آیا۔اُنہوں نے اماں کو سلام کیا تو اماں نے جواب دیتے شاہ میر کو یوں دیکھا جیسے کہ پوچھنا چاہ رہیں ہوں کہ کون ہے؟

"برہان کا بتایا تھا نا؟اس کی اماں ہیں۔"

"اووا چھا!ماشاءاللہ،نیک بچہ ہے۔بڑے احسان ہیں اُس کے ہمارے سر پر۔۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟وہ آپ کا بھی بیٹا ہے۔بیٹے ماؤوں پر احسان نہیں کیا کرتے۔"

"آ بیٹھ جا۔۔"

شاہ میر اُن دونوں کو چھوڑ چلا گیا۔وہ دونوں باتوں میں مصروف ہو گئیں۔کچھ ہی دیر میں منال شاہ ویر کو گود میں اٹھائے اماں کے قریب آئی۔ہرے رنگ کا گھیرے دار

زیب تن کیے، میک اپ سے پاک چہرہ، جیولری کے نام پر گنتی کی چار چوڑیاں اور سونے کے بوندے کان میں ڈالے ہوئے تھی۔

"اماں! اسے اپنے پاس بٹھالیں۔ کب سے حیام کے پاس جانے کی ضد کیے جارہا ہے۔ وہ بیچاری دلہن بنے کیسے اسے سنبھالے گی؟ آپ اسے کہیں جانے مت دیجئے گا۔"

اماں نے شاہ ویر کو اس سے تھام لیا۔

"تو جا، جاکر ساری تیاریاں ایک مرتبہ پھر دیکھ لے اور حیام کو بھی دیکھ لئیں۔"

"جی!"

وہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ جبکہ حلیمہ فاروقی کی نظریں شاہ ویر پر ٹکی تھیں۔

"یہ وہی ہے نا جس کے لیے بریان۔۔۔؟"

اُنہوں نے اپنی بات درمیان میں ہی ادھوری چھوڑ دی۔ اماں بیگم نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"بہت پیاری بچی ہے اور ماشاءاللہ بیٹا بھی بہت پیارا ہے۔ خدا دونوں کے نصیب اچھے کرے۔"

"آمین۔۔"

"اماں !آنی کے پاس جاؤں؟"

بچگانے لہجے میں بولتا شاہ ویر دونوں کی توجہ خود کی جانب کھینچ گیا۔

"تیری آنی ابھی آجائے گی پھر چلا جائیں۔"

"ابھی جانا۔۔"

"اچھا رک جا، تیری ماں کو ادھر اُدھر ہونے دے پھر بھیجتی ہوں تجھے۔"

اماں کی بات پر وہ سر ہلاتا ارد گرد دیکھنے لگا۔آج حویلی خوب چہک رہی تھی۔پھولوں کی خوشبو پوری حویلی میں پھیلی ہوئی تھی۔

کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو پھولوں سے نہ سجی ہو۔ڈیکوریشن میں وائٹ ٹیولپ، للی اور جپسو فلا کے پھولوں کو ملا کر ماحول میں عجب فسوں بکھیرا ہوا تھا۔

رنجش ہی سہی، دل ہی دکھانے کے لیے آ

پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لیے آ

کچھ تو میرے پندارِ محبت کا بھرم رکھ

تو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لیے آ

پہلے سے مراسم نہ سہی، پھر بھی کبھی تو

رسم و رہِ دنیا ہی نبھانے کے لیے آ

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم

تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لیے آ

اک عمر سے ہوں لذتِ گریہ سے بھی محروم

اے راحتِ جاں! مجھ کو رلانے کے لیے آ

اب تک دلِ خوش فہم کو تجھ سے ہیں امیدیں

یہ آخری شمعیں بھی بجھانے کے لیے آ

(احمد فراز)

وہ اپنے کمرے میں بالکونی کا گلاس ڈور کھولے، پردے کی اوٹ میں کھڑی حویلی سے باہر گہما گہمی دیکھ رہی تھی۔ مردان خانے کے علاوہ باہر صحن میں بھی مہمانوں کا ایک جمِ غفیر لگا تھا۔ایک طرف پکوان پک رہے تھے جن کا دھواں ہوا میں صاف بکھرتا نظر آ رہا تھا۔ لیکن اُس کی نظریں حویلی کے داخلی دروازے کی جانب تھیں۔وہ ہر آنے جانے والے کو دیکھ اُسی ایک شخص کی آمد کی منتظر تھی۔جب وہاں کھڑے کھڑے تھک گئی تو واپس اندر کو آگئی۔سامنے منال کھڑی اسے تکنے میں مصروف تھی۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں، بس یوں ہی۔"

"پھر بھی، کوئی وجہ تو ہوگی؟"

"ہے نا۔۔۔"

منال اُس کو لیے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"وہ کیا؟"

"مجھے یقین ہے کہ آرز بھائی آجائیں گے۔"

"اور مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ وہ نہیں آئیں گے۔"

وہ پہلی مرتبہ اپنے دل کی کہی کسی کو سنا رہی تھی۔

"مت ڈرو۔وہ راستے میں ہیں،اب تو پہنچنے والے ہیں"۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟"

حیام کے چہرے پر بے چینی،خوشی،خوف کے ملے جلے تاثرات تھے۔اس سے پہلے کہ منال جواب دیتی،کرن اور مناہل شور مچاتیں،پھولی سانسوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔

"حیام!"

"کیا ہو گیا ہے؟"

حیام ڈر کے مارے فوراً کھڑی ہوئی۔

"آرز بھائی۔۔۔،وہ آگئے ہیں۔"

حیام کے چہرے پر اندیکھی خوشی کے رنگ بکھرے۔ آنکھوں میں آنسو، جو کہ بہہ گئے۔

"منال! تم سن رہی ہو نا؟ وہ آگئے ہیں؟"

منال نے نم آنکھوں کے ساتھ ہاں میں سر ہلایا۔

"وہ آگئے ہیں۔ وہ سچ میں آگئے ہیں۔"

اپنے دل پر ہاتھ رکھتی وہ مسلسل ایک یہی بات دہرائے جا رہی تھی۔ جیسے کہ یقین کرنا چاہتی ہو۔ فوراً بھاگ کر واپس بالکونی تک گئی۔ پردے میں خود کو چھپاتی باہر دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اُسے بھیڑ میں بازل کھڑا نظر آیا۔ وہ شاہ میر سے کوئی بات کر رہا تھا، وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ بازل کے بالکل پیچھے سفید شلوار قمیض پر سیاہ ویسٹ کوٹ پہنے، بازوؤں کو کمر پر باندھے، وہ عمران بخاری کی کسی بات کا جواب دے رہا تھا۔ وہ اُسے دیکھ نہیں سکتی تھی لیکن وہ اسے پہچان گئی تھی۔ وہ وہی تھا۔

"حیام!"

کرن نے اُسے بھیگتی آواز میں مخاطب کیا۔

"کرن، وہ دیکھو وہ وہاں سامنے کھڑے ہیں۔ وہ آگئے ہیں۔"

"حیام،آجاؤ کوئی دیکھ لے گا۔"

"نہیں کرن، مجھے دیکھنے دو۔ مجھے یقین کر لینے دو۔ میرے دل کو یقین ہو گیا ہے لیکن میری آنکھوں کو یقین آتا ہی نہیں۔"

منال نے آگے بڑھ کر اُسے منظر سے ہٹایا۔ وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں اس کے برابر میں چلتی ہوئی صوفے تک گئی۔

"وہ آگئے ہیں۔ حیام، وہ آگئے ہیں۔"

خود کو خود ہی یقین دلاتی، وہ آنسو بہاتی منال کے گلے لگ گئی۔

اگلے چند منٹوں میں وہ حجاب و قبول کی منزل طے کر آرزِ حسن کے حق میں "قبول ہے" کی مہر لگا چکی تھی۔ نکاح کے وقت حویلی کی تمام سیدزادیاں وہاں کمرے میں موجود تھیں۔ مردوں کے نام پر صرف بازل اور شاہ میر وہاں موجود تھے۔ وہ سائن کروانے کے لیے نکاح کے دستاویزات خود ہی لے آئے تھے۔

قبول ہے کہتے اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بوچھاڑ جاری تھی۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ پہلی مرتبہ شاہ میر نے اُسے اپنے ساتھ لگایا۔ حیام اُس کے کاندھے سے لگتی ہچکیوں

سمیت رونے لگی۔ وہ اس شدت سے روئی تھی کہ شاہ میر کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ اُس نے کسی کے سامنے اپنے آنسو چھپانے کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔

"شش! بس کرد و میرا بچہ۔۔۔"

جب وہ خاموش نہ ہوئی تو بازل نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر پیار کرتے کان میں سرگوشی کی۔ وہ اب تک شاہ میر کے بازوؤں کے گھیرے میں تھی۔

"چپ کر جاؤ اور مجھے چھوڑ دو نا؟ اُس گدھے سے بھی منظوری لینی ہے۔ انتظار کر رہا ہو گا۔"

NEW ERA MAGAZINE

شاہ میر نے سرگوشی کی سی صورت مذاق سے کہا تو وہ شرمندہ ہوتے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔

"خدا تمہیں خوش رکھے۔"

اس کے سر پر پیار کرتے وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ پیچھے سب نے باری باری اُسے دعائیں دیں۔

کچھ دیر بعد آرز حسن بھی نکاح نامے پر اپنے دستخط کر چکا تھا۔ دعا کے بعد وہ کھڑا ہو سب

سے مبارکباد وصول کرنے لگا۔شاہ میر آگے بڑھا تو آرز نے ناراضگی سے پہلو بدلنا چاہا لیکن وہ زبردستی گلے لگ گیا۔

"چل بس کردے نا یار۔اب تو کوئی ناراضگی باقی ہی نہیں رہتی۔"

وہ سرگوشی کی صورت اُس سے بات کر رہا تھا۔

"تو جو مرضی کرلے میں تجھے ہرگز معاف نہیں کروں گا۔"

"مرضی ہے تیری لیکن یاد رکھیں تیری بیوی بھائی مانتی ہے مجھے۔میرے لیے تیرے خلاف کھڑی ہو جائے گی۔"

شاہ میر کی بات پر آرز کا دل چاہا اس کمینے کا سر پھاڑ دے۔

"میں تیری جان لے لوں گا بے غیرت۔۔"

جب شاہ میر اُس سے الگ نہ ہوا تو آخر کار آرز کو ہی ہار ماننا پڑی۔شاہ میر کی کمر پر بازو پھیلاتے وہ ناراضگی بھلا چکا تھا۔

"شرم کرو دونوں، پچھلے پندرہ منٹ سے یوں ہی چپک کر کھڑے ہو۔لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے ہیں۔"

بازل کے بے وقت کے فضول مذاق پر ان دونوں نے الگ ہوتے ہوئے اُسے گھورا جس پر بازل نے فوراً اپنے ہاتھ کھڑے کیے۔

"میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔"

"اور تو بتا مجھے سالے، کس سے نکاح کروانے والا تھا تو اس کا؟"

آرز کو ایک مرتبہ پھر شاہ میر اپنا دشمن گمان ہونے لگا۔اس سے پہلے وہ جواب دیتا برہان وہاں قریب آتا آرز کو مبارکباد دینے لگا۔

"Congratulations!"

آرز نے ایک نظر اس کا بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا اور پھر بازل کو۔

"برہان ہے یہ، میرا دوست۔۔"

شاہ میر نے نظروں کے اشارے سے اُسے بہت کچھ سمجھا دیا۔

"Thank You!"

بغیر مسکرائے وہ اس سے ہاتھ ملاتا مبارکباد وصول کر گیا۔

"اچھا آرز، تو چل ہمارے ساتھ۔کام ہے۔۔۔"

"کیا کام ہے؟"

آرز کا لہجہ وہی پرانا تھا۔دل تو چاہ رہا تھا کہ شاہ میر کو کچا چبا جائے۔

"اماں سے مل کر دعائیں لے لے۔"

"دے ہی نا دیں مجھے دعائیں۔۔"

آرز کی بڑبڑاہٹ وہ تینوں باخوبی سن گئے۔شاہ میر نے گھورا تو وہ منہ بسورے سیدھا ہوا۔

"چلیں جناب، یہ مرحلہ بھی طے کر ہی لیں۔زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔"

پہلی بات شاہ میر جبکہ دوسری یقیناً برہان سے کی گئی تھی جس پر وہ مسکرایا۔

وہ تینوں حویلی میں داخل ہو برآمدے کے ساتھ بنی راہداری سے گزر رہے تھے۔حویلی کا اگلا دروازہ کھول دیا جا چکا تھا۔برآمدے سے شور کی آوازیں آرہی تھیں۔گزرتے ہوئے آرز کی نظر ہوا سے اوپر کو اٹھتے پردے کے پار گئی تو پلٹنا بھول گئی۔حیام وہاں سجی سنوری سب کے درمیان بیٹھی تھی۔گاؤں کی عورتیں باری باری اُسے پیار کرتیں،

دعائیں دیتیں، اس کی ہتھیلی پر پیسے رکھ رہیں تھیں۔آرز کے ایک طرف شاہ میر آ کھڑا ہوا جبکہ دوسری جانب بازل۔دونوں مسکرا رہے تھے۔

"تیری ہی ہے۔بعد میں اپنے سامنے بٹھا کر دیکھتا رہنا۔اگر وہ تجھے دیکھنے دے تو۔۔۔"

شاہ میر کے کہنے پر بازل نے قہقہ لگایا لیکن آرز کی گھوری نے اُسے فوراً بریک لگادی۔

"اس کے کہنے کا مطلب ہے کہ غصے سے بھری بیٹھی ہے تیری بے اعتنائی پر۔اب کون جانے تیرے ساتھ ایک کمرے میں بھی رہنے کو مانتی ہے یا ساری زندگی تجھے یوں ہی اسے دور سے دیکھنا پڑے؟"

"مرو تم دونوں۔"

وہ اُن دونوں کو دھکا دے آگے اماں کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔دروازے پر پہنچ وہ واپس مڑا۔

"کیا ہوا ہے؟"

بازل نے سوال کیا۔

"مجھے نہیں ملنا۔"

وہ کہتے ہی ان کے درمیان سے گزرنے لگا جو راستہ روکے کھڑے تھے لیکن اُن دونوں سے اسے واپس سیدھا کیا۔

"نہیں کھائیں گی وہ تجھے۔"

"تم دونوں بھی ساتھ چلو۔"

لمبی سانس کھینچ کر وہ انہیں اپنے آگے کرنے لگا۔

"ہمارا کام تجھے یہاں پہچانا تھا، آگے اللہ جانے۔۔"

وہ دونوں اسے اکیلا چھوڑ چلے گئے۔ بہت سوچنے کے بعد بالآخر وہ دروازے پر دستک دے اندر داخل ہوا۔ اماں ایک طرف تخت پوش پر بیٹھیں نماز ادا کر رہیں تھیں۔ آرز چلتا ہوا اُن کے نزدیک زمین پر دوزانو بیٹھا۔ شاید وہ جان گئیں تھیں کہ وہ آیا ہے۔ وہ اُس کا ہونا پہچانتیں تھیں۔ کب سے وہ اُس کی آمد کی منتظر تھیں۔ وہ سالوں کا انتظار تھا، ایک بیٹے کے لیے اُس کی ماں کا۔ وہ انتظار تھا، آرز حسن کے لیے اس کی بے جی کا۔

وہ اب دعا مانگ رہی تھیں۔ اُن کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ آرز نے اُن کے ہاتھ اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے سہارا دیا۔ اماں نے بند آنکھیں کھولیں۔ چہرے پر ہاتھ پھیرتے وہ اُس کی جانب متوجہ ہوئیں۔ آنسو خود بہ خود بہے جا رہے تھے۔

"بے جی!"

"تو آہی گیا۔۔"

"وعدہ کیا تھا آؤں گا تو پھر کیسے نہ آتا؟ ماتھا نہیں چومیں گی؟"

اماں نے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کیے۔

"تو وعدہ وفا کرنے نہ آیا ہے۔ تو میرے لیے آتا تو تیرا ماتھا چومتی، تو اُس کے لیے آیا ہے تو صرف دعاؤں گی تجھے۔ جا خوش رہ جہاں بھی رہ۔"

وہ وہاں سے اٹھتیں بیڈ پر آبیٹھیں۔

"ناراضگی چھوڑ دیں بے جی۔ آپ جو کہیں گی میں وہ کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"مجھے اب تیرے وعدوں پر یقین نہیں رہا۔"

وہ خود بھی اٹھ کر اُن کے برابر آبیٹھا۔

"تو پھر حکم کریں، الٹے قدم چل کر واپس چلا جاتا ہوں۔ تب تک نہیں آؤں گا جب تک پکاریں گی نہیں۔"

"جانا چاہے تو تیرے مرضی ہے۔ اور ہاں میری تجھ سے اب کوئی ناراضگی نہ ہے۔"

"پھر میرے ساتھ یوں کیوں کر رہیں ہیں؟"

"وہ تجھ سے خفا ہے۔وہ بولے گی کہ تجھے معاف کر دیا تو سمجھ میں نے بھی کر دیا۔وہ تجھ سے بات کرے تو سمجھ میں بھی کر لوں گی۔"

"اچھا! تو اب وہ آپ کو مجھ سے زیادہ عزیز ہو گئی ہے؟"

آرز نے شکایت کی۔

"وہ محبت نبھاوے ہے۔وعدہ کرے ہے کوئی تو وفا کرے ہے۔اپنے ساتھ مجبوریوں کی بیڑیاں پہن کر نہ گھومے ہے وہ۔"

"ایسے تو پھر ایسے ہی سہی۔اُسے اٹھا کر لے جاؤں گا۔آپ سے ملنے بھی نہیں دوں گا۔اور کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔"

وہ اب ڈرانے دھمکانے پر آ گیا۔

"لے جا سکے تو لے جا۔۔۔"

اماں کو کتنا یقین تھا کہ حیام جائے گی ہی نہیں؟اور یہ بات تو آرز بھی مانتا تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔

"بے جی! معاف کر دیں نا یار۔دیکھیں ہاتھ جوڑتا ہوں۔"

آرز نے باقاعدہ اُن کے سامنے ہاتھ جوڑے لیکن کوئی ردِ عمل نہ ملا۔ کچھ دیر یونہی خاموشی سے بیٹھا رہا۔ پھر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جا رہا تھا لیکن پھر جانے ذہن میں کیا آیا کہ واپس چل کر اُن کی گود میں سر رکھے لیٹ گیا۔

آرز کے ایسا کرتے ہی اماں نے اس کے ماتھے کو چوما۔ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتیں وہ آنسو بہانے لگیں۔

"اتنی دیر کر دی تو نے آنے میں۔ یہ بھی نہ سوچا کہ تیرے آنے تک مجھ بوڑھی کو کچھ ہو گیا تاں؟"

"خدا کا واسطہ ہے ایسی باتیں نہ کریں۔"

آرز نے اٹھ کر انہیں اپنے ساتھ لگایا۔

"اب آگیا ہوں نا؟ اب ایسی غلطی دوبارہ نہیں کروں گا۔"

"اُس کو منا لئی۔ تیری طرح ہی رج کر ضدی اے، ہٹ دھرم اے۔ وہ نہ مانے تو پیچھے مت ہٹیں۔ اُسے منا کر ہی رہیں میرے شہزادے۔۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اُسے تو میں یوں منٹوں میں سیٹ کر لوں گا۔"

آرز نے ساتھ ہی چٹکی بجائی تو وہ مسکرا دیں۔

"میں امی سے مل لوں۔ وہ میری راہ دیکھتی ہوں گی۔"

"جا۔۔"

وہ اماں کے ہاتھ چومتا کمرے سے چلا گیا۔

عشاء کے بعد وہ بازل اور شاہ میر کو چھوڑ کر مصطفیٰ صاحب کے پاس آبیٹھا۔

"چچا جان! آپ مجھے پریشان لگ رہے ہیں۔ جب سے میں آیا ہوں دیکھ رہا ہوں۔ مجھے بتائیں کیا ہوا ہے؟"

مصطفیٰ صاحب نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"کچھ بھی نہیں برخوردار۔ سب ٹھیک ہے۔"

"آپ مجھے اپنا بیٹا کہتے ہیں نا؟ بیٹے کو بھی نہیں بتائیں گے؟"

"جو جنگ تمہیں لڑنا ہے، ایک ویسی ہی جنگ اب میرے نصیب میں بھی لکھی جا چکی ہے۔ سوچ رہا ہوں کیسے جیتوں؟"

"آپ سے کیوں خفا ہے وہ؟"

مصطفیٰ صاحب ہنسنے لگے۔

"مجھے بابا کہہ کر مخاطب نہیں کرتی اب۔سب سے کہتی ہے کہ یہ آرز حسن کے چچا ہیں۔اور سچ کہتی ہے، میں اُس کا باپ بن ہی نہیں سکا۔میرے حوالے سے اُسکو اتنے شکوے ہونے لگیں ہیں کہ مت پوچھو۔"

"آپ جانتے ہیں وہ آپ سے خفا نہیں ہو سکتی۔صرف اپنے اندر کی فرسٹیشن باہر نکال رہی ہو گی۔"

"میں جانتا ہوں لیکن پھر بھی مجھے خود سے شکوے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔وہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

آرز نے اُنہیں تسلی دینا چاہی۔

"میں جانتا ہوں۔"

دونوں خاموش ہو گئے جیسے کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

"آرز! میری بیٹی کا بہت خیال رکھنا۔اُسے خوش رکھنا۔میں جانتا ہوں مجھے کہنے کی ضرورت نہیں پھر بھی کہہ رہا ہوں باپ جو ہوں۔"

"وہ مجھ سے ناراض ضرور ہے لیکن میں جانتا ہوں وہ مان جائے گی۔"

"خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔آمین!"

آرز نے دل ہی دل آمین پکارا۔

"اجازت دیں چچا جان، مجھے اب نکلنا ہے۔"

"کہاں جا رہے ہو؟"

"شہر واپس جانا ہے۔ جانا ضروری ہے۔ کل بہت اہم میٹنگ ہے۔آپ کو بتایا تھا نا؟"

"ہاں، بتایا تو تھا پھر بھی رک جاؤ۔ صبح فجر کے بعد نکل جانا۔"

"نہیں، ابھی چلوں گا۔اب تو آتا رہوں گا۔"

وہ مسکرایا تو جواباً وہ بھی مسکرائے۔آج اتنے عرصے میں پہلی مرتبہ انہوں نے آرز کے چہرے پر سکون اور خوشی کے رنگ دیکھے تھے۔

"خدا کی امان۔"

مصطفیٰ صاحب سے بغلگیر ہوتا وہ اُن کے پاس سے اٹھ گیا۔

وہ واپس شاہ میر اور بازل تک آیا جو اس کو آتا دیکھ سیدھا ہو گئے۔

"ہاں پھر مل لیا اپنے سسر صاحب سے؟"

NovelsAfsa

ساتھ ہی دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار ہنسنے۔

"بکواس نہ کرو تم دونوں۔"

"اچھا نہیں کرتے۔۔"

وہ اُسے صاف تنگ کر رہے تھے۔

"چلو پھر میں نکلتا ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔"

"او بھائی کدھر کو؟"

شاہ میر فوراً کھڑا ہوا۔ وہ سب اس وقت مردان خانے کے باہر کھلے آسمان تلے بیٹھے تھے۔ موسم خوشگوار سا تھا۔

"واپس۔۔اب تم دونوں سوال پوچھنا شروع کرو اس سے پہلے ہی بتا دیتا ہوں جانا ضروری ہے۔"

"صبح میں چلا جائیں نا یار۔ ابھی تو ہم نے ٹھیک سے تجھے دیکھا بھی نہیں۔"

شاہ میر اسے چھیڑ رہا تھا۔

"تو نہ تو میری ماں ہے اور نہ میری بیوی جو ایسی خواہشات پلنے لگیں ہیں۔"

Novels|Afsana|Articles|Book

آرز کے ایسا کہتے ہی بازل بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"دیکھ نکاح ہوا نہیں اور بیوی بیوی کرنے لگ گیا۔"

بازل تپلی لگا رہا تھا۔

"یار میں ہی ایک کنوارارہ گیا ہوں۔ہائے میری قسمت۔۔۔"

شاہ میر کو اپنا دکھ یاد آگیا۔

"چل ڈرامے بازیاں ہو گئی ہوں تیری تو دیر ہو رہی مجھے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔اندر مل تو جا سب سے۔اب تو مہمان بھی نہیں کوئی۔"

"نہیں، تجھے سب کا پتا تو ہے۔اُن کو سمجھانے میں صبح مجھے یہیں ہو جائے گی۔تو بتا دینا خود ہی۔"

"اُس سے تو ملتا جا۔۔۔"

شاہ میر کا اشارہ وہ سمجھ چکا تھا اسی لیے ہنسا۔

"پھر کبھی۔ابھی وقت نہیں میرے پاس۔"

اس کے لہجے میں شرارت صاف واضح تھی۔

"چل یہ تو ہو گئی تیری ریکارڈنگ۔۔جو حیام کو سنادی جائے گی۔خود ہی نمٹ لینا اُسے۔"

شاہ میر نے اپنا موبائل اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو آرز نے فوراً اُس کی گردن اپنے بازو کے گھیرے میں قید کی۔

"تو کب سدھرے گا؟بتا۔"

"یار مذاق کر رہا تھا۔دیکھ لے فون میرا کچھ نہیں ہے۔"

آرز نے اپنی گرفت مضبوط کی۔

"منحوس سانس نہیں آرہا مجھے۔"

اچھا خاصا اُسے تنگ کر آرز نے اس کی جان بخشی۔

"میں بھی تیرے ساتھ ہی چلتا ہوں۔ایک عدد بیوی ہم بھی رکھتے ہیں جس کے خرچ پورے کرنے کے لیے کمائی کرنا بہت ضروری ہے۔"

ہنستے ہوئے وہ دونوں شاہ میر سے ملے۔بازل گاڑی میں بیٹھ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

"خیال رکھیں اُس کا اور کوشش کریں کہ پارہ تھوڑا نیچے گرے۔"

"وہ تو ہم مذاق کر رہے تھے۔اُسے کوئی غصہ وصہ نہیں۔بس بیچاری صدمے میں ہے۔ اللہ اُس کے لیے آسانی کرے۔"

وہ دونوں ایک مرتبہ پھر ہنستے ہوئے گلے ملے۔آرز کے بیٹھتے ہی بازل نے گاڑی آگے بڑھادی۔

اگلے دن ہی حویلی میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔حیام نے کسی چیز میں حصہ نہ لیا بس اپنے کمرے میں ہی رہی۔آرز کا یوں آنا اور پھر کسی کو بن بتائے چلا جانا، اُسے برا لگا تھا۔وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس سے ملتا لیکن وہ یہ محسوس کر رہی تھی جیسے نکاح مجبوراً کیا ہو۔حیام بخاری جو کہ اب حیام آرز حسن تھی، کسی کی زندگی میں مجبوراً شامل نہیں ہونا چاہتی تھی۔وہ زبردستی کی، ان چاہی ہمسفر نہ بننا چاہتی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں ڈریسنگ کے آگے بیٹھے، قلم تھامے رخ موڑے گلاس ڈور سے باہر نظر آتے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ گرمیاں شاید اپنے اختتام کو تھیں۔حیام کو تو سردی موسم سرد ہونے سے کہیں پہلے لگنے لگتی تھی۔اب بھی وہ آسمانی رنگ سوٹ کے ساتھ ہلکے براؤن رنگ کی شال اوڑھے ہوئی تھی۔اماں کے ڈانٹنے پر اس نے سفید اور کالے رنگ کی جان چھوڑی۔اچھی خاصی عزتِ افزائی ہوئی تھی کہ خدارا شرم کی جائے،

اب تو ایک دن کی سہاگن ہو۔ باجی بیگم نے توز بردستی کلائیوں میں سونے کی چوڑیاں اور کانوں میں بوندے ڈلوادیئے۔ جس پر حیام نے صاف صاف اماں سے کہہ دیا تھا کہ آپ نے اُس شخص کے آتے ہی پارٹی بدل لی ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ آپ میری اماں ہیں۔ جس پر اُنہوں نے بالکل کان نہ دھرے۔ کچھ سوچ کر وہ لکھنے لگی۔

سیدزادے!!

سردیوں کے موسم میں چھائی دھند کملاہٹ سمیٹے رفتہ رفتہ ماند پڑتی ہے اور منظر نمایاں ہوتا ہے تو زندگی کے پردے پر چلنے والی ہماری داستان عیاں ہوتی ہے۔ اس داستاں میں جو تم ہونا؟ وہ اب تک نظروں سے اوجھل ہو۔ میری آنکھیں تمہیں دیکھنے سے عاری ہیں۔ تم نجانے کیوں میرے لیے، میری دید کے لیے اندیکھے ہو؟ تمہیں تو بارہا یہ آنکھیں تک چکیں ہیں، میری سماعت تمہیں سن چکی ہے۔ پھر کیوں ہر مرتبہ مجھے تمہیں پانے کو کھوج لگانی پڑتی ہے۔

میں تمہیں پتوں پر بارش کی بوندوں سا دیکھنا چاہتی ہوں تو کبھی چلتی صباء میں رچی مہک سا۔ لیکن ایک تم ہو، ایک تم ہو جو بضد ہو بے اعتنائی برتنے پر۔ تم وہ نہیں ہو جو میں

چاہتی ہوں۔ تم اوس کو چھپا دینے پر قائل دھند ہو جو آسمان سے ہوتے ہوئے اب میری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔

آج میں چاہ رہی ہوں کہ میں بھی تم ہو جاؤں یا کاش کہ میں تم ہوتی۔اور ایک بات تم جان لو شاہ زادے، تم جیسا ہونا بہت آسان ہے اور مجھ جیسا ہونا بہت کٹھن، بہت تکلیف دہ، بہت زیادہ۔۔

تمہاری اسیر

سیدزادی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ابھی اُس نے خط بکسے میں ڈال قلم بند کر رکھا ہی تھا کہ سعدیہ دستک دے کمرے میں داخل ہوئی۔

"سیدہ بی بی!"

"ہاں، بولو۔ادھر کیوں کھڑی ہو؟اندر آجاؤ۔"

حیام بیڈ کے کنارے جا ٹکی۔

"منال بی بی آپ کو باورچی خانے میں بلا رہی ہیں۔"

"چلو۔"

حیام سعدیہ کے ساتھ ہی وہاں سے نکلتی باورچی خانے پہنچی تو تمام لڑکیاں وہاں موجود تھیں۔

"حیام! اتنے دنوں سے ہم نے کچھ نہیں بنایا۔آج بناتے ہیں افطار کے لیے کچھ۔۔"

"میرا دل نہیں، تم بنالو۔"

حیام نے ساتھ ہی وہاں موجود مشعل اور پریشے کو بھی ایک نگاہ دیکھا۔

"آنی! حلوہ کھانا۔۔۔"

شاہ ویر نے حیام کا ڈوپٹہ کھینچتے ہوئے کہا تو حیام کا دھیان اُس پر گیا۔وہ پہلے اس کی موجودگی سے انجان تھی۔اُسے دیکھ مسکراتے ہوئے وہ شاہ ویر کے سامنے زمین پر بیٹھی اور اُس کے ہاتھ تھام چومے۔

"میرے بیٹے کو حلوہ کھانا ہے؟ میں ابھی بنادیتی ہوں۔"

"میٹھاااااا"

وہ خوشی سے چلایا جس پر سب ہنسے تھے اور حیام تو اچھے سے جانتی تھی کہ وہ میٹھے کا دیوانہ تھا۔

"اور کچھ ؟"

حیام ڈرامائی انداز میں اس کے سامنے جھکی تو وہ کھلکھلا کر ہنسا اور حیام کے دونوں گال چٹاچٹ چوم کر باہر کو بھاگا۔

"شیطان کہیں کا۔۔۔۔"

" چلیں جناب، لارڈ صاحب کا حکم مل گیا ہے۔اب تو بنائیں گی آپ حلوہ۔"

"اپنے بیٹے کے لیے تو کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ خیر، تم لوگ کیا بنانے لگے ہو؟"

" سمجھ نہیں آرہا لیکن کر لیں گے کچھ نہ کچھ۔"

کرن کے جواب پر حیام ایک مرتبہ پھر بولی۔

"کیک بیک کر لو۔اتنے دن ہو گئے بنایا ہی نہیں۔"

ساتھ ساتھ کچن کیبنٹ میں سے سعدیہ سے حلوے کا سامان نکلوانے لگی۔

"ہاں، یہ اچھا آئیڈیا ہے۔"

مناہل تو فوراً سے تیار ہو گئی۔

"چاکلیٹ مت بنانا۔شاہ ویر کو پسند نہیں۔"

حیام کی بات پر منال مسکرائی۔وہ جانتی تھی کہ کیک کا مشورہ بھی اُس نے شاہ ویر کی پسند ناپسند کے مطابق دیا تھا۔ورنہ حیام کو میٹھا کہاں اتنا پسند تھا۔لیکن پھر بھی اب تو کھا لیتی تھی۔

افطار سے پہلے اماں نے اسے پھر خوب جھڑکا کہ یہ کوئی حال بنایا ہوا ہے۔وہ چوڑیاں اور بوندے اتار چکی تھی۔پھپھو کے ضد کرنے پر کمرے میں آکر صبح والے آسمانی جوڑے پر ہی اماں کی دی ہوئیں ستاروں والی بالیاں،ساتھ کلائی میں شاہ میر کی دی ہوئی بریسلیٹ اور میک اپ کے نام پر ہلکے گلابی رنگ لی لپسٹک لگالی۔

"حد ہو گئی ہے۔نکاح نہ ہو گیا عجیب پیچھے پڑ گئے ہیں میرے سب۔اس سے اچھا میں بغیر نکاح ہی تھی۔مجھ سے یہ چونچلے نہیں ہوتے۔"

بڑبڑاتی ہوئی وہ دوبارہ باورچی خانے میں آئی تو اسے دیکھ ندا بیگم نے سو بلائیں لے ڈالیں۔نائلہ بیگم نے تو باقاعدہ اپنی بیٹی کا ماتھا چوما۔

"اچھا،بس کر دیں آپ لوگ۔۔"

"اُفف،قدر کرو سب کی محبت کی۔بہت ناقدری ہو تم۔"

کرن نے اُسے ٹوکا جس پر وہ منہ بسور گئی۔

"یہ باتیں بعد میں کرنا۔آذان ہونے کو ہے اور تم لوگوں سے دستر خواں نہیں سجایا گیا اب تک۔"

کہہ تو وہ ٹھیک رہی تھی۔جلدی جلدی سب سامان اٹھاتے باہر کو جانے لگے۔

"حیام، اچھی لگ رہی ہو۔"

منال نے مسکراہٹ دبائے اسے چھیڑا۔

"تم شاید میرے ہاتھوں قتل ہونا چاہتی ہو۔"

شاہ ویر کے لیے بنایا حلوہ لیے وہ برآمدے کی طرف چلنے لگی تو منال بھی اُس کے برابر ہوئی۔

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

"فرض کرو اگر آرز بھائی تمہیں اس حالت میں دیکھیں تو کیا ہوگا؟"

حیام نے گھور کر اُسے دیکھا۔

"میں بتاؤں؟ فدا ہو جائیں گے ایک مرتبہ پھر سے۔۔"

منال اپنی کہی بات پر خود ہی ہنس دی۔

"اور سوچو کہ وہ اس پردے کی اوٹ سے نکل تمہارے سامنے آجائیں تو؟"

منال نے برآمدے کے گرد لگے پردوں کی طرف اشارہ کر کے شرارت سے پوچھا تو

حیام نے بدلے میں تھپڑ رسید کیا۔

"میں ایسا کچھ بھی فضول نہیں سوچنا چاہتی۔"

حیام اسے گھورتی پردے ہٹا برآمدے میں جانے لگی تھی لیکن اس سے پہلے ہی کسی نے

وہ کام سرانجام دے دیا۔پردہ ہٹاتے ہی بازل سامنے آکھڑا ہوا۔

"بھائی۔۔"

حیام مسکراتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔

"میرا بچہ، کیسی ہو؟آج تو ماشاءاللہ میری حیام لگ رہی ہو پہلے والی۔"

"ان باتوں کو چھوڑیں۔کدھر چلے گئے تھے؟میں آپ کو مس کر رہی تھی۔"

"میں بھی لیکن فکر نہ کرو، دو تین دن ادھر ہی ہوں۔"

"آپ فریش ہو جائیں۔روزہ کھلنے لگا ہے بس۔"

وہ سر ہلاتا اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔حیام نے قدم نہیں بڑھائے۔

"بھائی کے ساتھ وہ بھی تو نہیں آئے کہیں؟"

حیام منال سے سوال کرنے لگی تو منال مسکرائی۔اسے تو یہ سب کی ملی بھگت معلوم ہو رہی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم، تمہاری قسم۔"

اللہ کا نام لیتی وہ دونوں برآمدے میں داخل ہوئیں تو آرز حسن اماں کے ساتھ ان کے تخت پوش پر بیٹھا ان کی ڈانٹ سنتا مسکرا رہا تھا۔یقیناً سب جانتے تھے، تب ہی تو اُسے ڈانٹ ڈپٹ کر تیار کروایا تھا۔

"اماں پر دم درود کروالو حیام، ورنہ تمہاری خیر نہیں۔"

"قسم سے۔۔اماں تو مجھے پہچان ہی نہیں رہیں۔کیسے ہنس رہی ہیں جیسے ان کی تو عید ہو گئی ہو۔"

وہ دونوں ایک دوسرے سے دکھ سکھ بانٹنے لگیں۔

"کل تک تو میرے مرنے کی بات پر کہہ رہیں تھیں کہ مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔اب کہاں جائیں گی میرے ساتھ؟'

منہ بسورے حیام کا حلق کڑوا ہونے لگا۔تب ہی خالدہ بیگم نے انہیں دیکھ پکارا۔

"تم دونوں کیا وہیں کھڑی رہو گی؟آجاؤ۔"

اماں کے ساتھ ساتھ آرز کا دھیان بھی ان پر گیا۔حیام نے اس کی طرف ایک نگاہ غلط تک نہ ڈالی۔

"جی تائی جان آرہے ہیں۔حیام تم بیٹھو، میں شاید چولہا جلتا چھوڑ آئی ہوں۔"

حیام اُسے کینہ طوز نظروں سے دیکھتی زمین پر شاہ میر کے برابر آبیٹھی۔دونوں کے درمیان شاہ ویر بیٹھا تھا۔حیام کے بیٹھتے ہی وہ اٹھ کر اس کی گود میں بیٹھ گیا۔

"آنی! حلوہ۔۔۔"

"ابھی اذان ہوتی ہے پھر کھائیں گے۔"

دور کہیں مغرب شروع ہوگئی۔اسی وقت بازل بھی آگیا۔سب روزہ افطار کرنے میں لگ گئے۔طرح طرح کے لوازمات سامنے سجے تھے لیکن شاہ ویر کو بس حلوہ چاہیے تھا۔حیام نے پلیٹ میں حلوہ ڈال اسے کھلانا شروع کیا جس پر اُس نے پلیٹ میں موجود چمچ خود تھام لیا۔البتہ پلیٹ حیام نے دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھی۔شاہ ویر ایک مرتبہ خود کھاتا تو دوسری مرتبہ چمچ حیام کی جانب بڑھاتا۔وہ بھی چپ چاپ کھائے جا رہی تھی۔

"شاہ ویر! آپ کھاؤ۔آنی کو کھانے دو جو وہ کھانا چاہیں۔"

منال نے اسے ٹوکا تو وہ ساتھ ہی بولا۔

"ماما نہیں۔۔آنی وہی کھائیں گی جو میں کھاؤں گا۔"

حیام مسکراہٹ چھپانے کی سعی کرنے لگی۔اس لمحے آرز نے اسے دیکھا تھا۔آج ان کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔وہ اُسے حق سے دیکھ سکتا تھا۔

"چلو میرا بیٹا ادھر بیٹھ کر کھاؤ۔میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔"

"میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

حلوے کی پلیٹ تھامے وہ بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

"یہ اچھا ہے شہزادے، تو نے میری بہن پر خوب قبضہ کیا ہوا ہے۔"

شاہ میر نے جان بوجھ کر اُسے چھیڑا جس پر اس نے گھور کر دیکھا اور حیام کا ڈوپٹہ پکڑا جیسے کہ شکایت لگا رہا ہو۔

حیام نے بھی جواباً تسلی دیتے ہوئے شاہ میر کو گھورا جس نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔شاہ ویر اُسے جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھ حیام کو تکنے لگا۔حیام نے ایک ہاتھ میں پلیٹ پکڑ دوسرے بازو کے سہارے اسے گود میں اٹھایا۔اُنہیں دیکھ کر کوئی یہ کہہ ہی نہیں سکتا

تھا کہ وہ سچ میں اُس کا بیٹا نہیں۔ منال ٹھیک کہتی تھی کہ حیام کو اُس کی ماں بننا تھا ہر صورت۔۔

رات میں عشاء کے بعد کا کوئی وقت تھا جب حیام کے کمرے کا دروازہ کھول کوئی اندر داخل ہوا۔ حیام بیڈ سے ٹیک لگائے نیچے زمین پر بیٹھی تھی۔ اُس کی گود میں شاہ ویر سو رہا تھا۔ منال نے کتنی زبردستی کی تھی اُسے لے جانے کے لیے؟ لیکن وہ نہیں گیا۔ اُسے حیام کے پاس ہی سونا تھا۔

"یار سعدیہ، بن گئی چائے؟"

حیام نے چہرہ موڑ کر سعدیہ کو دیکھنا چاہا لیکن وہاں آرز حسن دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ یک ٹک حیام کو تکنے میں مصروف تھا۔ اُسے دیکھ حیام کے چہرے پر حیرانی کے ساتھ ساتھ گھبراہٹ درآئی۔ فوراً چہرہ موڑ لیا۔ جیسے کہ نظریں ہٹا لینے سے شاید منظر بدل جائے۔ لیکن منظر نہ بدلا۔ آرز چلتا ہوا اس کے برابر وہیں زمین پر آ بیٹھا۔ حیام نے اسے دیکھنے کی غلطی نہ کی۔ نجانے کتنے لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ آج پہلی مرتبہ وہ دونوں اتنا قریب تھے۔ آرز نے ہاتھ بڑھا کر حیام کا ہاتھ تھاما جسے چھڑوانے کو حیام نے تگ و دو کی لیکن آرز کی گرفت مضبوط تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"ایک مرتبہ ہاتھ چھوڑنے کی غلطی کر چکا ہوں، اب دوبارہ ایسی غلطی خواب میں بھی نہیں کر سکتا۔"

حیام نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم جانتی ہی نہیں ہو حیام کہ میں نے محبت سے انکار کبھی کیا ہی نہیں۔ میں اتنا مجبور تھا کہ تمہارے ساتھ چل ہی نہ سکا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مرد بڑا طاقتور، مضبوط ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ فیصلہ کر لے تو پیچھے نہیں ہٹتا۔ لیکن میں بتاؤں عام مردوں اور سید زادوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بعض اوقات سید زادے اپنے سے جڑے رشتوں کے بوجھ تلے دب کر خاموش رہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اپنے باپ کی عزت، ماں کے مان اور بہن کی ذات کا سوچ کر میں نے تمہاری قربانی دے دی۔ مجھے لگا تمہیں چھوڑ کر سب برقرار رہے گا لیکن غلط تھا میں۔ میرے ہاتھوں میں سے سب کچھ ریت کی مانند بکھر گیا۔ پھر سوچا کہ قربانی دے کر بھی کچھ نہ ملا۔ ابو چلے گئے، امی، مشعل سب مجھے دیکھتے رہے اور میں گنہگار ٹھہرا دیا گیا۔ دل چاہا کہ سب سے پوچھوں کہ میری دی قربانی کسی کو یاد کیوں نہ رہی؟"

وہ دونوں آنسو بہا رہے تھے۔ حیام سے بہتر کون لفظ مجبوری کو سمجھ سکتا تھا۔ وہ جو طے کیے بیٹھی تھی کہ اُسے کبھی معاف نہیں کرے گی، اس کی ایک صفائی پر پگھل گئی۔ اُس

کے آگے خاک ہو گئی۔ حیام نے آرز کے کاندھے پر سر ٹکا دیا۔اس کے ایسا کرنے پر وہ نم آنکھوں سمیت مسکرایا۔

"I'm Sorry!"

وہ دونوں ایک ساتھ بولے۔ پھر ہنس دیئے۔ حیام نے اس کے کاندھے پر سر ٹکائے ہی اسے دیکھا۔

"کس لیے؟"

"تمہیں اتنا کچھ کہہ گیا اُس روز۔آج تک پچھتا تا رہا ہوں۔ نجانے غصے میں کیا کیا کہہ گیا۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔تم کس لیے معافی مانگ رہی ہو؟"

سوال پر وہ چہرہ جھکا گئی۔

"مجھے تایا جان کے لیے آنا چاہیے تھا۔میں غلطی پر تھی۔وہ میری وجہ سے۔۔۔"

آگے وہ نہ بول پائی۔ حیام کے آنسوؤں میں تیزی آئی۔

"نہیں، تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا۔ کسی کی وجہ سے کچھ نہیں ہوا۔خدا نے ہم سب کی قسمت میں یہی لکھا تھا۔"

وہ اُسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے چکا تھا۔حیام کی گود میں موجود شاہ ویر کسمسایا۔

"ایک منٹ۔۔۔"

حیام نے اٹھ کر اسے بڑی احتیاط سے بیڈ پر لٹایا اور بیڈ کے گرد پردے پھیلائے۔

"یہ؟"

وہ پوچھنا چاہتا تھا اُس کے متعلق۔

"منال کا بیٹا ہے۔"

وہ دونوں پھر سے خاموش ہو گئے۔

"میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے۔"

آرز نے ناسمجھی سے اُسے دیکھا۔حیام نے سائیڈ ٹیبل سے آرز کی ڈائری نکال اُسے تھمائی۔

"نہیں، یہ میری نہیں تمہاری امانت میرے پاس تھی۔"

"میں نہیں جانتی تھی کہ آپ بہت پہلے سے۔۔۔"

حیام نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہمم! کیونکہ میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا۔"

"اور مجھے لگتا تھا کہ آپ مجھ سے چڑتے تھے۔"

حیام ہنسی۔آرزاُس کا ہاتھ تھامے اس کی انگلیوں سے کھیل رہا تھا۔

"تم پہلے مجھے اچھی لگتی تھی۔پھر میری پسندیدگی چاہت میں بدل گئی اور پھر چاہت محبت میں۔مجھے لگتا تھا کہ جو مجھے دیکھے گا وہ یہ راز جان جائے گا۔تو میں نے تم سے دوری اختیار کرلی۔"

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔حیام نے فوراً اپنا ہاتھ آرز کے ہاتھ سے نکال اوپر کو ہو دروازے کی سمت دیکھا۔دروازہ ادھ کھلا تھا۔سعدیہ سر جھکائے باہر کھڑی تھی۔

"سعدیہ!"

"سیدہ بی بی یہ چائے لائی ہوں آپ کے لیے۔"

"آجاؤ۔"

حیام کا کہا تواُس کے لیے حکم تھا۔سر جھکائے ہی اندر آئی اور ٹرے سمیت چائے کا کپ اس کے آگے زمین پر رکھتی تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔

"سیدہ بی بی! کچھ اور چاہیے؟"

"نہیں، تم سو جاؤ جا کر۔ مجھے کچھ چاہیے ہوا تو خود لے لوں گی۔"

وہ سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

حیام کے لیے آیا چائے کا کپ آرز اٹھا لبوں سے لگا گیا۔

"یہ تو بہت میٹھا ہے اور جتنا میں جانتا ہوں میری حیام میٹھا نہیں پسند کرتی۔"

آرز کا میری حیام کہنے پر حیام کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھرے، وہ چہرہ جھکا گئی۔ بس اتنا ہی تو چاہا تھا اُس نے۔

"اب بہت کچھ بدل چکا ہے۔ حیام کو وہ سب پسند ہے جو آرز حسن کی پسند ہے۔"

حیام نے چہرہ نہیں اٹھایا تھا۔ اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ پہلی مرتبہ وہ اس کے اتنا قریب تھا۔ پہلی مرتبہ وہ یوں ایک دوسرے سے محوِ گفتگو تھے اور پہلی مرتبہ وہ اسے میری حیام کہہ رہا تھا، آرز حسن کی حیام۔ اُس کی جھجک آرز محسوس کر گیا تھا تب ہی تو بات بدل دی۔

"امی ابو کی اینیورسری کے دن جب تمہیں نیچے آتے دیکھا تو مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ اب مزید میرا دل میرے قابو میں نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس روز پہلی مرتبہ مجھے لگا کہ اب

تمہیں اپنے دل کی حالت سے آگاہ کر دینا چاہیے۔ جو میں تمہارے لیے محسوس کرتا ہوں تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔"

وہ سانس روکے آرز حسن سے اپنے لیے اظہارِ محبت سن رہی تھی۔

"مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ تم میرے دل کی کیفیت ایک نظر میں جان گئی لیکن پھر بھی خود کو سمجھایا کہ تم صرف بہن ہو، میری چچازاد ہو اور یہاں میرا دل باغی ہو گیا۔ تم میری سگی نہیں تھی۔ مجھے تم سے محبت کی اجازت تھی۔"

بات کرتے کرتے آرز ہنسنے لگا۔

"تمہیں یاد ہے تم بچپن میں مجھے کہا کرتی تھی کہ میں تو آپ کی جان ہوں۔"

حیام کا سر مزید جھکا۔ وہ بس منظر سے غائب ہو جانا چاہتی تھی۔ آرز حسن آج کے دن ہی سارے حساب پورے کرنا چاہتا تھا۔

"وہ، وہ تو۔۔۔۔"

وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن الفاظ ساتھ نہ دے رہے تھے۔ آرز نے قہقہ لگایا، ساتھ ہی حیام کو واپس اپنے گھیرے میں لیا۔

"کہو بھی کیا کہنا چاہتی ہو؟"

وہ اسے جان بوجھ کر تنگ کر رہا تھا۔ حیام اس کی حرکت پر ہنس دی۔

"میں نے بابا کو کہتے سنا تھا، وہ اماں کو کہا کرتے تھے آپ تو میری جان ہیں لیکن اُنہوں نے کبھی مجھے نہیں کہا تھا۔ مجھے ہمیشہ پرنسز کہا کرتے تھے۔ مجھے لگا کہ شاید وہ پیار جتانے کا، محبت کو نیا نام دینے کا طریقہ ہے کوئی۔ بابا کے بعد مجھے اس وقت لگا کرتا تھا کہ آپ جیسی محبت کوئی مجھ سے کر ہی نہیں سکتا اور میں ٹھیک تھی۔"

حیام نے چہرہ اٹھا کر آرز کو دیکھا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ آرز کی آنکھوں میں صاف اپنا عکس دیکھ سکتی تھی۔ حیام کی آنکھوں سے ایک مرتبہ پھر آنسو بہنے لگے۔ آرز نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چنے۔ آگے بڑھ کر حیام کا ماتھا چوما۔ پہلی مرتبہ وہ اپنا حق استعمال کر رہا تھا۔ وہ اُس کے نکاح میں تھی۔ اُس کی منکوحہ کی حیثیت لیے اس کے پاس بیٹھی تھی۔ وہ اس کی خوشبو محسوس کر سکتا تھا۔ وہی خوشبو جو اسے کبھی نہ بھولی تھی۔ آرز کی آنکھوں میں بھی آنسو چمکنے لگے جنہیں اس نے بہنے دیا۔ حیام آنکھیں موندے اُس کے لمس کو حفظ کر لینا چاہتی تھی۔

"مجھے سونا ہے حیام۔ میں بہت تھک گیا ہوں یوں جیسے نجانے کتنے سالوں کی نیند کا خمار میری پلکوں کو بوجھل کیے ہوا ہے۔"

حیام کچھ نہ بولی۔ محض سر ہلایا۔آرزو ہیں زمین پر اُس کی گود میں سر رکھ لیٹ گیا۔وہ اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔وقت گزر رہا تھا۔وہ دونوں خاموش ایک دوسرے سے اپنے آنسو چھپانے کی تگ ودو کر رہے تھے۔یہ بھلا کر کہ آرز کے آنسو حیام کا ڈوپٹہ بھگو رہے تھے جبکہ حیام کے آنسو بہہ آرز حسن کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

اگلے دو دن وہ حویلی میں رہا تھا۔حیام اُس سے چھپتی پھرتی تھی۔ کبھی سامنا ہو جاتا تو رخسار لال انگارہ ہو جاتے۔وہ خوش رہنے لگی تھی۔اُس کی مسکراہٹ چھپتے نہیں چھپتی تھی۔خوش تو آرز حسن بھی رہنے لگا تھا۔اماں نے ان کی خوشیوں کا صدقہ نکالا۔ پوری حویلی حیام کی ہنسی،اُس کے قہقہوں سے ہمہ وقت گونجتی رہتی۔منال اُس کے لیے بہت خوش تھی۔بات بات پر حیام اس کا منہ چومتی۔آرز کو میٹھا پسند تھا تو حیام شاہ ویر کا نام لے روز کچھ میٹھا بناتی جو کبھی شاہ ویر تک پہنچتا ہی نہیں تھا۔ظاہر ہے وہ آرز حسن کے لیے ہوتا تو اُسے ہی ملتا تھا۔

آرز حسن کی دعا قبول ہو گئی تھی۔اُسے نہ معلوم تھا کہ کچھ دعائیں اتنی جلدی خود پر خدا کی رضا کی مہر لگا قبولیت کا درجہ پا لیتی ہیں۔اس نے حیام کو اپنے خدا سے مانگا تھا۔وہ اس

کو مل گئی، تمام حقوق سمیت۔اس نے خدا سے اپنی پہلے والی حیام مانگی تھی تو وہ بالکل ویسی ہو گئی جیسی اُسے پسند تھی۔

کل آرز نے واپس چلے جانا تھا۔اُس کی واپسی کی خبر حیام کو مل گئی تھی۔وہ اداس تھی۔ اکیلی کمرے میں چاند کو تکنے میں مصروف جب شاہ میر دروازے پر دستک دے اندر آیا۔

"بھائی! آپ؟اس وقت؟ کچھ چاہیے؟"

"ہاں، چلو میرے ساتھ۔"

حیام نے بیڈ پر پڑی اپنی شال خود کو اوڑھائی اور اس کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

"کیا چاہیے؟ بتائیں مجھے۔"

وہ اُسے لیے حویلی کے دروازے کی سمت جا رہا تھا۔

"کہاں لے جا رہے ہیں آپ مجھے؟"

حیام کے قدم تھمے۔

"تم چلو تو سہی۔ مجھ پر بھروسہ ہے نا؟"

"ہے لیکن حویلی سے باہر۔۔۔"

وہ شش و پنج کا شکار ہوئی۔

"اماں نے اجازت دے دی ہے شاید تم یہ بھول گئی ہو۔ چلو حیام، کوئی دیکھ لے گا۔ ہم جلد واپس آجائیں گے۔"

بالآخر حیام نے قدم بڑھائے۔ حویلی کا دروازہ پار کرتے وہی دروازہ جسے کھلوانے کی کبھی اسے خواہش تھی، سامنے سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ حیام کو گاڑی میں بٹھا شاہ میر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ پندرہ منٹ کے راستے میں وہ سو مرتبہ اس سے سوال کر چکی تھی کہ ہم کہاں جارہے ہیں۔ اپنی منزل پر پہنچ شاہ میر نے اس کی جانب دیکھا۔

"اترو۔۔۔"

"میں اکیلی؟"

تب ہی حیام کی طرف کا دروازہ باہر سے کھلا۔ حیام نے ڈر کر چہرہ گھمایا تو سامنے آرز موجود تھا۔

"آپ؟"

"جی، میں۔ اب آجاؤ، اُسے واپس حویلی بھی جانا ہے۔"

"میں، میں نہیں آؤں گی۔"

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Inte

حیام سمٹ کر تھوڑا پیچھے ہوئی تو شاہ میر نے آرز کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو سارے راستے برداشت کرتا آیا ہوں۔

"تم نہیں اترو گی؟"

آرز کے پوچھنے پر حیام نے زور و شور سے نہ میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔ایسا کرتے ہیں کہ سن شاہ میر دروازہ لاک کر دے اور مجھے کیز دے۔ہم شہر جا رہے ہیں۔سب کو بتا دینا رخصتی ہو گئی۔چل بہن کو رخصت کر۔"

آرز کی بات پر جہاں حیام کا منہ کھلا وہیں شاہ میر کی ہنسی نکل گئی۔حیام نے گھوم کر شاہ میر کو شکایتی نظروں سے دیکھا اور پھر غصے میں خود ہی گاڑی سے اتر دروازہ پوری قوت کے ساتھ بند کیا۔آرز کے اشارہ کرنے پر شاہ میر چلا گیا۔اب صرف وہاں وہ دونوں موجود تھے۔حیام نے ارد گرد نظر دوڑا کر دیکھا تو ہر طرف ہریالی تھی۔بڑے بڑے درخت اور قریب کہیں پانی بہنے کی آواز آتی سنائی دے رہی تھی۔حیام آواز کی سمت چلنے لگی تو آرز بھی مسکراتا اس کے پیچھے چلنے لگا۔ایک جگہ پہنچ حیام کے قدم تھم گئے۔

نظروں کے سامنے پتھروں کے درمیان سے آبشار بہتا آ رہا تھا۔ارد گرد سنہری لائٹس پانی پر پڑتی اسے مزید دلکش بنا رہی تھیں۔ایک طرف زمین پر اونی میٹ بچھا تھا۔ضرور یہ سب آرز نے کیا تھا۔

"کتنا خوبصورت ہے۔"

حیام کی آواز سرگوشی کی صورت آرز تک پہنچی۔ وہ اس کے بالکل پیچھے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم سے کم۔"

حیام نے اسے یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو یا شاید ناراضگی کا کوئی اظہار تھا۔

"اپنی ضرورت کا سامان پیک کر لینا۔"

"وہ کیوں؟"

حیام اس کی جانب گھومی۔ سر پر اوڑھا ڈوپٹہ ڈھلک چکا تھا۔ اس کے کھلے بال ہوا سے اٹھکیلیاں کرنے لگے۔ شاہ میر کے اچانک آجانے پر وہ بال سمیٹ ہی نہ سکی تھی۔ اب اسے تھوڑی نہ معلوم تھا کہ حویلی سے باہر جانا ہو گا۔

"بے جی نے کہا ہے تم سب لڑکیاں کل میرے ساتھ چلو گی۔ شاہ میر بھی ساتھ ہو گا۔ دو تین دن شہر میں رہ کر شادی کی شاپنگ کرنی ہے۔ دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔"

وہ بات گھما پھرا کر شادی پر لے آیا تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ جسے جانا ہے جائے۔"

چہرہ واپس موڑ لیا گیا۔

وہ چلتی ہوئی آبشار کے قریب زمین پر بیٹھ گئی۔ اسے ٹھنڈ لگنے لگی حالانکہ شال اس کے کاندھوں کے گرد لپٹی تھی۔ آرز نے اپنی شال اتار اس کی پشت پر پھیلائی اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"ہاتھ آگے کرو۔"

حیام نے اُس کی جانب دیکھے بنا اپنی ہتھیلی آگے کی۔ آرز نے اس کا ہاتھ تھام اپنے لبوں سے لگایا اور پھر تیسری انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔ حیام جو اُس کی اس حرکت پر بے جان ہوئی تھی اپنے ہاتھ کو تکنے لگی۔ ڈائمنڈ رنگ جس کے درمیان میں گہرے نیلے رنگ کا سٹون جڑا تھا، اس کے ہاتھ میں سجی چمک رہی تھی۔

"ہمارے نکاح کا تحفہ۔ دینا تو پہلے چاہیے تھا لیکن اُس دن تو تم لوگوں میں گھری بیٹھی تھی۔"

حیام نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔

"آپ اُس دن۔۔۔"

"میں بے جی سے ملنے آیا تھا تو تم برآمدے میں نظر آگئی۔ دل تو چاہا تھا کہ۔۔۔"

"آرز۔۔"

وہ جانتی تھی کہ آرز ایسی کوئی بات ضرور کرے گا جس پر حیام کا جواب دینا دوبھر ہو جائے گا،اسی لیے ٹوک گئی۔

"کیا ہوا؟"

"واپس چلتے ہیں۔"

"مجال ہے کہ کبھی دو لمحے تنہائی میں بیٹھ محبت کی چار باتیں کر لینے دو مجھے۔کل چلا جاؤں گا تو یاد کرتی رہنا پھر۔"

وہ بدمزہ ہوا تو حیام مسکرائی۔

"جو حکم۔"

آرز نے اُس کا دوسرا ہاتھ تھام وہ بھی چوما۔

"آپ زیادہ فری نہیں ہو گئے؟"

حیام نے اُسے گھورا۔

لیگل پرمٹ ہے میرے پاس۔"

وہ شوخ ہوا۔

"پلیز۔۔۔"

"اچھا یار چلو۔"

وہ خاموشی سے اٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ محبت اپنی جگہ لیکن نکاح کے بعد وہ اس کے سامنے آنے سے ہچکچاتی تھی۔ گھبراہٹ، شرم، حیا، نجانے کون کون سے رنگ وہ اُس کے چہرے پر بکھرے دیکھ سکتا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اب پہلے والی حیام چاہ کر بھی نہ ہو سکتی تھی۔ اب کی حیام مضبوط تھی۔ وہ اپنا آپ ظاہر کرنے سے کتراتی تھی، آرز حسن سے بھی۔

وہ اپنی بات کی پکی نکلی تھی۔ شہر نہیں گئی۔ اُس کی ساری شاپنگ آرز نے خود کی تھی۔ کل حویلی میں حیام کی مایوں کی رسم تھی۔ دو دن بعد حیام نے رخصت ہو کر آرز حسن کے پاس آجانا تھا۔ کل سب نے شہر واپس آجانا تھا۔ آخر کو بارات لے کر بھی تو کسی نے اس کے ساتھ جانا تھا۔ بازل شادی کی تیاریوں میں ہاتھ بٹانے کو حویلی میں ہی رک گیا۔

آرز اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھا حیام کے متعلق سوچ رہا تھا۔ دل تو چاہا کہ اسے کال

کر کے بات کرے لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ کبھی بات نہیں کرے گی۔آرز اٹھ کر کمرے سے نکلااور حیام کے کمرے کی جانب چل دیا۔اس کے کمرے میں داخل ہوآرز نے اس کی موجودگی کو محسوس کرناچاہالیکن وہ وہاں تھی ہی نہیں۔وہ کتنی دیر وہیں دروازے پر کھڑارہا۔پھر نجانے دل میں کیاآیاتھاجاکراس کی وارڈروب کھول سامنے لٹکے کپڑوں پر ہاتھ پھیرا۔نیچے کے حصے میں ایک ڈوپٹہ گراپڑاتھا۔آرز نے اسے اٹھاچہرے کے قریب کیا۔اس ڈوپٹے میں آرز کو حیام کی خوشبو محسوس ہوئی۔وہی مخصوص مہک جو شاید وہ استعمال کیاکرتی تھی لیکن آرز کو ہمیشہ وہ حیام کی خوشبو ہی لگتی تھی، جیسے کہ وہ صرف حیام سے منسوب ہو۔ڈوپٹے کے نیچے لکڑی کاایک بکساتھا۔آرز نے وہ بکسا نکال بیڈپر رکھا،اسے کھولا۔اندر بے شمار کاغذات طے شدہ حالت میں پڑے تھے۔وہ تمام خطوط تھے،وہی جو حیام آرز کے نام لکھاکرتی تھی۔ایک ایک کرآرز وہ خطوط پڑھتاگیا۔کچھ وہ جن میں اُس نے اپنی محبت کااظہار کیاتھااور کچھ وہ جن میں حیام بخاری نے اپنی اذیت رقم کی تھی۔وہ کبھی اُنہیں پڑھ رودیتاتو کبھی نم آنکھوں مسکرادیتا۔بکساہاتھ میں پکڑے وہ تمام خطوط اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گیا،وہاں جہاں اُنہیں ہوناچاہیے تھا۔

حیام کو مایوں کا پیلا جوڑا زیب تن کروا دیا گیا۔ کلائیوں میں موتیے کے گجرے، کانوں میں موتیے کے پھولوں کی بالیاں، ماتھے پر اُنہی پھولوں کا ٹیکا پہنے وہ برآمدے میں بیٹھی تھی۔ گاؤں کی کسی عورت کو نہ بلایا گیا تھا۔ محض حویلی کی عورتیں تھیں۔ نائلہ بیگم اور مصطفٰی صاحب کے علاوہ سب شہر جا چکے تھے۔ اُسے بٹھائے سب اُسے ابٹن لگانے کی رسم کر رہے تھے۔ ایک حیام تھی، جو دلہن بنی تھی اُسے کوئی فکر نہ تھی۔ ہنس ہنس کر برا حال ہوئے جاتا تھا۔ اماں بیگم کچھ خاموش تھیں۔ وہ بس چاہتی تھیں کہ سب خیر و عافیت سے ہو جائے۔

مایوں کی رسم کرا سے کمرے میں بند رہنے کا کہہ دیا گیا۔ وہ اکیلی تھی۔ منال نے اُس کی بہت سی تصاویر شاہ میر کے موبائل پر بنائیں تھیں۔ شاہ میر کا ارادہ آرز کو وہ تمام تصاویر بھیجنے کا تھا۔ اماں بیگم نے اُسے خاص منع کیا تھا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ شادی سے پہلے کی رسموں میں دلہن کا دلہے سے خاص پردہ ہوتا ہے۔ نحوست ہوتی ہے اگر دلہا دلہن ایک دوسرے کو دیکھیں۔ لیکن یہ آج کی نسل کب ان خیالی وہموں پر یقین رکھتی ہے۔ شاہ میر نے حیام کی تصویریں آرز کو بھیج دیں۔ وہ اس کی بہن تھی تو وہ بھی اس کا دوست تھا۔ اسے تنگ کرنا تو شاہ میر پر لازم تھا۔

مہندی کی رسم کے لیے گاؤں کی تمام عورتیں مدعو تھیں۔رسم کے لیے شاہ میر اُسے لے کر آیا۔سب سے پہلے رسم بھی شاہ میر نے ہی کی تھی۔اُسے گانا بھی باندھا تھا۔وہ صحیح بھائیوں کا فرض نبھا رہا تھا۔اس کے بعد ایک ایک کر حویلی کی تمام عورتوں نے حیام کے ہاتھ پر رکھے پتے پر مہندی لگائی،سر پر تیل۔حویلی کی عورتوں کے بعد کہیں جا کر گاؤں کی خواتین کی باری آئی۔اُسے واپس بھی شاہ میر ہی اٹھا کر لے گیا تھا۔

یہ حیام کی کھارے بٹھانے کی رسم تھی۔نجانے رات کب محفل کا اختتام ہوا۔کل بارات آنی تھی۔حویلی میں کتنی تیاریاں رہتی تھیں۔ایک کام پکڑو تو دوسرا نکل آتا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہاں شہر بھی آرز کی رسم خوب دھوم دھام سے کی گئی۔ندا بیگم نے جا کر شائلہ بیگم کو بھی بلا لیا تھا۔سعد کے ساتھ آرز کے تعلقات بحال ہو گئے۔سعد اور بازل نے مل کر آرز کا جو برا حال کیا کہ رسم کے بعد اس کا سفید کرتا مزید سفید نہ رہا تھا۔فریش ہو آرز بھی باقی تمام لوگوں کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھا تھا۔شہر میں تو ڈھولک بھی بج رہی تھی۔البتہ گاؤں میں ایسی کسی فضول رسم کا اہتمام نہ کیا گیا تھا۔وہ سب باتوں میں مشغول تھے۔پریشے سب کے لیے چائے بنا لائی۔گھر پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ایسے میں بازل بیگ اٹھائے وہاں آیا تو سب نے رک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟ یہ بیگ کس کا ہے؟"

سعد نے اسے مخاطب کیا تو بازل نے جواب دیا۔

"میرا ہے۔مجھے نکلنا ہے۔"

"کہاں جا رہا ہے تو؟"

اب کے سوال آرز نے کیا تھا۔ بازل چلتا ہوا ندا بیگم کے قدموں میں بیٹھا۔

"امی! آرز کا بھائی بن کر رسم کر دی ہے میں نے۔اب میرا فرض یہ کہتا ہے کہ حیام کا بھائی بن کر بارات کا استقبال کر لوں۔اگر ابو زندہ ہوتے تو مجھے کب کا حکم دے چکے ہوتے۔اُس کو بہن کہا ہے تو بھائیوں کے فرض بھی ادا کرنے پڑیں گے۔"

ندا بیگم مسکرائیں۔

"وہاں کسی کو خبر ہے تمہارے آنے کی؟"

"ہاں، شاہ میر کو بول دیا ہے میں نے۔وہ انتظار کرے گا میرا۔"

"اللہ کی امان میں۔"

اجازت مل چکی تھی۔آرز اسے باہر تک چھوڑنے آیا تو بازل اس کے گلے لگ گیا۔

"ناراض مت ہونا، تو سمجھ جائے گا لیکن وہ نہیں سمجھے گی۔ساری زندگی طعنے دیتی رہے گی کہ میں آرز حسن کا بھائی ہوں۔"

دونوں ہنسنے لگے۔

"پہنچ کر بتا دینا۔میں بھی انتظار کرتا رہوں گا۔"

آرز کے کہنے پر وہ مسکرا کر سر ہلاتا گاڑی میں بیٹھ چلا گیا۔

بس کچھ دیر کا انتظار مزید تھا، صرف کچھ دیر۔اس کے بعد حیام ہمیشہ کے لیے اس گھر میں واپس آنے والی تھی۔

شہر سے سب لوگ بس نکلنے کو تیار بیٹھے تھے۔ایک آرز تھا جس کی تیاریاں ہی ختم نہ ہونے کو آ رہی تھیں۔بخاری ہاؤس کی سجاوٹ دیکھنے لائق تھی۔شاہ میر نے گاؤں سے حویلی کے چند ملازمین بھیج سجاوٹ کروائی تھی۔ہر جگہ سفید موتیا کے پھول لڑیوں کی صورت لٹکے تھے۔

آرز کا کمرہ دیکھنے لائق تھا۔بیڈ کے چاروں اور موتیے کی لڑیوں میں کہیں کہیں گلاب کے پھول اڑسے تھے۔کمرے میں جگہ جگہ پیتل کی سنہری گہری تھالیں، جن میں پانی

کے ساتھ موتیا بھر بھر کر ڈالا ہوا تھا۔ساتھ میں کچھ جلتی بجھتی موم بتیاں۔۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ آرز کا کمرہ ہے۔ بالکونی کو بھی پھولوں سے بھر دیا گیا۔آرز کو معلوم تھا کہ وہ چاند کی دیوانی تھی،رات گئے چاند کو دیکھتی رہتی۔اسی لیے شاید بالکونی میں اس کے لیے ایک بڑا سا تختی جھولا سجایا گیا۔اس کو بھی فلحال پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

سفید کرتے پر آرز نے ہلکے براؤن رنگ کی شال گلے میں ڈال لی تھی۔ابھی بھی آئینے کے سامنے کھڑا اپنی تیاریاں دیکھنے میں مگن تھا جب دروازہ کھول مشعل کے ساتھ پریشے بھی اندر آئی۔

"ارے واہ،دلہے میاں کیا ٹھاٹھ ہیں آپ کے؟"

پری کے ایسا کہنے پر وہ دل کھول کر ہنسا۔

"یار تم تو ان لوگوں کی طرح مجھے تنگ نہ کرو۔"

"میں کب تنگ کر رہی ہوں؟سچ بتا رہی ہوں۔"

پری نے آگے بڑھ کر پھولوں کا تھال ایک طرف رکھ دیا۔

"کیوں فکر کر رہے ہیں؟شہزادے لگ رہے ہیں آپ۔"

مشعل نے آرز کا کالر ٹھیک کرتے اپنے بھائی کی تعریف میں قصیدے پڑھنے شروع کیے تو وہ بدمزہ ہوا۔

"اچھا ٹھیک ہے چھوڑو۔ چلو یار اب تیار ہوں میں۔"

"ایسے کیسے؟"

اس کو نکلتے دیکھ دونوں اس کا راستہ روک کھڑی ہو گئیں۔

"اب کیا ہے؟"

"نیگ؟"

مشعل نے اسے یوں بتایا جیسے کہ سامنے کھڑا شخص بے وقوف ہے، اتنا بھی نہیں جانتا۔

"یہ لو بھئی۔"

آرز نے کوئی تیڑ میڑھ نہیں کی تھی۔ اسے بس جلدی سے وہاں پہنچنا تھا۔

وہ نیچے آیا تو ندا بیگم کی آنکھوں میں اسے دیکھ آنسو آ گئے۔ کتنا انتظار تھا انہیں اور حسن صاحب کو اس کی شادی کا۔ اس کی نظر اتاری۔ اللہ اللہ کر کے وہ قافلہ اپنی منزل کو پہنچنے میں بنا دیر کیے گھر سے روانہ ہوا۔

حیام آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔ منال، کرن، مناہل، وہ سب لڑکیاں خود تیار اُسے تیار کرنے میں لگیں تھیں۔ اماں نے خاص حکم دیا تھا ان کو حیام کی تیاری میں کوئی کسر نہیں رہنی چاہیے تھی۔ حیام کے ہاتھوں میں بھر بھر کر مہندی لگا دی گئی اور اس کا رنگ یوں نکھر کر آیا تھا کہ ہر ایک کی آنکھوں میں رشک ابھرتا۔ گہرے لال رنگ کا بھاری کامدار لہنگا جس کے اوپر شرٹ گھٹنوں تک آتی تھی۔ وہ آرز نے خود اس کے لیے پسند کیا تھا۔ وہ لہنگا پہنے آئینے میں بار بار خود کو دیکھتی۔ منال نے اس کے بالوں کا سادہ مگر نفاست سے جوڑا بنا دیا۔ جیولری کے نام پر ٹیکا، جھومر، جھمکے، بھاری سونے کا سیٹ وہی جو اماں کا خاندانی تھا، ساتھ خالدہ بیگم نے اسے اپنا رانی ہار پہنا دیا۔ مہارت سے کیا گیا میک اپ، کلائیوں میں چوڑیاں، ایک ہاتھ میں سونے کی انگوٹھیاں جب کہ دوسرے میں پنجا گلہ ۔اماں ٹھیک ہی کہتی تھیں کہ ان کا سب اب حیام کا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ سونے سے لدھ کر بیٹھی ہو۔ اسے اتنا سب پہننے کی عادت نہ تھی لیکن پھر بھی سب کی خوشی کے لیے وہ خاموش تھی۔ اس کا ڈوپٹہ سر پر ٹکا کر سامنے دامن سے ہوتا کاندھے پر سے نیچے کو لٹکتا تھا۔ ایک کامدار ڈوپٹہ اس کے بازوؤں میں لپیٹ دیا گیا۔

قد آور آئینے کے سامنے کھڑی ہو اس نے خود کا عکس دیکھا۔ وہ لمحے بھر کو ٹھہری۔ کیا سچ میں وہ اتنی خوش نصیب تھی کہ جس کا ساتھ اس نے چاہا تھا، آج وہ اسے ملنے جا رہا تھا؟

مسکراہٹ خود با خود لبوں پر بکھر گئی۔وہ روزے کی حالت میں تھی۔اتنا بھاری جوڑا اور جیولری پہن اس کا سر گھوم رہا تھا لیکن کوئی بات نہیں تھی۔کون سا اس نے روز روز دلھن بننا تھا۔

آرز کی دی گئی انگوٹھی اس نے نہ اتاری۔وہ اس کے حلیے سے زرا میل نہ کھاتی تھی لیکن پھر بھی وہ اسے اتارنے کو تیار نہ تھی۔نائلہ بیگم نے اپنی بیٹی کو نظر کا ٹیکا لگایا۔ان کو کتنی خواہش تھی اپنی بیٹی کو ایک بار تکنے کی،وہ بھی دلھن بنے۔آج وہ پوری ہو گئی تھی۔شاید نیچے بارات آچکی تھی۔عصر کا وقت گزر چکا تھا۔شاید مغرب ہونے کو تھی یا ہو چکی تھی۔ہاں،شاید ہو چکی تھی جب ہی تو منال نے اسے پانی پلایا تھا۔وہ سارا دن کی بھوکی تھی لیکن پانی کے دو گھونٹ پیتے ہی اس نے کچھ بھی کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

اسے زندگی میں پہلی بار کوئی ہوش نہیں تھی۔جوں جوں رخصتی کا وقت قریب آرہا تھا وہ مزید گھبراہٹ،بے چینی محسوس کر رہی تھی۔آخر کو رخصتی کا وقت آگیا۔اماں نے اسے نیچے لے آنے کا کہا تھا۔کچھ دیر اسے سب لوگوں کے درمیان بٹھانا تھا۔

اب مجھ کو رخصت ہونا ہے کچھ میرا ہار سنگھار کرو

کیوں دیر لگاتی ہو سکھیو جلدی سے مجھے تیار کرو

وہ سب ایک مرتبہ پھر اس کا میک اپ ٹھیک کرتیں اسے لے جانے لگیں تھیں۔وہ بس چل رہی تھی یوں جیسے معلوم نہ ہو کدھر جانا ہے۔وہ راستوں کو جانتی تھی لیکن انجان تھی پھر بھی۔۔۔

روروکر آنکھیں لال ہوئیں تم کیوں سکھیو بے حال ہوئیں

اب ڈولی اٹھنے والی ہے تم آؤ مجھ کو پیار کرو

سب کی آنکھیں رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔خواہ وہ اماں بیگم تھیں، حاجرہ پھپھو یا خالدہ اور نفیسہ بیگم۔لڑکیوں کا تو پوچھو ہی مت۔ان کے آنسو تو اس کو سامنے بٹھائے بہے جا رہے تھے۔انہوں نے اپنے آنسو نہ چھپائے تھے۔

یہ کیسا انوکھا جوڑا ہے جو آج مجھے پہنایا ہے

میں حوروں جیسی دلہن بنی اب اٹھو اور دیدار کرو

ندا بیگم، پریشے، مشعل، وہ سب وہاں اس کے پاس آتے اس سے مل رہے تھے۔ گاؤں کی تمام عورتیں اسے دیکھ بلائیں لے رہیں تھیں۔

اک ہار ہے سرخ گلابوں کا ایک چادر سرخ گلابوں کی

اور کتنا روپ چڑھا مجھ پر اس بات کا تو اقرار کرو

NEW ERA MAGAZINE.com

آرز کو اندر بلا کر حیام کے برابر بٹھایا گیا۔ حیام کو گھونگھٹ اوڑھا دیا گیا۔ آرز اسے گھونگھٹ کے اس پار دیکھ سکتا تھا لیکن پھر بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ آرز کے گلے میں سرخ گلابوں کا ہار پہنایا گیا تھا اور وہ تو خود سرخ رنگ رنگی تھی، سر سے پاؤں تک۔۔۔

اک بار یہاں سے جاؤں گی میں لوٹ کے پھر کب آؤں گی

تم آہ و زاری لاکھ کرو تم منت سو سو بار کرو

اسے رخصت کرنے کا وقت آگیا تھا۔مزید ایک چادر وقتی طور پر اس کے اوپر ڈال دی گئی۔حویلی سے نکل باہر گاڑی تک بٹھانے کے لیے تاکہ اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔سب رو رہے تھے۔اس نے وہاں کتنی محبتیں سمیٹیں تھیں۔حیام کو خود اندازہ تک نہ تھا۔

ہاں یاد آیا اس بستی میں کچھ دیئے جلائے تھے میں نے

تم ان کو بجھنے مت دینا بس یہ وعدہ اک بار کرو

NEW ERA MAGAZINE.com

وہ اماں سے ملتی ہچکیوں سمیت رو دی۔منال، کرن، مناہل، سب اس کو ساتھ لگائے ہزار وعدے لے چکیں تھیں کہ وہ کال کرے گی۔انہیں بھولے گی نہیں۔اتنی جلدی بچھڑ جانا تھا انہوں نے یہ کب سوچا تھا؟ وہ سب سے ملی۔آخر میں وہ سعدیہ سے بھی ملی تھی۔سعدیہ تو آج سچ میں غمگیں تھی اس کی سیدہ بی بی جا رہی تھیں۔اس کی حویلی میں اب کوئی جگہ نہ تھی۔

شاہ ویر، اسے نہیں معلوم تھا کہ کیا ہو رہا۔وہ پھر بھی رو رہا تھا۔اسے تو بس یہ معلوم تھا کہ اس کی آنی جا رہی تھی۔حویلی سے باہر نکل آرز نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔آج بارات

کے ساتھ نائلہ بیگم اور مصطفیٰ صاحب نہیں جارہے تھے۔ مصطفیٰ صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو آخر کو وہ باپ تھے، وہ ان سے لپٹ کر رودی۔ دونوں باپ بیٹی آنسو بہاتے رہے۔

شاہ میر نے اس کے سر پر قرآن کا سایہ کیا۔ وہ شاہ میر کے کاندھے سے سر ٹکائے بھی کتنی دیر روتی رہی۔ رو تو آج وہ بھی رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بار بار نم ہو جاتیں۔ وہ چلی گئی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر اسی راستے پر کھڑا خالی سڑک دیکھتا رہا۔ برہان نے اس کے کاندھے پر تھپکی دے اسے دلاسہ دیا۔ مصطفیٰ صاحب بھی وہیں کھڑے اپنی بیٹی کو رخصت کر راستہ تکنے میں مصروف تھے۔

NEW ERA M
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مری گڑیا تری رخصتی کا دن بھی آگیا آخر

سمٹ آیا ہے آنکھوں میں تیرا بیتا ہوا بچپن

ابھی کل ہی کی باتیں ہیں تو اک ننھی سی گڑیا تھی

ابھی کل ہی تو بابا سے بڑی ضد کر کے مانگے تھے

گلابی رنگ کے کپڑے وہ جوتے تتلیوں والے

ابھی کل ہی تو لایا تھا میں پہلی بار اک چوڑی

جسے جب تم نے پہنا تو کلائی سے بڑی نکلی

پھسل کر ہاتھ سے تیرے تجھے غصہ دلاتی تھی

ابھی کل ہی تو بابا کو پکڑنے بھیجتی تھیں تم

کبھی اڑتی ہوئی چڑیا کبھی تارے کبھی چندا

اور اب ایسا ہے کہ وقت جدائی سر پہ آیا ہے

تری بارات لے کر آگیا ہے تیرا شہزادہ

بظاہر خوش کھڑا ہوں میں مگر ٹوٹا ہے دل میرا

بجی ہے جب سے شہنائی تڑپ اٹھا ہے دل میرا

مرے آنگن میں ٹھہریں گی تری یادیں تری باتیں

چلی جائے گی تیرے ساتھ ہی رونق مرے گھر کی

یہ میرے ساتھ چھپ چھپ کر ہزار و بار روئیں گے

تری رخصت پہ اے بیٹی! در و دیوار روئیں گے

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

راستے میں آرزنے گاڑی روک دی۔ وہ دونوں الگ گاڑی میں تھے۔ شاہ میر نے خاص تائید کی تھی کہ اسے کچھ کھلا دے۔ وہ بھوکی تھی۔ حیام کے اوپر سے بھاری چادر اسے بٹھاتے ہی اتار دی گئی تھی۔ آرز اس کے لیے کھانے کو سامان لے آیا لیکن اس نے کچھ نہ کھایا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی آرز کو تکلیف دے رہی تھی۔ بہت زبردستی کرنے پر حیام نے صرف جوس کے چند گھونٹ بھرے۔

وہ لوگ بخاری ہاؤس پہنچے تو سب ان کے استقبال کے لیے پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ گاڑی سے اترتے ہی اس نے نگاہیں گھما کر اس جگہ کو دیکھا۔ کتنی یادیں تھیں اُس کی اس جگہ سے۔ آنسو ایک مرتبہ پھر بہنے کو تیار تھے۔ تمام رسمیں کر اسے گھر کے اندر لایا گیا۔ گھر کے ایک ایک کونے میں اس کی یادیں تھیں۔ سب اس کی نظر کے پردے پر فلم کی صورت چلنے لگا۔ کہیں کھڑی وہ مشعل سے لڑ رہی تھی تو کسی کونے میں وہ تایا جان کے ساتھ بیٹھ سب کی شکایتیں لگا رہی تھی۔ کہیں اس کے بابا اس کے نخرے اٹھا رہے تھے تو کہیں وہ آرز حسن کے مقابل کھڑی اس کے بگڑتے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

وہ ہوش کی دنیا میں واپس لوٹی۔ وہ سب تھک چکے تھے۔ رسموں سے فارغ ہوا سے آرز حسن کے کمرے میں لا بٹھا دیا گیا۔ کچھ دیر گزری تو وہ کمرے کا دروازہ کھول اندر آیا۔

دروازہ بند کر وہ کتنی دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ اسے اپنے کمرے میں اپنی بیوی کی حیثیت سے ہی تو دیکھنا چاہتا تھا بس اور آج وہ اس کے کمرے میں موجود تھی۔ وہ چھوٹے قدم اٹھاتا اس تک آیا۔ موتیے کے پھولوں کی لڑیاں اٹھاتا اس کے نزدیک بیڈ پر بیٹھا۔ حیام پلکیں جھکائے بیٹھی رہی۔ آرزا سے دیکھ مسکرایا۔ اس کے ہاتھ تھام باری باری چومے۔

"مجھے لگتا تھا کہ تم خوبصورت ہو۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ تم بہت خوبصورت ہو۔"

وہ اپنی بات پر خود ہی ہنس دیا۔

"آج دل چاہ رہا ہے کہ نہ میں کچھ بولوں اور نہ تم۔ بلکہ وہ جو افسانوی باتیں ہوتی ہیں نا کہ تم مل جاؤ تو ساری عمر تمہیں اپنے سامنے بٹھا کر دیکھتا رہوں؟ آج مانو وہ سب سچ لگ رہے ہیں۔"

۔۔۔۔۔خاموشی۔۔۔۔۔

"دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں اپنے سامنے بٹھا کر دیکھتا رہوں لیکن نہیں کر سکتا۔ کیونکہ دنیا آوازیں کسنے لگے گی اور میں ٹھہرا دیوانہ۔ ساری زندگی گزر جائے گی اور میری آنکھوں کی پیاس نہیں بجھے گی۔"

اب کی بار حیام نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم کچھ نہیں کہو گی؟"

حیام نے نہ میں سر ہلایا۔

"میرے پاس کچھ کہنے، کچھ مانگنے کو ہے ہی نہیں۔"

"وہ کیوں؟"

آرز اس کے اور نزدیک ہوا۔ وہ خود میں سمٹی۔

"مجھے جو چاہیے تھا مجھے مل گیا ہے۔"

حیام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"جتنا رونا تھا ہم دونوں نے، رو چکے ہیں۔ آج کے بعد ان آنسوؤں کا نہ مجھ سے اور نہ تم سے کوئی واسطہ ہے۔"

آرز نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھے۔ اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"تمہارے لیے ایک تحفہ ہے میرے پاس۔"

آرز نے کرتے کی جیب سے ایک ڈبیہ نکالی۔حیام نے اسے تھام کھولا تو اندر کوئی گولڈ، کوئی ڈائمنڈ نہیں بلکہ عام سا کرسٹل پینڈنٹ تھا۔مکمل دل جس کے گرد زنجیروں کا جال تھا۔

"تمہیں وہ بریسلیٹ پسند آیا تھا نا؟ مجھے وہ ڈھونڈنے کے باوجود نہیں ملا۔لیکن مجھے یہ مل گیا۔یہ میری اور تمہاری محبت کی داستان سا ہے۔ایک دل دوسرے کی محبت میں قید۔"

حیام مسکرائی۔

"میرا دل آپ کی محبت میں قید۔۔"

حیام نے اس کی تصحیح کی۔

"اگر اجازت ہو تو پہنا دوں؟"

"ہمم! لیکن یہ سب۔۔"

حیام نے پہنے ہوئے زیورات کی طرف اشارہ کیا۔جس کے اوپر وہ پینڈنٹ وہ کسی صورت نہیں پہن سکتی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Article

"چلو، بہت محبت کی باتیں کر لیں۔اب شوہر نامدار کی ڈیوٹی شروع ہونے کا وقت آگیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

حیام نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"وہی جو سب شوہر کرتے ہیں۔اپنی بیوی کا زیور اتارنا،اس کے بالوں میں سے ہزاروں کی تعداد میں پنز اتارنا وغیرہ وغیرہ۔"

آرز نے منہ بنا کر کہا تو حیام ہنسنے لگی۔

رات گزر رہی تھی۔اوران کے پاس ہزاروں ان کہی باتیں تھیں کرنے کو،ہزاروں یادیں تھیں ایک ساتھ جینے کو۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

اگلی صبح حیام بخاری، نہیں۔۔حیام آرز حسن اور آرز حسن کے لیے خوشیوں سے بھرپور تھی۔گہرے نیلے رنگ کا فراک جس پر نگینوں کا کام تھا ساتھ چوڑی دار، بالوں کو کمر کر کھلا چھوڑا ہوا تھا،شاید وہ اب بھی نم تھے۔۔ہلکے میک اپ میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔گلے میں آرز کا دیا گیا پینڈنٹ،ہاتھوں میں اسی کی دی گئی نگوٹھی جبکہ کلائی

میں شاہ میر کا دیا بریسلیٹ پہنا ہوا تھا۔وہ جانتی تھی کہ ندا بیگم بہت ناراض ہوں گی،ان کی ناراضگی کے ڈر سے اس نے اماں کے دیئے جھمکے کانوں میں ڈال لیے۔

تب ہی آرز شاور لے سفید شلوار قمیض پہنے، گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا واشروم سے باہر نکلا۔حیام کو آئینے کے سامنے دیکھ وہ مسکرایا۔گلاس ڈور سے سورج کی روشنی اندر کمرے کو روشن کر رہی تھی۔پھولوں کی خوشبو اب بھی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

"تم روز یوں تیار ہوا کرو گی تو میں دن بھر کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔"

وہ اس کے عین پیچھے آکھڑا ہوا۔

"ایک راز کی بات بتاؤں؟"

حیام نے مڑ کر آرز کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"جلدی۔۔"

آرز نے اس کی ناک دبائی۔

"میں یہی چاہتی ہوں کہ آپ مجھے سوچنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ کریں۔اتنی مشکل سے آرز حسن حیام کو ملا ہے تو اسے صرف حیام کا ہی ہونا ہوگا۔""

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Bo

وہ جذب کے عالم میں اپنے دل کا حال بیان کر رہی تھی۔ چہرے پر سرخی پھیلی۔

"آرز حسن کو قبول ہے لیکن شرط ہے کہ حیام آرز حسن بھی صرف اسے ہی سوچے گی۔"

"قبول ہے۔"

حیام نے اس کے سینے پر دل کے مقام پر اپنا سر ٹکا دیا۔

ولیمے کی تقریب کے لیے اماں کے علاوہ سب شہر آئے تھے۔ وہاں کی بی بیوں کے پردے کا خیال کرتے فیملی کے علاوہ کسی دوسرے کو نہ بلایا گیا۔ مردوں کو باہر لان میں جبکہ عورتوں کے لیے انتظامات اندر گھر کے ہال میں کیے گئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جچ رہے تھے۔ سفید ساڑھی جس پر سنہری نگینے جڑے تھے، بال کھولے، کاندھوں پر شال لپیٹے اس کی خوشی اس کے چہرے پر صاف دکھائی دیتی۔ آرز بھی باہر بلیک ڈیس پینٹ پر سفید شرٹ پہنے، کف کہنیوں تک موڑے کچھ کم نہ تھا۔ آرز کے سمجھانے پر حیام کا دل اپنے بابا کے لیے نرم ہو گیا۔ اس نے اپنے بابا سے معافی مانگ لی۔ تقریب اچھے سے ہو گئی تھی۔

اس کے پاس منال کو سنانے کے لیے بہت سی باتیں تھیں۔وہ سب بھی خوشی خوشی تمام باتیں سن رہی تھیں۔شاہویر آرز کو حیام کے ساتھ دیکھ بالکل خوش نہ تھا۔آرز نے توصاف الفاظ میں اسے اپنا رقیب قرار دے دیا۔حیام سر پر ڈوپٹہ اوڑھے شاہ میر سے ملی توآنکھیں نم ہو گئیں۔اس نے سچ میں بھائی ہونے کے تمام فرض ادا کیے تھے۔

واپسی میں سب حیام کو لیے اپنے ساتھ جانے والے تھے۔پرسوں عید تھی۔عید سب کو مرالہ میں ہی منانی تھی۔محبت کی ایک داستان اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

سب رات دیر سے حویلی پہنچے تھے۔آرز نہیں آیا تھا۔اس نے کل آنا تھا۔سارے راستے حیام کو آرز کے میسجز آتے رہے۔وہ بھی اس سے بات کیے بنا کیسے رہ سکتی تھی۔لیکن اب صبح اٹھ اسے وقت ہی نہ ملا آرز سے بات کرنے کا اور شاید وہ بھی مصروف تھا اسی لیے کال نہیں کی تھی۔افطار کے بعد وہ تیار ہو اماں کے پاس ان کے کمرے میں ہی آ لیٹ گئی۔اماں کبھی اس کا ماتھا چومتیں تو کبھی ہاتھ۔اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتیں وہ مسلسل اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

"تو خوش ہے نا؟"

"آپ کو لگتی نہیں ہوں کیا؟"

اس نے سر اٹھا کر اُنہیں دیکھا۔

"لاگے تو ہے۔خدا تجھے، تیری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگائے۔"

دونوں نے دل ہی دل آمین پکارا۔

"وہ تیرا خیال رکھتا ہے؟"

حیام کچھ یاد کر ہنسنے لگی۔

"ہمم! رکھتے ہیں۔"

"تجھ سے پیار کرتا ہے؟"

اماں نے جان بوجھ کر اس کی غائب دماغی دیکھ سوال کیا۔

"ہمم! کرتے ہیں۔پیار تو میں بھی بہت کرتی ہوں۔"

وہ مسکراتی ہوئی بول گئی لیکن جب سمجھ آئی تو فوراً اٹھ بیٹھی۔اماں چہرہ جھکائے مسکرا دیں۔

"نہیں اماں، میرا وہ مطلب۔۔۔"

"چل رہن دے۔آجا لیٹ جا۔جانے ہوں میں تم دونوں کو،ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہو۔وہ تیرے بغیر نہ رہ سکے اور تو اس کے بغیر مرنے والی ہو جاتی۔"

اماں کی بات پر وہ ہنستے ہوئے واپس لیٹ گئی۔

"بات ہوئی آج تیری؟"

اس سوال پر حیام کا منہ بنا۔

"ایک مرتبہ بھی نہیں۔مصروف ہوں گے شاید۔"

"ہاں،ہو سکے ہے۔"

جب ہی اماں کے دروازے پر دستک دے آرز نے اندر جھانکا تھا۔

"اسلام و علیکم !"

حیام فوراً اٹھ بیٹھی۔ساتھ پڑا ڈوپٹہ اٹھا کر اوڑھا۔سلام کا جواب دیتے اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔آرز حیام کو ہاتھ کے اشارے سے پیچھے ہونے کا کہتا خود اس کی جگہ اماں کے پاس لیٹ گیا۔

"اب میری باری ہے۔"

"ناتو مجھے یہ بتا، پہلاں جب میں کہتی تھی مجھے آکر مل جاتو تجھے یہی راستہ فرلانگ میل دور لاگے تھا اور اب تیری بیوی یہاں بیٹھی ہے تو چوبیس گھنٹے تجھے گزار نا مشکل ہو جاوے۔"

اماں کے کہنے پر جہاں آرز کا منہ کھلا وہیں حیام نے ہنسی دبائی۔

"اماں۔۔"

آرز سیدھا ہو بیٹھا۔

"میں جارہا ہوں واپس۔آپ بدل گئی ہیں۔"

"چل آجا واپس۔کوئی نہ، میں بوڑھی ہو گئی آں۔نہ پتا چلے کیا بولے ہوں۔"

اماں نے اسے اٹھتا دیکھ فوراً بات گھمالی۔وہ بھی واپس لیٹ گیا۔وہ کون سا جانے والا تھا۔

"اماں! اپنی بہو سے کہیں کہ چائے ہی بنادے۔"

"اماں! اپنے داماد کو بتادیں کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔"

آرز کہنی کے بل اٹھ کر مڑا۔دونوں اب اماں کے جواب کے منتظر تھے۔اماں اپنا ماتھا پیٹتیں وہاں سے اٹھیں۔

"مجھے یاد آیا نفل پڑھ لوں۔ تم دونوں میاں بیوی آپے فیصلہ کر لو۔"

اماں جا چکی تھیں۔ آرز نے ان کے جاتے ہی حیام کا بازو پکڑ اپنی جانب کھینچا۔

"چائے۔۔۔"

"بناتی ہوں۔"

منہ بسورے وہ وہاں سے اٹھتی چائے بنانے کو جا چکی تھی۔

عید کی تیاری حویلی میں دیکھنے لائق تھی۔ شہر سے سب آچکے تھے۔ آرز، شاہ میر لوگوں کے ساتھ عید کی نماز کے لیے گیا تھا۔ وہ پیچھے تیار ہونے میں لگی تھی۔ ٹی پنک رنگ کا کلی دار جس پر اوپر سے نیچے تک شیشے جڑے تھے، بالوں کو ایک طرف سے باندھے اور دوسری جانب سے کھولے، گلابی رنگ کے ہی جھمکے پہنے، کلائیوں میں چوڑیاں، وہ مکمل تیار کھڑی تھی۔ اسے بس آرز کا انتظار تھا۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ وہ آگیا۔

"عید مبارک!"

اسے دیکھ وہ مسکرایا۔

"خیر مبارک! میری عید؟"

حیام نے فوراً اس کے آگے ہاتھ پھیلائے۔

"پہلے عید ملنی پڑتی ہے محترمہ۔"

حیام کے چہرے پر حیا کے رنگ سمٹے۔

"پہلے عیدی۔۔"

"بالکل نہیں۔"

"ٹھیک ہے مت دیں۔"

وہ اس کے ساتھ سے ہو نکلنے لگی لیکن آرز نے اس کی کلائی تھام لی۔

"ایسے کیسے؟ تمہیں نہیں ملنی نہ ملو، مجھے تو اپنی بیوی سے عید ملنا ہے نا؟"

"آرز۔۔۔"

خفت کے مارے اس کا چہرہ لال ہونے لگا۔ آرز کو حیام پر ترس آنے لگا۔ وہ یوں ہی تھی، کبھی تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال اپنی بات کہہ جایا کرتی تھی تو کبھی آنکھیں ملانا اس کے لیے دوبھر ہو جاتا۔ آرز نے جھک کر اس کا کاندھا چوما۔ یہ آرز حسن کا محبت جتانے کا انداز تھا۔ حیام مسکرائی۔

"یہ لو تمہاری عید۔۔"

آرزنے اپنی جیب سے ایک رومال نکال اس کو پکڑا یا۔ حیام نے اسے کھولا تو اس میں گلابی رنگ پھول تھا جس کی پتیاں جھرمٹ کی صورت بل کھا کر خود میں سمٹی ہوئیں تھیں جیسے کسی نے گڈی کاغذ کو باریک تار سے کھینچ نقلی پھول سینچا ہو۔

"اس کا مطلب ؟"

اب تک تو وہ جان چکی تھی کہ آرز حسن پھولوں کو ان کے مطلب کے ساتھ دیا کرتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آرز حسن، مسز آرز حسن کو کبھی نہیں بھول سکتا۔"

"جھوٹے۔۔"

حیام نے اس کے سینے پر ہلکا سا مکا مارا۔

"سچ بول رہا ہوں۔"

حیام نے اس کے سینے پر سر ٹکا آرز کے دل کی دھڑکن محسوس کی۔ یہ حیام آرز حسن کی محبت کا انداز تھا۔

پانچ سال بعد:

پانچ سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔حیام اور آرز کی زندگی میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا۔ بازل اور پریشے مشعل اور اپنے تین سالہ بیٹے کو لیے ان کے ساتھ شہر میں ہی بس گئے۔البتہ باقی سب بڑے گاؤں میں ہی رہتے تھے۔شاہ میر اور مشعل کا نکاح ہو چکا تھا۔حیام اور آرز کی شادی کے بعد حلیمہ فاروقی نے اپنے بیٹے کے لیے پریشے کا ہاتھ مانگا تو کسی نے انکار نہ کیا۔چند مہینوں بعد اسے بھی رخصت کر دیا گیا۔وہ دونوں خوش تھے۔شاہ ویر کو برہان نے اپنے سگے بیٹے کی صورت پالا تھا۔اُن دونوں کی زندگی میں ایک ننھی پری بھی آگئی تھی۔کرن کی شادی برہان کے کسی کزن سے ہو چکی تھی۔وہ بھی اپنی زندگی میں خوش تھی۔حویلی پہلے سے خاموش اور تنہا رہ گئی تھی۔دو سال پہلے سب نے اماں بیگم کو کھو دیا۔اب ان کی جگہ باجی بیگم حویلی کی بڑی تھیں۔

آج شاہ ویر کی سالگرہ تھی۔ مشعل تو دو دن پہلے ہی جا چکی تھی۔بازل اور پری بھی اپنے بیٹے کو لے صبح ہی جا چکے تھے۔بس اب حیام اور آرز لوگوں نے نکلنا تھا لیکن دونوں باپ بیٹی حیام کو تنگ کرنے میں مصروف تھے۔حیام اپنی چار سالہ بیٹی کو آوازیں دیتی ڈھونڈنے میں مصروف تھی۔

"عنزہ!!عنزہ۔۔۔"

حیام اپنے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر آئی تو اس کا سر چکرا کر رہ گیا۔حیام کے کاسمیٹکس کا ستیاناس کر اُس کی بیٹی اپنا منہ رنگ برنگے آئی میک اپ سے بھر چکی تھی جس کو ٹھیک نہ پا کر آرز حسن اچھے باپ کا کردار ادا کرتے مزید میک اپ کا استعمال کر ٹھیک کر رہا تھا۔

"آرز!"

حیام بس رونے کے قریب تھی۔دونوں نے سر اٹھا کر حیام کو دیکھا۔سیاہ پاؤں کو چھوتا سادہ فراک، ساتھ سیاہ ڈوپٹہ جس پر مختلف رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ڈوپٹے کا ایک سرا سر پر نفاست سے ٹکا تھا۔بالوں کو باندھے جو کہ زرا برابر بھی نہ دکھ رہے تھے۔ہلکی براؤنش رنگ لپسٹک لگائے وہ حسین لگ رہی تھی۔

“Pretty!”

دونوں باپ بیٹی ہم آواز بولے۔

"آرز آپ مجھے پانچ منٹ میں تیار چاہیے ہیں۔"

وہ غصے سے بولی تو دونوں سیدھے کھڑے ہو گئے جیسے ان سے شریف کوئی تھا ہی نہیں۔

"یس باس!"

"اور عنزہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ کیا حلیہ بنالیا ہے؟ اماں کو کیوں تنگ کرتی ہیں آپ؟"

وہ عنزہ کا ہاتھ تھامے اس کے کمرے کی جانب چل دی۔ آرزان دونوں کو جاتا دیکھ مسکرایا اور اپنی بیوی کی وارننگ یاد کرتے تیار ہونے کو چل دیا۔

"برہان!"

منال کمرے میں آئی تو برہان خود پر پرفیوم چھڑکتا اس کے قریب آیا۔

"جی بیگم!"

"شاہ ویر کو کہیں دیکھا ہے آپ نے؟ مجھے مل ہی نہیں رہا۔"

اس کی پریشانی دیکھ وہ مسکرایا۔ ایک ہاتھ میں منال کے ہاتھ تھام دوسرے ہاتھ سے اس کے بال سنوارنے لگا۔

" کبھی اپنے بچوں کو دو لمحے چھوڑ کر مجھ سے باتیں کرلیں تو میں بالکل برا نہیں مناؤں گا۔"

منال نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"جب بچوں سے فرصت ملے گی تو ضرور۔ ابھی مجھے بچے آپ سے زیادہ عزیز ہیں۔"

برہان کا منہ کھلا۔

"اب اگر آپ مجھے بتا دیں کہ میرے بچے کدھر ہیں؟"

برہان بدمزہ ہوا۔

"ماما کے ساتھ ہیں۔ جائیں دیکھیں انہیں، میری کوئی فکر ہی نہیں۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ پیچھے منال بیڈ پر بیٹھی مسکرائی۔ کتنی مشکل سے حیام نے اسے برہان کے لیے راضی کیا تھا۔ اس کا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا۔ خوشیوں کا مطلب کوئی اس سے ان پانچ سالوں کے بعد پوچھتا تو کہتی کہ خوشی برہان ہے، اس کے دونوں بچے ہیں۔ وہ مسکراتی اٹھ گئی۔ سب آنے والے تھے۔

وہ تیار ہو کر نیچے اتر رہی تھی جب سامنے آتے شاہ میر سے ٹکرائی۔

"پیاری لگ رہی ہو۔"

"جی۔۔۔۔"

مشعل نے یوں کھینچ کر جی بولا کہ شاہ میر ہنس دیا۔

"میں کہہ رہا تھا بہت بری لگ رہی ہو۔ایک تو ہائیٹ چھوٹی ہے اور یہ اوپر سے اتنا گھیرے دار ڈریس پہن لیا ہے۔ چچ چچ! سب کہیں گے کہ شاہ میر بخاری کوئی اپنی جیسی ڈھونڈتے، حسین، شاندار۔۔۔"

"ہٹیں پیچھے، میری بلا سے ایک چھوڑ چار ڈھونڈ لیں۔"

مشعل کا چہرہ غصے سے لال ہوا۔وہ شاہ میر کو دھکا دیتی ایک سائیڈ سے نکل گئی۔

"چار نہیں تین۔۔ایک تم ہو نا میرے پاس۔"

شاہ میر نے ہانک لگائی لیکن وہ جا چکی تھی۔وہ ہنسنے لگا۔شاید اسے مزہ آتا تھا مشعل کو تنگ کر۔

حیام اور آرز کے علاوہ سب پہنچ چکے تھے۔سب ان کے منتظر تھے۔ان کے بغیر شاہ ویر کیسے اپنی سالگرہ سیلیبریٹ کر سکتا تھا؟ حیام آنی میں اب بھی اس کی جان تھی۔

آرز نے گاڑی پارک کی تو حیام نے پیچھے مڑ کر اپنی شرارتی بیٹی کو تنبیہ کی۔

"عنزہ! اگر آج آپ نے کوئی شرارت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ بابا بھی آپ کو مجھ سے نہیں بچا پائیں گے۔"

"بابا! پلیز آپ اپنی جان سے کہہ دیں کہ آپ کی پرنسز کو تنگ نہ کریں۔"

وہ کہتی ہوئی گاڑی سے نکل اندر کو بھاگ گئی۔ حیام کا منہ کھلا رہ گیا۔ وہ یقیناً اپنی ماں پر گئی تھی۔ آرز نے حیام کو دیکھ اپنا قہقہہ ضبط کیا۔

"بیگم! کیوں تنگ کرتیں ہیں آپ میری بیٹی کو؟"

حیام نے گھور کر اسے دیکھا اور اتر کر دروازہ بند کرتی چلی گئی۔ بیچارہ آرز حسن بیٹی اور بیوی کے درمیان گھن چکر بنا گھومتا رہتا تھا۔

سالگرہ اچھے طریقے سے منالی گئی۔ اب انہیں واپسی کے لیے نکلنا تھا۔ طے یہ پایا تھا کہ کچھ دن حویلی میں رہ کر شہر جائیں گے۔

"کدھر ہے عنزہ؟ حیام ہمیں نکلنا ہے۔ پھپھو اتنی مرتبہ کالز کر چکی ہیں۔"

"ہاں، بس چلتے ہیں۔ اندر ہے وہ۔"

وہ دونوں اندر گئے تو پیچھے پیچھے منال بھی آگئی۔ باقی سب جا چکے تھے۔ ابھی وہ دروازے پر کھڑے تھے کہ اندر سے آنے والی آوازیں حیام اور آرز کے قدم روک گئیں۔ شاہ ویر اور عنزہ دونوں سامنے صوفے پر بیٹھے تھے۔ وہ اُسے پھول دے رہا تھا۔ جس پر عنزہ کا دل چاہتا تھا کہ اس کے گال چوم ڈالے۔ وہ بالکل اپنی ماں پر گئی تھی، پھولوں کی دیوانی۔

"پرنسز اگلی مرتبہ آؤ گی تو میں دوبارہ پھول لے کر آؤں گا تمہارے لیے۔"

"ٹھیک ہے لیکن ویر وو میں آپ کی پرنسز نہیں ہوں۔ میں آپ کی جان ہوں۔"

حیام نے گھور کر آرز کی طرف دیکھا۔ غلطی سراسر آرز حسن کی ہی تھی۔ کون بھلا اولاد کو اپنی محبت کی داستان سناتا ہے وہ بھی اس عمر میں۔ آرز نے شریف شوہر ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"اب تو مان لو حیام کہ ہماری بیٹی بالکل تم پر گئی ہے۔"

منال ہنس دی۔ اسے دیکھ حیام بھی مسکرا دی۔

پھولوں سے جڑی ایک حیام اور آرز کی کہانی پھر سے تاریخ دہرانے والی تھی شاید۔۔

وہ چاند کو دیکھتی قلم تھامے سامنے رکھے کاغذوں کے پلندے پر سیاہی بکھیرنے لگی۔

پیاری عنزہ!!

آپ کی اماں کا آپ کے نام پہلا خط۔۔

آج مجھے لگا کہ کچھ باتیں آپ کے نام لکھنا بہت ضروری ہیں۔وہ باتیں جو شاید وقت آنے پر آپ مجھ سے یا اپنے بابا سے نہ کہہ پائیں۔جیسے کہ میں کبھی نہ کہہ پائی لیکن میں چاہتی ہوں کہ آنے والے کل میں آپ کے ہر فیصلے میں کہیں نا کہیں میں پیچھے کھڑی اپنی بیٹی کو دیکھ مسکراتی رہوں۔

جو آنسو میری اور تمہارے بابا کی قسمت میں تھے وہ ہماری بیٹی کا نصیب نہ ہوں۔اسے اپنے حصے کی محبت آنسوؤں کے بغیر مل جائے۔لیکن زندگی میں میں نے ایک سبق سیکھا ہے۔آنسو بہا دینا ضبط کرنے سے بہت بہتر ہے۔دل ہلکا کر لینا اچھا ہوتا ہے۔اور اگر کبھی ماں باپ کے فیصلے آپ سے آپ کی خوشی،آپ کی محبت چھین لیں تو خاموش رہنا، قربانی دے دینا بعض اوقات اچھا ہوتا ہے۔ماں باپ کے فیصلوں سے منہ موڑ لینا حماقت ہوتی ہے۔بیٹیاں جتنی مرضی آزاد ہو جائیں،ان کا سر جھکا لینا ماں باپ کے لیے فخر ہوتا ہے۔

لیکن میں اور آپ کے بابا آپ کو اس امتحان سے نہیں گزاریں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔ آپ کے بابا آپ کو وہ مضبوط لڑکی بنانا چاہے ہیں جو اپنے بابا سے مان کے ساتھ کہہ سکے کہ مجھے کیا پسند ہے، کون پسند ہے۔۔

آپ کی اماں

سردی بڑھتی جارہی تھی۔ دور منظر پر مرالہ کے کھیت آج بھی ویسے ہی تھے۔ کسی نے پیچھے سے آحیام کے کاندھوں پر شال ڈالی۔ حیام نے مسکرا کر دیکھا تو آرز چلتا ہوا اس کے برابر آبیٹھا۔

"اتنی فکر مت کیا کرو اس کی۔"

"میں فکر نہیں کرتی۔ میں بس اس کی زندگی کے راستوں کی رکاوٹیں، کانٹے اپنے ہاتھوں سے چن رہی ہوں۔"

"میں اچھے سے جانتا ہوں۔"

حیام نے اس کے کاندھے پر سر ٹکا دیا۔ آرز نے اس کا ماتھا چوما۔ دونوں کتنی دیر چاند کو دیکھتے رہے۔

"چلو اندر آجاؤ۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ ہمیں کل شہر کے لیے نکلنا بھی ہے۔"

حیام سر ہلاتی ہوئی سیدھی ہوئی۔ آرز نے جھک کر اس کا کاندھا چوما۔ یہ ایک خاموش عادت بن چکی تھی۔ آرز نے ہاتھ پھیلایا تو حیام نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اسے لیے اپنے ساتھ اندر چل دیا۔ دور منظر پر چمکتے چاند نے ان کی خوشیوں کے لیے دعائیں پڑھ عرش کے اُس پار بھیجی تھیں۔

♡ ختم شدہ ♡

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews